

Dance of the Happy Shades

Alice Munro (short stories)

خوش نُما رُوحوں کا رقص

ایلس منرو

نوبل انعام یافتہ

مترجم: ڈاکٹر مجاہد حسین



خوش نُما روحوں کا رقص

ایلس منرو مترجم: ڈاکٹر مجاہد حسین



ڈاکٹر مجاہد حسین آج کل گورنمنٹ دیال سنگھ گریجوایٹ کالج لاہور میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اُن کے تحقیقی وتنقیدی مضامین مختلف ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ انھیں کتب بینی کا بہت شوق ہے۔ ۲۰۱۸ء میں پنجاب یونیورسٹی نے انھیں ''کتاب دوست'' ایوارڈ سے نوازا تھا۔ وہ مختلف جامعات میں لیکچرار اعزازی بھی رہے ہیں جن میں یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب لاہور، منہاج یونیورسٹی لاہور اور یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور شامل ہیں۔ سرسیّد شناسی ان کا غالب موضوع ہے۔ وہ آج کل اکیسویں صدی کے اُردو افسانے کی تنقید پر بھی کام کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے اُن کی دو کتب شائع ہو چکی ہیں۔

اِس کتاب میں انھوں نے ایلس منرو کے پہلے افسانوی مجموعے Dance of the Happy Shades کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ مجموعہ پہلی بار ۱۹۶۸ء میں منظرِ عام پر آیا تھا۔ منرو کو ۲۰۱۳ء میں ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔ وہ کینیڈا سے تعلق رکھتی تھیں مگر انگریزی ادب میں طبع آزمائی کرتی تھیں۔ اُن کا اندازِ تحریر حقیقت پسندانہ ہے۔ ان کی کہانیوں میں دوسروں کے لیے ہمدردی، محبت، خلوص اور زندگی میں مسلسل آگے بڑھتے رہنے کا درس ملتا ہے۔

ILM-O-IRFAN PUBLISHERS
Al-Hamd Market, 40-Urdu Bazar, Lahore.
37232336'37352332
ilmoirfanpublishers1@gmail.com
www.ilmoirfanpublishers.com
www.facebook.com/Ilmoirfanpublishers

Dance of The
Happy Shades

(short stories)

خوش نُما روحوں کا رقص

(افسانے)

By

Alice Munro

ایلس منرو

مترجم

ڈاکٹر مجاہد حسین

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40-اُردو بازار، لاہور۔
فون: 37352332، 37232336 فیکس: 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

نام کتاب .... **خوش نُماروحوں کا رقص**

(Dance of the Happy Shades)

مصنف .... ایلس منرو *Alice Munro*

مترجم .... ڈاکٹر مجاہد حسین

اہتمام .... علم وعرفان پبلشرز، لاہور

مطبع .... آر۔آر پرنٹرز، لاہور

سن اشاعت 2024ء

قیمت .... **-/800روپے**

......ملنے کے پتے......

علم وعرفان پبلشرز 40 الحمد مارکیٹ۔غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی	کتاب گھر * اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی * جناح سپر مارکیٹ F-7 مرکز، اسلام آباد
فرید پبلشرز اُردو بازار، کراچی 0345-2360378	ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی
بیکن بکس گلگشت کالونی، ملتان	رشید نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی
کشمیر بک ڈپو تلہ گنگ روڈ، چکوال	خزینہ علم وادب الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور
لاہور کتاب میلہ کالج روڈ، ڈسکہ 03000700313,052-6611192	سٹی بک پوائنٹ اُردو بازار، کراچی
لاہور بک سٹی 9/A سوئی گیس سوسائٹی، ڈی ایچ اے، لاہور موبائل:0333-1410087-0336-4633908	اٹلس بک بنک مین مارکیٹ گلبرک، لاہور

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اُس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اُس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے پوری طرح متفق ہوں۔اللہ کے فضل وکرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں۔انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کر دیا جائے گا۔(ناشر)

انتساب!

ایلس منرو کے نام

فہرست

کہنے کی بات

اُردو زبان کی ترقی میں ترجمہ کا کردار مسلّم ہے۔ جدید اصناف ہمارے ہاں ترجمہ ہو کر آئی ہیں نظم، ناول، افسانہ، تنقید کا جنم ترجمہ کی بدولت ہوا ہے۔ اُن کے علاوہ باقی اصناف پر ترجمہ کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔

آج کل ہر اچھی کتاب اُردو میں ترجمہ ہو رہی ہے۔ مترجم اپنی سی کوشش کرتا ہے کہ وہ مصنف کے ڈکشن کو جوں کا توں اپنی زبان میں ڈھال دے۔ کبھی وہ مکمل کامیاب نظر آتا ہے اور کبھی کمی کا سامنا رہتا ہے۔ مترجم کو ہمہ وقت دو زبانوں میں ماہر ضروری سمجھا جاتا ہے مگر آج کل جدید لُغات Google Translate اور Computer Applications نے مترجم کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں پھر بھی ترجمہ شدہ زبان میں اصل زبان کا اسلوب برقرار رکھنا ایک کٹھن کام ہے اور ان مشکلات سے ایک مترجم ہی واقف ہوتا ہے نہ کہ ترجمہ کا نقاد۔ ترجمہ پر نظریاتی محض مباحث پیش کرنے والے نقادین کی مثال سمندر سے باہر کھڑے آدمی کی سی ہے جو غوطہ زن ہوئے بغیر اس کے بارے میں محض خیالی باتیں بنا سکتا ہے۔ ترجمہ کی مشکلات اور مسائل سے انھیں جب تک پالا نہیں پڑتا وہ اس کی رُوح تک نہیں پہنچ سکتے۔ جن لوگوں کا کہنا ہے ترجمہ ایک زبان کی لُغت کو دوسری زبان کی لُغت میں تبدیل کرنے کا نام ہے۔ وہ ترجمہ کی روح تک نہیں پہنچے۔ یہ محض لُغت تبدیل کرنا ہی نہیں بل کہ اس زبان کی تہذیب و ثقافت معنوی کائنات اور اسلوب کو اپنی زبان میں ڈھالنے کا کام ہے۔ جب تک آپ کسی دوسری زبان کے ادب پارے کو ترجمہ کرنے کے عمل سے نہیں گزرتے آپ صحیح معنی میں ترجمہ کے عمل کو نہیں سمجھ سکتے بھلے آپ ترجمہ کے مباحث پر پی ایچ ڈی کر لیں۔

ایلس منرو ایک کینیڈین انگلش مصنفہ ہیں انھوں نے افسانے اور ناول لکھے ہیں ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "Dance of Happy Shades" کے عنوان سے ۱۹۶۸ء میں منظرِ عام پر آیا تھا۔ اسی دور میں ہمارے اُردو ادب میں بہت سی خواتین ناول نگار اور افسانہ نگار بھی طبع آزمائی

کر رہی تھیں جن میں سے اکثر تانیثی مصنفہ کے طور پر جانی جاتی ہیں۔اسی وقت ایلس منرو نے لکھنا شروع کیا تھا اور ۲۰۱۳ء میں وہ نوبیل ایوارڈ برائے ادب حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ میں چوں کہ پہلے پہل اکنامکس کا طالب علم تھا۔ اردو ادب میں ایم اے بعد میں کیا تھا۔ میری انگلش قدرے بہتر تھی میں انگلش ناول اور کہانیاں پڑھتا رہتا تھا۔ اُردو میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی تحقیق کے دوران مجھے اُردو کے ادیب اور مصنّفین کے ہاں تانیثی اثرات جیسے موضوع ایم فل اور پی ایچ ڈی کے اسکالرز کے ہاں دیکھنے کو ملتے اور ان پر بحث بھی ہوتی۔ ایلس منرو کی کتاب جو اَب ترجمہ ہوکر آپ کے ہاتھ میں ہے جب میں نے پڑھی تو مجھے احساس ہوا کہ ہمارے اُردو ادب میں تانیثی مصنفین تو اصل میں تانیثیت سے کوسوں دور ہیں۔ بس یہی وجہ اس کتاب کے ترجمہ کا مقصد بنی۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ ایک تانیثی مصنفہ جسے ادب کا نوبیل انعام ملا ہے کی کہانیوں کو بہترین ترجمہ کی صورت اپنے قارئین کے لیے پیش کروں۔

آپ اس کتاب کو پڑھ کر اس کے کرداروں سے ہمدردی محسوس کریں اور مشاہدے کو جو مصنفہ نے اپنی تحریر میں پیش کیا ہے، رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو آپ یہ بھی جان لیں گے کہ اصل تانیثیت کیا ہے اور ہمارے ہاں اس کا کیا مفہوم رائج ہے۔ پھر آپ کو اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ نوبیل انعام برائے ادب کے اصل مستحقین ادیب کیسے ہوتے ہیں اور ان کا اندازِ تحریر اور موضوعات کیا ہوتے ہیں۔

مترجم

مقدمہ

انسان تجسس اور تدبر کا آمیزہ ہے۔ جس سے ایک دوسرے کو سمجھنے، سمجھانے کی راہیں خود ہی نکل آتی ہیں اور ترجمہ انسان کے اسی مفاہماتی جذبہ کا ردعمل ہے۔

زبان کا مختلف ہونا تو عام بات ہے کہ ایک ملک اور ایک ریاست میں زبانوں کی تبدیلی حیرت انگیز نہیں اور اس پر چند مہینوں میں قابو پایا جا سکتا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ زبان اپنے اندر نہ صرف مخصوص قواعد وضوابط کے اپنے مخصوص پیمانے رکھتی ہے بل کہ ہر زبان کے اندرون میں اس مخصوص علاقے کی تاریخ اور تہذیبی ونسلی تفاخر کی جڑیں پیوست ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی انسانی گروہ کے لٹریچر کو پڑھ کر ہم اس مخصوص طبقے کی ذہنی ساخت کا ہی پتا نہیں لگاتے بل کہ اس قبیلے کی تاریخ، تہذیب اور ذخیرہ علم کے سوتے تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی آبادی کے اختلاط نے ترجمے کی ضرورت کا احساس پیدا کیا ہوگا، اور اس سلسلہ میں جو ابتدائی کوششیں ہوئی ہوں گی وہ نہایت مشکل مرحلے سے گزری ہوں گی۔

جہاں تک اردو زبان میں ترجمہ کے آغاز وارتقا اس کے اصولوں اور نظریوں، اس کی مشکلات اور فتوحات اور اردو زبان وادب پر ترجمہ کے نتیجہ خیز اثرات کا تعلق ہے، افسوس ہے کہ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے، اس لیے کہ اس صدی کی ابتدائی دہایوں میں وحیدالدین سلیم، مولوی عبدالحق، ظفرالرحمٰن دہلوی، اور میر حسن جیسے چند بزرگوں کے علاوہ اردو کے کسی ادیب اور عالم نے اس موضوع کو سنجیدہ مطالعہ اور علمی تحقیق کے قابل نہیں سمجھا قدیم کلاسیکی عہد میں اردو شاعری کے سرمایہ سے قطع نظر نثر کی بیشتر کتابیں فارسی ادب کا ترجمہ ہیں سب رس،

کربل کتھا، نوطرز مرصع، باغ و بہار، گنجِ خوبی، آرائشِ محفل اور انیسویں صدی کی دوسری بے شمار داستانیں سب ترجمہ ہی سمجھی جاتی ہیں۔لیکن یہ ترجمہ کس کس نوعیت کا ہے اس کے پیچھے اگر کچھ اصول کچھ مقاصد کارفرما رہے ہیں تو وہ کیا ہیں؟ مترجم نے کہاں تک اصل سے دیانت داری برتی ہے؟ کہاں متن سے انحراف کیا گیا ہے؟ اگر آزاد ترجمہ ہے تو مترجم کے ذہن میں آزادی کا کیا مفہوم اور مقصود تھا؟ ان ترجموں نے کس طرح اور کس حد تک اردو زبان اور اردو نثر کے اسالیب کو متاثر کیا، یہ اور اس طرح کے دوسرے سوالات پر کسی عالم نے سنجیدگی سے غور وخوض کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی''۔

انگریز جب ہندوستان آیا تو انھوں نے ہماری تہذیب کا بہ غور مطالعہ کیا، ہماری ادبی شناخت، ہمارے تمدنی معیار کو پرکھا اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ انگریزوں نے اردو زبان کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ انگریزوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ہماری زبان کی خدمت کی۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں کے عہد میں ہی اردو زبان فکری اعتبار سے توانا ہوئی اور اس کی بڑی وجہ یورپی زبان وادب کے تراجم ہی تھے۔

ترجمہ ایک ایسا فن ہے جو اپنی خامیوں کے باوجود اہم ہے۔اور یہ خامیاں بھی ایسی ہیں جن پر کسی بھی طرح قابو نہیں پایا جاسکتا، ترجمہ نگار جس ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتا ہے ظاہر ہے اس کی مادری زبان ان میں سے ایک ہی ہوگی ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی بھی زبان کے الفاظ کی ایک وقیع تاریخ ہوتی ہے اور اس معاشرے کی جس میں زبان بولی اور لکھی جاتی ہے روایتیں، تہذیبی ومعاشرتی انسلاکات، رسم ورواج، مذہبی واقعات وغیرہ کی ایک بڑی دنیا اس زبان میں محاورے کی شکل میں تشبیہ واستعارے کی شکل میں، تلمیحات کی شکل میں یا پھر دیگر مختلف اشاراتی طریقے سے موجود ہوتی ہے۔ایسے میں ان اشارات کے مفاہیم کو بھی مِن وعَن دوسری زبان میں منتقل کرنا نہ صرف مشکل ہے بل کہ ناممکن بھی ہوتا ہے۔جب تک جس زبان میں ہم ترجمہ کررہے ہیں اس زبان پر ہمیں ویسا ہی عبور حاصل نہ ہو جیسا اپنی مادری زبان پر عبور حاصل

ہے۔

ترجمہ کرتے وقت مترجم کسی بھی ادب پارے سے جو معنی یا مفہوم اخذ کرتا ہے قاری تک اس کی ترسیل ہوتی ہے اب منشائے مصنف کیا ہے اسے جاننے کے لئے اصل متن اور متن کی زبان کا مطالعہ ضروری ہوگا۔

ترجمہ ایک ایسا فن ہے جس میں ایک زبان کے مفردات کے متبادل کے طور پر دوسری زبان کے مفردات کا مل جانا ہی اہم نہیں ہے بل کہ اس متن کی اصل روح یعنی مفہوم یا منشائے مصنف تک رسائی حاصل کرنا زیادہ اہم ہے۔ کیوں کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ مترجم جس متن کا ترجمہ کررہا ہے اور جس زبان میں ترجمہ کررہا ہے اس زبان میں ہو بہو مترادفات اور متبادل الفاظ، محاورے دستیاب ہوں۔ شوپنہار نے ۱۸۵۱ء میں یہ بات کہی تھی کہ کسی بھی ایک زبان کے مفردات کی ہو بہو نقل دوسری زبان میں بھی مل جائے یہ ناممکن ہے۔ کسی حد تک اس کی بات حقیقت پر مبنی بھی ہے کیوں کہ زبان اپنے ساتھ تمام تر سماجی عوامل کو ساتھ لے کر بنتی ہے، اس میں معاشرے میں رائج اعتقادات، مسالک، مذاہب، افکار وغیرہ کی چھوٹ سے ہی زبان میں نکھار پیدا ہوتا ہے

ترجمہ مشکل کام ہے گویا نگینہ جڑنے کا فن ہے۔ جو بڑی مہارت اور ریاضت چاہتا ہے۔ ایک زبان کے معانی ومطالب کو دوسری زبان میں اس طرح منتقل کرنے کے لیے کہ اصل عبارت کی خوبی اور مطلب جوں کا توں باقی رہے۔ دونوں زبانوں پر یکساں قدرت کی ضرورت ہوتی ہے جو عام طور پر کم یاب ہوتی ہے۔ ترجمے بہت ملتے ہیں لیکن اچھے ترجمے خال خال ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو زبانیں جانتا ہے بزعم خود مترجم بن بیٹھتا ہے اور ایسے ایسے گل بوٹے کھلاتا ہے کہ ترجمے کی اہمیت وافادیت مجروح ہوجاتی ہے اور ترجموں پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔

ایلس منرو اپنے فکشن کے پیچیدہ اسلوب کے سبب اردو والوں کی بہت کم توجہ حاصل کر سکی ہیں۔ حالاں کہ ان کی کئی کہانیاں اچھے اچھے ناولوں پر بھاری ہیں کیوں کہ منرو اپنے تہ دار اسلوب کی بدولت بارہ پندرہ صفحوں میں ایک سے زائد کرداروں کی نفسیاتی زندگیوں کا کچا چٹھا

کھولنے پر قادر ہیں۔ان کی کہانیوں کے مجموعوں "ٹو مچ ہیپی نس" اور "دابیگر میڈ" نے تو قارئین ادب کو حیران کر دیا تھا۔وہ ثابت کر دکھاتی ہیں کہ کہانی یوں بھی لکھی یا کہی جا سکتی ہے۔۔!

ڈاکٹر مجاہد حسین نے جب مجھے بتایا کہ وہ ایلس منرو کے افسانوی مجموعے کا اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں تو مجھے خوشی بھی ہوئی اور حیرانی بھی کہ انھوں نے اتنے مشکل کام کو سرانجام دینے کی ٹھان لی ہے۔وہ انگریزی لٹریچر کو ایک عرصے سے پڑھتے آرہے ہیں پھر مجھے یہ یقین بھی تھا کہ یہ کام کوئی مجاہد اردو ہی سرانجام دے سکتا ہے۔

ڈاکٹر فرقان علی خان
مترجم (روسی ادب)

واکر برادرز کاؤبوائے

رات کھانے کے بعد میرے ابّا نے مجھ سے پوچھا کیا تم نیچے جا کر جھیل دیکھنا چاہو گی؟ ہم ماں کو ڈائننگ روم میں کپڑے سلائی کرتے چھوڑ جاتے ہیں۔سکول کھل رہے ہیں اور ماں کو میرے کپڑے مکمل کرنے کی دُھن ہے۔ اس لیے ماں نے اپنا ایک پرانا سوٹ اور اون کا ایک پرانا لباس پھاڑ دیا ہے جسے اب کاٹنا ہے اور میرا ناپ لینا ہے۔ہم سامنے والے برآمدے کے آخر میں چھوٹے اسکرین والے پورچ میں اپنے بھائی کو بستر پر چھوڑ دیتے ہیں۔کبھی کبھی تو وہ گھنٹے ٹیک کر اسکرین کے ساتھ اپنا چہرہ دبا تا ہے اور غم گین انداز میں پکارتا ہے۔میرے لیے ایک آئس کریم کون لاؤ! لیکن میں واپس جاتی ہوں اور کہتی ہوں تب تک تم سو جاؤ گے۔ پھر میں اور ابا دھیرے دھیرے ایک لمبی اور خستہ حال گلی میں نیچے چلتے ہیں جس میں دونوں طرف لکڑی سے بنے ڈھانچے آئس کریم کی دکانوں کے باہر کھڑے ہیں۔ یہ ایک قدیم ٹپر ٹاؤن میں ہورون جھیل پر واقع ہے جو ایک پرانی اناج کی بندرگاہ ہے۔سایہ دار گلی میں کہیں کہیں چیل کے درخت ہیں جن کی جڑیں پھٹ گئی ہیں اور فٹ پاتھ کو گھیرے ہوئے ہیں۔مگرمچھوں کی طرح جو خالی صحن میں پھیل گئے ہوں۔مرد اور عورتیں گرمیوں کے باریک لباس میں گھروں سے باہر بیٹھے ہیں۔ان میں سے اکثر کو ہم نہیں جانتے مگر اس کے باوجود اگر کوئی رات کی گرمی کا اظہار کرتا ہے تو ابا سر ہلا کر ہاں میں جواب دیتے ہیں۔ بچے ابھی گلی میں کھیل رہے ہیں۔ میں انھیں بھی نہیں جانتی کیوں کہ میری ماں مجھے اور میرے بھائی کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتی۔شاید ان کا خیال ہے کہ میرا بھائی ابھی بہت چھوٹا ہے اور مجھے گھر پر اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ میں انھیں اس وقت کھیلتے دیکھ کر غم گین نہیں ہوں کیوں کہ کھیل بہت پرانے اور بچوں کو منتشر کرنے والے ہیں۔ بچے اپنی مرضی سے ان گھنے درختوں کے نیچے دو یا ایک حصے میں الگ الگ ہو جاتے ہیں،خود کو ایسے تنہا کر لیتے ہیں جیسے سارا دن اپنے گھر میں رہتی ہوں۔مٹی میں کنکریاں لگاتی یا اس میں تنکے سے کچھ لکھتی ہوں۔اب ہم ان صحن اور مکانات کو پیچھے چھوڑ کر ایک کھڑکیوں والی فیکٹری سے گزر رہے ہیں جس کے لکڑی کے بنے بڑے بڑے دروازے رات کے وقت بند رہتے ہیں۔ یہاں یہ قصبہ چھوٹے کباڑیوں کی دکانوں میں

بدل جاتا ہے۔ فٹ پاتھ ختم ہو جاتا ہے اور ہم ریتلے راستے پر چلنا شروع کر دیتے ہیں جس کے اطراف میں جھاڑیاں اور خودرو پودے ہیں۔ ہم ایک خالی جگہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک پارک کہا جا سکتا ہے کیوں کہ یہاں جھاڑیاں نہیں ہیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک بنچ ہے جس کی پشت غائب ہے۔ یہی اِدھر بیٹھنے کی جگہ بھی ہے اور پانی دیکھنے کی بھی جو عام طور پر شام کے وقت سرمئی نظر آتا ہے، اُفق مدھم ہو جاتا ہے۔ ساحل پر پڑے پتھروں پر پانی کے آنے جانے سے دھیمی آواز پیدا ہو رہی ہے۔ شہر کے مرکزی حصے کی طرف ریت کا ڈھیر نظر آتا ہے۔ پاس پانی کی سلائیڈ جو تیراکی کے لیے محفوظ جگہ پر بنی ہے اور ایک لائف گارڈ کے لیے نازک سا چبوترہ ہے۔ ایک بڑی سبز عمارت بھی ہے جو چھت والے برآمدے کی طرح ہے۔ اسے سب پویلین کہتے ہیں۔ یہ اتوار کو کسانوں سے بھرا نظر آتا ہے جو اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ تفریح کے لیے آتے ہیں۔ جب ہم ڈینگنن میں رہتے تھے گرمیوں میں تین چار بار یہاں جھیل تک آتے تھے۔ یہ کشتیاں جو قدیم زنگ آلود ہیں ہمیں پریشانی میں ڈال رہی ہیں۔ یہ فورٹ ولیم تک جانے والی ساحلی رکاوٹ کو کیسے عبور کریں گی۔ آوارگی کے لیے آئے لڑکے بھالے ادھر گھومتے ہیں۔ نازک راستوں پر چلتے ہیں۔ میرے والد کا کہنا ہے کہ وہ اپنے آپ میں تھوڑا سخت ہے۔ وہ مجھے سگریٹ بھی پلا سکتا ہے بہ شرط کہ اس سے مجھے کوئی فائدہ ہو۔ پھر وہ میرے سامنے جیب سے تمبا کو نکالتا ہے اور اسے باریک کاغذ پر احتیاط سے رکھتا ہے۔ اس کا رول بنا کر زبان سے تھوک لگاتا ہے اور سگریٹ بناتا ہے پھر اسے ان آوارہ لڑکوں کو تھما دیتا ہے جو اسے لے کر چلے جاتے ہیں۔ پھر وہ خود سگریٹ سُلگاتا ہے اور مزے سے کش لیتا ہے۔

وہ مجھے بتاتا ہے کہ یہ عظیم جھیلیں کیسے بنیں۔ وہ بتاتا ہے کہ ہورون جھیل اب جہاں موجود ہے پہلے یہ ہموار زمین تھی بالکل ایک میدان کی طرح۔ پھر شمال کی طرف سے برف رینگتی ہوئی آئی اور نیچے گہرائیوں تک پھیل گئی۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے سخت پتھریلی زمین کو کھود کر دکھاتا ہے جس پر ہم بیٹھتے۔ اس کی انگلیوں سے کھودنے سے کوئی فرق نہ پڑا۔ پھر اس نے کہا اس پرانی برف سے بنے تودے میں اس ہاتھ سے کہیں زیادہ طاقت تھی اور پھر برف واپس سکڑ گئی جہاں سے یہ آئی تھی، قطب شمالی کی طرف، جو بعد میں برف سے جھیل میں تبدیل ہو گئی مگر اس نے اپنا وجود ان گہرے مقامات میں چھوڑ دیا جہاں یہ گھس چکی تھی۔ میں ٹپر ٹاؤن میں جھیل کے کنارے کا تصور بھی نہیں کر سکتی جہاں پہلے ہندوستانی موجود تھے۔ میں اپنے سامنے اس میدان کو

دیکھ رہی ہوں جہاں ڈائنوسار چلتے تھے۔ وقت کا چھوٹا حصہ جو میں نے اپنے والد کے ساتھ گزارا ہے کبھی کبھی خوف زدہ کرتا ہے جب کہ میرے والد سکون سے رہتے ہیں مجھے لگتا ہے جب سے دنیا قائم ہے وہ گھر پر رہے ہیں اور مجھ سے تھوڑا زیادہ جئے ہیں ان تمام اوقات میں جس میں ہمیں رہنا پڑا اس وقت کے بارے میں ہم دونوں کو معلوم نہیں ہے جب گاڑیاں اور بجلی نہیں آئی تھی اور جب یہ صدی شروع ہوئی تو وہ موجود نہیں تھے۔ جب یہ صدی ختم ہو جائے گی تو میں شاید بوڑھی ہو چکی ہوں یا مر جاؤں، مجھے اس کے بارے سوچنا بالکل پسند نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ جھیل ہمیشہ ایسے ہی قائم رہے جس میں تیراکی کا سامان، ساحلی رکاوٹوں کا شور اور اس پُر ٹاؤن کی رونقیں ہوں۔

میرا والد جس فرم میں کام کرتا ہے وہ تقریباً پورے ملک میں سامان بیچتی ہے۔ یہاں واکر برادرز کے لیے سامان تیار ہوتا ہے اور ملک کے پسماندہ علاقوں میں فروخت ہوتا ہے جیسے سن شائن، بوائکس برج، ٹرن اراؤنڈ وغیرہ، ان علاقوں میں انھی کا سامان جاتا ہے سوائے ڈینگنن کے جہاں ہم رہتے تھے کیوں کہ یہ شہر کے بہت قریب ہے اور میری والدہ کو یہ بات بہت اچھی لگتی ہے۔ وہ کھانسی کی دوا، آئرن ٹانک، کارن پلاسٹر، جلاب، خواتین کے عوارض کی گولیاں، ماؤتھ واش، شیمپو، سیمنٹ، لیموں، اورنج رس بھرے فرحت بخش مشروبات، ونیلا، فوڈ کلرنگ، کالی اور گرین ٹی اور ادرک فروخت کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں ان کا ایک گانا ہے جس کی دو سطریں پیشِ خدمت ہیں:

ہر قسم کے کپڑے اور تیل ہیں
مکئی سے لے کر پھوڑوں کی دوا تک ہر چیز

میری ماں کے خیال میں یہ کوئی مضحکہ خیز گانا نہیں ہے بل کہ ایک خوانچہ فروش کا گانا ہے۔ میرا باپ وہی خوانچہ فروش ہے جو بیک ووڈ میں لوگوں کے کچن کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔

پچھلی سردیوں تک ہمارا اپنا لومڑیوں کا فارم تھا۔ میرے ابّا سفید رنگ کی لومڑیاں پالتے اور ان کی کھالیں بیچتے جس سے گرم کوٹ، جیکٹ اور سردیوں میں پہننے والا لباس بنایا جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مارکیٹ میں لومڑی کی کھال کی قیمت گر گئی۔ میرے والد اس امید پر قائم رہے کہ وہ اگلے سال بہتر ہو جائیں گی اور پھر اچھے دام ملیں گے لیکن اگلے سال قیمتیں اور گر

گئیں۔ آخر مزید انتظار ممکن نہ تھا۔ ہم نے فیڈ کمپنی سے لیا قرض بھی ادا کرنا تھا۔ یہ ساری باتیں میں نے اپنی والدہ سے سنیں وہ ہماری پڑوسن مسز اولیفینیٹ کو بتا رہی تھیں (جس نے چوکیدار سے شادی کی حالاں کہ وہ خود ایک سکول ٹیچر ہے)۔ ہم سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔ تقدیر نے ہمیں غریبوں کی گلی میں پھینک دیا تھا۔ یہ ایک آفت تھی جس سے ہماری طرح بہت سے گھر متاثر ہوئے تھے۔ اب یہی راستہ تھا کہ غربت والی زندگی کو عزت مفاہمت یا تلخی کے ساتھ اپنایا جائے۔ گھر کے آس پاس کچھ بھی ایسا نہیں تھا جسے دیکھ کر ماں کو تسلی ہو جاتی۔ فلش ٹوائلٹ کے ساتھ واش روم، نہ دودھ بھری بوتلیں، دو عدد فلم تھیٹر اور نہ ہی شان دار ریستوران۔ میری ماں کو اس سب کی کوئی پروا نہیں ہے۔ دوپہر میں اکثر وہ سامان خریدنے کے لیے بازار جاتے ہوئے مجھے ساتھ لے جاتی۔ میری ماں اچھے کپڑے پہنتی جس پر چھوٹے چھوٹے پھول بنے ہوں اور وہ ہلکے نیلے رنگ کے ہوتے۔ وہ سفید جوتے پہنتی جو میں صاف کر دیتی۔ دھوپ سے بچاؤ کے لیے اکثر سر پر ٹوپی رکھتی۔ میں باہر جاتے ہوئے اپنے بالوں کو پانی لگا کر بنا لیتی مگر جلد ہی خشک ہوا کی وجہ سے کھل جاتے۔ میں سر پر ربن بھی لگاتی۔ یہ نیم گھنگھریالے ہیں۔ مگر رات کے کھانے کے بعد والد کے ساتھ جاتے ہوئے صورت حال مختلف ہوتی۔ ماں کے ساتھ ہم کچھ ہی گھروں کے سامنے سے گزرتے کہ مجھے سب مضحکہ خیز لگنے لگتا یہاں تک کہ دونوں اطراف دیواروں پر لکھے غلیظ الفاظ بھی مجھے ہم پر ہنستے محسوس ہوتے۔ مگر میری ماں ان پر توجہ نہ دیتی۔ وہ سکون سے لوگوں کے پاس سے گزر جاتی جیسے کوئی خاتون خریداری کرنے جاتی ہے۔ میں اس حلیے میں، بکھرے گھنگھریالے بال، سر پر ربن اور سفید جرابوں میں بالکل جانا نہ چاہتی مگر مجھے جانا پڑتا۔ مجھے لوگوں کے سامنے، دوسروں کی ماؤں کے برعکس، اس کا خود کو تیز چبھتی آواز میں پکارنا بھی شدید ناپسند تھا۔

ماں کبھی کبھی گھر کے لیے آئس کریم لے جاتی۔ ہمارے گھر میں فریج نہ ہونے کی وجہ سے ہم بھائی کو نیند سے جگا کر جلد ہی آئس کریم کھا لیتے۔ میں اپنے بھائی کا بہت خیال رکھتی تھی۔ میں دھیرے دھیرے کھاتی۔ جب وہ اپنی پلیٹ خالی کر دے تب بھی برتن میں کچھ نہ کچھ باقی بچا رہے تاکہ وہ مزید کھا سکے۔ تب میری والدہ ڈینگنن میں ہونے والے حسین واقعات دہراتیں۔ جب میرے بھائی کی پیدائش سے پہلے ماں مجھے بہت پیار دیتی تھی۔ ایک کپ میں مجھے تھوڑی سی چائے اور بہت سا دودھ ملتا تھا۔ ''تمھیں یاد ہے جب ایک مرتبہ ہم نے تمھیں سلیج میں بند کر دیا تھا اور ہمارے کتے جس کا نام بریوو تھا اس نے تمھیں باہر نکال لیا تھا''۔ ''کیا تمھیں باورچی خانے

کے باہر اپنا سینڈ باکس یاد ہے''؟ میں ایسے جواب دیتی جیسے مجھے سب یاد نہ ہو۔ کیوں کہ میں ہمدردی یا ناپسندیدہ جذبات محسوس نہ کرنا چاہتی۔

اکثر میری ماں کو سر درد کی شکایت رہتی اور اسے لیٹنا پڑتا۔ وہ میرے بھائی کے تنگ بستر پر چھوٹے پردے والے پورچ میں لیٹ جاتی جس پر بھاری شاخوں کا سایہ ہے۔ وہ کہتی ''جب میں اس درخت کو دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے میں گھر پر ہوں''۔ ''آپ کو تازہ ہوا اور تفریح کی ضرورت ہے''۔ میرے ابا میری ماں سے کہتے ہیں۔ ان کا مطلب تھا کہ وہ واکر برادراز کے کاروبار کے سلسلے میں ان کے ساتھ چلے۔ میری والدہ کا خیال تھا کہ اسے ملک میں سفر نہیں کرنا چاہئے۔

''کیا میں ساتھ جا سکتی ہوں''؟

''تمھاری ماں کو تمھاری ضرورت ہوگی جب وہ کپڑے سینے کے بعد تمھیں پہنا کر دیکھنا چاہے گی''۔

''آج دوپہر میں کپڑے نہیں سیئوں گی''، امی نے کہا۔۔۔

''پھر میں ان دونوں کو لے جاؤں گا۔تم آرام کرلو''۔

ہمارے جانے سے ماں کو آرام کیسے ملے گا؟ خیر میں اپنے بھائی کو ڈھونڈنے، اسے باتھ روم سے فارغ کروانے کے بعد گاڑی میں سوار کرنے پر خوش ہوں۔ میرے والد گھر سے بھورے رنگ کے دو بھاری سوٹ کیس لاتے ہیں جن میں بوتلیں ہیں وہ انھیں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھ دیتے ہیں۔انھوں نے سفید شرٹ پہن رکھی ہے جو دھوپ میں خوب لگ رہی ہے۔ایک ٹائی لگائی ہے۔اورنج پینٹ ہے جو شرٹ اور ٹائی کی مناسبت سے ہے۔ان کا دوسرا سوٹ سیاہ ہے جو جنازے کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ میرے چچا پہنتے تھے جب وہ زندہ تھے۔ابو ایک بار پھر واپس گھر جاتے ہیں۔شاید وہ ماں کو الوداع کہنا چاہ رہے ہیں یا شاید وہ ایک بار پھر پوچھنا چاہتے وہ ہمارے ساتھ چلیں گی کہ نہیں؟ وہ اکیلے واپس آئے ہیں شاید ماں نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا ہے اور وہ گھر رہنا چاہتی ہیں۔

ہم سیر کے لیے پُرامید ہو کر نکل پڑے۔گرم ہوا چل رہی ہے۔ہم بہت سے اَن دیکھے گھروں کو عبور کرتے ہوئے سفر پر گامزن تھے جیسے ہی ہوا تیز ہوئی میرے ابا نے ٹاؤن سے باہر نکلنے کا آسان اور مختصر راستہ اپنا لیا پھر بھی گرم دوپہر ہمارے انتظار میں تھی۔ہم کسی کنٹری اسٹور پر

آئس کریم یا ٹھنڈے پانی کی طلب پوری کرنے کے لیے رکے۔ میرے ابا نے وہ گانا گنگنانا شروع کیا جو وہ اپنے لیے گاتے تھے "دی واکر برادرز کا وَبوائے" جو کچھ اس طرح شروع ہوتا تھا۔

بوڑھا نیڈ فیلڈ وہ اب زندہ نہیں رہا،

تو اس کی بجائے، میں اس کے راستے پر چل رہا ہوں۔

یہ نیڈ فیلڈ کون ہے جس کی جگہ میرے والد نے لی ہے اور واقعی مر چکا ہے۔ میرے والد کی آواز سوگوار ہے جو ماحول کو خراب کر رہی ہے۔ میرے والد نے کہا، "کاش میں ریو گرانڈے Rio Grande پر واپس جاتا اس دھول والی ریت میں سے گزرتا"۔ میرے والد اکثر گاڑی چلاتے ہوئے گاتے رہتے ہیں۔ شہر سے باہر نکلتے ہوئے، پل عبور کرتے ہوئے، تیزی سے موڑ کاٹتے ہوئے ہائی وے ہر جگہ وہ کچھ نہ کچھ گنگناتے رہتے ہیں۔ بڑبڑاتے رہتے ہیں۔ ہم ایک بپتسمہ کیمپ کے سامنے سے گزرے اور میرے والد گنگنانے لگے۔ بپتسمہ دینے والے کہاں ہیں؟ کہیں نظر نہیں آرہے ہیں۔ وہ نیچے ہورون جھیل کے پانی میں ہیں جہاں ان کے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں۔

میرا بھائی اسے سچ مانتا ہے۔ وہ گھٹنوں کے بل اٹھ کر نیچے جھیل کی طرف دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ "مجھے تو بپتسمہ دینے والا نظر ہی نہیں آرہا"، وہ شکایت بھرے انداز میں کہتا ہے۔ میرے والد جواباً کہتے ہیں، "مجھے بھی نظر نہیں آرہے میں نے بتایا کہ وہ نیچے جھیل میں ہیں۔

ہم جب ہائی وے سے نکلے تو سڑک پکی نہیں تھی۔ ہم نے دھول کی وجہ سے گاڑی کی کھڑکیوں کے شیشے اوپر چڑھائے۔ زمین ہموار تھی، جھلسی اور بالکل خالی، کھیتوں کے پچھلے حصے میں جھاڑیوں کے سائے تھے۔ ہم ایک لمبی گلی میں داخل ہوئے جس کے آخر میں بغیر پینٹ شدہ فارم ہاؤس کے دروزے تک گھاس اُگی ہوئی تھی۔ یہ بہت سنسان اور ناپسندیدہ جگہ تھی۔ اس کی عمارت میں داخل ہوں تو سبز رنگ کے پردے چار سو نظر آتے ہیں۔ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والا دروازہ کھولیں تو ہوا ہی ہوا نیچے آتی ہے اوپر دیکھنے کو کچھ نہیں ہے۔ میرے ابو نے کہا، "یہ تمھارے نیند میں چلنے کے لیے ہے"۔ اس گھر میں بہت سے دروازے ہونے کی وجہ پوچھنے پر، میں ابھی تک اس کی وجہ معلوم نہ کر سکی تھی۔

میں ان کے اس روّیے سے ناراض ہوئی کہ وہ بہت دیر سے مذاق کر رہے تھے۔ وہ ہمیشہ ایسا کرتے تھے۔ انیس سوتیس کی دہائی، اس قسم کا فارم ہاؤس، اس دوپہر مجھے ایک دہائی سے

تعلق رکھنے والی کتنی چیزیں ایک جگہ مل گئی تھی۔ میرے ابا کی ہیٹ، ان کی چمکیلی ٹائی، ہماری کار جس کا ڈیش بورڈ جو کافی چوڑا تھا اس سے ملتی جلتی کئی پرانی کاریں بغیر دھول کے اس فارم میں کھڑی تھیں۔ کچھ بہت پرانی ماضی میں کبھی چلی ہوں گی بغیر دروازے کے کھڑی تھیں۔ ان کی سیٹیں بھی غائب تھیں شاید پورچ پر استعمال کی جاتی رہی ہوں۔ مرغیاں اور مویشی وغیرہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ یہاں کتوں کے سوا کوئی جان دار نہیں تھا۔ یہ بھی سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔ جب ہماری گاڑی کی آواز سنی تو ذرا سر اٹھا کر بھونکنے لگے۔ میرے ابو نے گاڑی کھڑی کر کے دروازہ کھولا تو انھوں نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر آرام کرنے لگے۔ ابو ان کتوں کو خاموش کرانا جانتے ہیں۔ انھیں معلوم ہے کتوں کو کیسے مخاطب کرنا ہے اور لومڑیوں کو کیسے اور کن الفاظ میں۔ ایک دھیمی آواز میں کتوں کو مخاطب کرنا ہے اور دوسری جوشیلی آواز میں کہنا ہے، ''ہیلو مس میں واکر برادرز کا آدمی ہوں آپ آج کیا کر رہی ہیں''؟ ایک دروازہ کھلتا ہے اور وہ اندر غائب ہو جاتے ہیں اور ہمیں پیچھے آنے سے روک جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گاڑی سے باہر بھی نہیں نکلنے دیتے۔ ہم تو بس انتظار کر رہے تھے یا سوچ سکتے تھے کہ وہ اندر کیا کر رہے ہیں۔ کبھی کبھی وہ میری ماں کو ہنسانے کے لیے خود کو فارم کے کچن کا بتاتا کرتے۔ اس کے سامنے ایسا نظارہ پیش کرتے اور کہتے بیگم کیا تم ابھی بھی اس زندگی سے پریشان ہو؟ اپنے بچوں کے بارے میں پریشان ہو؟ یہ لومڑیاں کل کسی اچھے گھر کے لوگوں کا لباس بن جائیں گی ان کے بارے میں پریشان ہو؟ جیسے صابن پرفیوم کے بغیر بے کار ہے اور اکیلا مٹی کا تیل وغیرہ۔ میرے پاس سب کچھ ہے۔ کبھی کہتے ''یقین کرو میں ان گولیوں کی قدر جانتا ہوں جو قدرتی سکون دیتی ہیں۔ بوڑھے لوگوں کا یہ عام مسئلہ ہے۔ جب ان کی سرگرمیوں کے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ کیا خیال ہے دادی جان''؟

وہ میری ماں کی ناک کے نیچے سے ان گولیوں کے خیالی ڈبے کو لہراتے اور وہ بے اختیار ہنس پڑتی ہے۔ کیا وہ واقعی ایسا نہیں کہتا، اس نے جواب دیا نہیں وہ ایک شریف آدمی ہے۔

ایک کے بعد ایک صحن، پرانی کاریں، پمپ، کُتے، سرمئی گودام، گرتے ہوئے شیڈ اور بند پڑی وِنڈ ملز۔ آدمی اگر کھیتوں میں کام کر رہے تھے تو ہمارے قریبی کھیتوں میں نظر نہیں آ رہے۔ بچے دور، خشک بستروں پر یا بلیک بیری کی تلاش میں ہیں یا کچھ گھروں میں۔ ہمیں چھپ کر دیکھ رہے ہیں۔ کار کی سیٹ ہمارے پسینے سے بھیگ رہی تھی۔ میں اپنے بھائی کو گاڑی کا ہارن بجانے کا کہتی ہوں۔ مجھ پر الزام نہ آئے لہٰذا یہ کام میں خود کرنے کی بجائے اس سے کرانا چاہتی تھی۔ وہ بھی

یہ جانتا تھا۔ ہم جاسوسی کھیل کھیلنا چاہتے تھے مگر یہاں بہت سے رنگ تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔ گوداموں، شیڈ اور گھروں کے لیے سرمئی، صحن اور کھیتوں کے لیے بھورا، کتوں کے لیے سیاہ یا بھورا بھی چلے گا۔ مختلف رنگوں کی حامل رنگ آلود کاریں قوس قزح سے کم نہیں جن میں سے میں جامنی یا سبز رنگ کو چُننا چاہتی تھی۔

بہتر ہوتا ہم حروف کا کھیل کھیلتے مگر ہم حروف کے ساتھ نہیں کھیل سکتے تھے کیوں کہ میرا بھائی ابھی ہجے نہیں کرسکتا وہ ابھی چھوٹا ہے۔ رنگوں کا کھیل بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ میرے بھائی کا کہنا تھا میں نے رنگوں کا صحیح انتخاب نہیں کیا۔ وہ کہتا ہے میں دوبارہ انتخاب کروں۔ ایک گھر کے سارے دروازے بند ہیں حالاں کہ اس کے صحن میں کار کھڑی ہے۔ میرے والد نے دروازے پر دستخط دی اور گھنٹی بجائی۔ وہ اونچی آواز میں پکارا ''کوئی ہے۔ میں واکر برادرز کی کمپنی کی طرف سے آیا ہوں''۔ لیکن کوئی جواب نہیں آتا۔ یہ ایک ایسا گھر ہے جس کی ڈیوڑھی بھی نہیں ہے۔ خالی سیمنٹ کی ترچھی سی سلیب پڑی ہیں جن پر کھڑے ہو کر میرا والد ان کے گھر میں جھانکتا ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے، گودام ڈھونڈتا ہے۔ بالآخر اپنا سوٹ کیس لینے کے لیے جھکتا ہے تبھی اوپر سے ایک کھڑکی کھلتی ہے۔ ایک سفید برتن نمودار ہوتا ہے اور کوئی اس میں سے مواد باہر دیوار پر پھینک دیتا ہے۔ کھڑکی کیوں کہ میرے والد کے سر کے اوپر نہیں تھی اس لیے ان پر زیادہ چھینٹے نہیں پڑے۔ انھوں نے سوٹ کیس اٹھایا اور چلنے لگے جیسے کوئی خاص جلدی نہ ہو۔ وہ کار کی طرف آئے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا ''تمھیں پتا ہے وہ کیا پھینکا گیا تھا''، ''پیشاب''۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ میرے والد نے گاڑی چلانے سے پہلے سگریٹ سلگایا اور کھڑکی نیچے کر دی۔ ''ہم پر پیشاب پھینک دیا گیا ہم نے کسی کا ہاتھ یا چہرہ نہیں دیکھا'' میرا بھائی جوش میں بولا۔ میرے والد نے بھائی سے کہا ''اب یہ بات اپنی ماں سے نہ کہنا۔ وہ مذاق برداشت نہیں کرتی''۔ میں نے تھوڑی دیر بعد نوٹ کیا ہم مزید گلیوں میں جا رہے تھے اور نہ ہی گھر۔ ''کیا یہ راستہ سن شائن کی طرف جاتا ہے''؟ میں نے اپنے والد سے پوچھا اور انھوں نے جواب دیا ''نہیں میڈم ایسا نہیں ہے''۔ ''کیا ہم ابھی اسی علاقے میں ہی ہیں''؟ انھوں نے سر ہلایا۔ ''ہم تیزی سے جا رہے ہیں''۔ میرا بھائی بولا جب گاڑی گہرے گڑھے سے گزرتی ہے تو ہم اچھلتے اور سوٹ کیس کی بوتلیں آپس میں ٹکراتیں۔ جس سے کانچ کے آپس میں ٹکرانے کی آوازیں آتیں، گڑگڑ کی آوازیں۔ سڑک کی دوسری طرف ایک گھر نظروں سے گزرتا ہے جو پینٹ کے بغیر ہے۔ دھوپ میں سوکھ کر چاندی جیسا

ہو گیا ہے۔

''میرا خیال ہے ہم اس علاقے سے نکل آئے ہیں''۔

''ایسا ہی ہے''؟

''تو ہم کس لیے اُدھر جا رہے ہیں''؟

''تم جان جاؤ گی''۔

ایک گھر کے سامنے ایک مضبوط عورت اپنے دھوئے ہوئے کپڑے اُٹھا رہی ہے۔ جنھیں خشک کرنے کے لیے گھاس پر پھیلایا گیا تھا۔

جب گاڑی رُکی تو ایک لمحے کے لیے عورت نے ہمیں سخت انداز سے گھورا، وہ تولیے اُٹھانے اور انھیں اپنے بازو پر ڈالنے کے لیے جھکی پھر وہ ہمارے پاس آئی اور بالکل عام انداز میں پوچھا ''کیا تم راستہ بھول گئے ہو''؟ میرے والد کار سے باہر نکلے اور کہا ''میں واکر برادرز کا آدمی ہوں''۔

''جارج گوبی ہمارے واکر برادرز کا آدمی ہے''۔عورت نے کہا ایک ہفتے سے زیادہ دن ہو گئے ہیں وہ یہاں نہیں ہے۔''اوہ میرے خدایا''......اس نے غصے سے کہا، یہ تم ہو۔

اس عورت نے تمام تولیے اکٹھے کر کے انھیں مضبوطی سے تھاما اور انھیں سختی سے اپنے پیٹ سے لگا کر پیچھے کی طرف ہوئی جیسے اسے کوئی تکلیف ہوئی ہو۔تمام لوگوں میں وہ واکر برادرز کے آدمی ہیں جن کو میں نے کبھی دیکھنے کا سوچا بھی نہیں اور تم کہتے ہو کہ تم واکر برادرز کے آدمی ہو۔

میرے والد نے عاجزی سے کہا ''مجھے افسوس ہے کہ آپ جارج گوبی کی منتظر تھیں''۔

''اور میری طرف دیکھو، میں مرغیوں کے ڈربے صاف کرنے کے لیے تیار تھی''۔تم سوچ رہی ہو گی کہ میں بہانہ کر رہا ہوں لیکن ایسا بالکل نہیں۔ میں روزانہ نظر نہیں رکھتا، اس عورت نے کسانوں جیسی ٹوپی پہن رکھی تھی۔جس سے سورج کی روشنی چھن کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔کار میں کون ہے؟ کیا وہ تمھارے بچے ہیں بن؟ عورت نے پوچھا۔''مجھے امید ہے اور شاید یقین بھی کہ وہ میرے ہی بچے ہیں''، میرے والد نے جواب دیا۔ پھر ہمارے نام اور عمریں بتانے لگے۔ابو نے ہمیں کار سے باہر آنے کا کہا۔ یہ مس نورا کرونن ہے۔نورا تم اپنے بارے میں بہتر بتا سکتی ہو کہ تم ابھی بھی مس ہو یا مسز ہو چکی ہو اور تمھارا شوہر کہیں جنگل میں چھپا ہوا ہے؟

اس نے کہا، ''بن اگر میرا شوہر ہوتا تو میں نے اسے چھپا تھوڑی لینا تھا''۔ پھر دونوں

ہنسنے لگے۔ اچانک اس کی ہنسی غصے میں بدل گئی اور اس نے کہا ''تم سوچ رہے ہو گے کہ مجھے ادب آداب کا لحاظ نہیں ہے۔ میں بھونڈے لباس میں ہوں باہر دھوپ جب کہ اندر ٹھنڈک ہے تم اندر آجاؤ''۔ ہم صحن کے دوسری جانب گئے (معذرت خواہ ہوں آپ کو اس طرف سے جانا پڑ رہا ہے۔ میرا نہیں خیال جب سے میرے پاپا فوت ہوئے ہیں ہم نے سامنے والا دروازہ کھولا ہو) ڈیوڑھی کی سیڑھیوں سے اوپر، باورچی خانے میں اونچی چھت ہے جو واقعی ٹھنڈی ہے۔

سادہ، صاف کمرا آتا ہے جس میں پردے گرائے ہوئے تھے۔ مومی آسائشی سامان اور ایک کھانے والی گول میز تھی۔ صاف ستھری ہونے کے باوجود اس سے ایک ہلکی سی بو محسوس ہو رہی تھی۔ کسی بوڑھی عورت سے آنے والی بو کے جیسی۔ کیوں کہ ایک بوڑھی عورت نیچے کرسی پر آرام کر رہی تھی۔ اس نے اپنا سر ہماری طرف گھمایا اور کہا، ''نورا کوئی آیا ہے''؟

نورا نے میرے والد سے کہا ''یہ اندھی ہیں''۔ پھر اس نے اس عورت سے کہا، ''آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ اس آدمی کی آواز سنو''۔

میرا والد نورا کی ماں کے پاس جاتا ہے اور جھک کر کہتا ہے سہ پہر بخیر مسز کرونن۔ امید ہے آپ مجھے پہچان لو گی۔ بڑھیا بنا حیران ہوئے کہتی ہے ''رین جارڈن تم کافی عرصے سے ہمیں ملنے نہیں آئے تم ملک سے باہر تھے کیا''؟

نورا اور میرا والد ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہیں۔

نورا خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات سے کہتی ہے، ''ماں یہ اب شادی شدہ ہے اور اس کے دو بچے بھی ہیں''۔ وہ ہمیں آگے کرتی ہے کہ ہم بڑھیا کے ٹھنڈے اور خشک ہاتھوں سے اپنے ہاتھ ملائیں اور اسے اپنے نام بھی بتائیں۔ یہ پہلی نابینا عورت تھی جسے میں نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے اس کی آنکھیں بند اور پلکیں اندر کو دھنسی تھیں۔ آنکھوں کی کوئی شکل نہیں تھی، یہ کھوکھلی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایک آنکھ سے پانی ٹپک رہا تھا۔

نورا کہتی ہے ''تم ماں سے بات کرو، میں کپڑے بدل کر آتی ہوں۔ ہمارے پاس کبھی کوئی نہیں آیا یہ ماما کے لیے جیسے کوئی دعوت ہے۔ ایسا ہی ہے نہ ماما''؟

''ہم نے اس رستے پر بہت کم کبھی کسی کو آتے جاتے دیکھا ہے اور ہمارے اردگرد جو ہمسائے تھے ان میں سے کچھ یہاں سے نکل گئے ہیں'' نورا کی ماں نے کہا۔

صحیح (ابو کہتے ہیں)۔

تمھاری بیوی کہاں ہے؟

''گھر ہے۔اسے گرم موسم میں باہر نکلنا پسند نہیں ہے۔ بیمار ہو جاتی ہے''۔

''اچھا''۔ایسا کہنا یہاں کے بوڑھے لوگوں کی عادت ہے۔اس طرح ان کی شائستگی اور تشویش ظاہر ہوتی ہے۔نورا جب واپس آئی تو اس نے بہت خوب صورت لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ایسا میں نے کبھی اپنی ماں کا نہیں دیکھا۔ بھورے رنگ کے لباس پر سبز اور پیلے بڑے نشان تھے اور اس کے ننگے بازو تھے جن پر بھورے داغ تھے جیسے خسرے کے نشان ہوں۔اس کے بال چھوٹے مگر سیاہ اور گھنگھریالے تھے۔دانت سفید اور مضبوط لگ رہے تھے۔''میں جانتا تھا کہ ضرور ایسا لباس ہوتا ہوگا''، میرے والد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ نورا نے کہا''تم حیران ہو گے ایسی بہت سی چیزیں دیکھ کر جنھیں تم نے آج سے پہلے نہیں دیکھا تھا''۔

جب وہ چلتی اور بولتی تو اس کی حرکت اور آواز کے ساتھ کولون کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔وہ بہت ملنسار اور جوان لگ رہی تھی۔خیر یہ لباس گڑیا جیسا نہیں کہا جا سکتا۔ہاں اچھا ہے۔ اس پر پھول ہیں۔جاؤ اور تھوڑا ٹھنڈا پانی بھر لاؤ مجھے بچوں کو پلانا ہے۔وہ نیچے جھک کر الماری سے واکر برادرز کا اورنج سیرپ لائی۔

تم بتا رہے تھے''تمھارا تعلق واکر برادرز سے تھا''

''سچ ہے''۔

''نورا اگر تمھیں اب بھی یقین نہیں ہے تو تم اس کیس کے نمونے میری گاڑی میں دیکھ سکتی ہو جو مجھے یہاں سے جنوبی علاقے کی طرف بیچنے کو ہیں''۔

''واکر برادرز کیا یہ سچ ہے تم واکر برادرز کے لیے بیچ رہے ہو''؟

''جی میم''۔

''ہم نے تو ہمیشہ سنا ہے کہ تم ڈینگنن میں لومڑیاں پال رہے ہو''۔

''جی میں یہی کام کرتا تھا مگر بدقسمتی سے اب بند ہو گیا ہے''۔

''تو تم کہاں رہ رہے ہو؟ اور کب سے بیچ رہے ہو''؟

''ہم ٹپر ٹاؤن کی طرف چلے گئے ہیں تقریباً دو تین مہینے ہو گئے ہیں۔اتنے پیسے بچتے ہیں کہ پیٹ بھر کر کھانا کھا لیتے ہیں''۔

نورا ہنس پڑی۔اچھا میرا خیال ہے آپ خود کو خوش قسمت سمجھیں کہ آپ کے پاس کام

کرنے کو ہے۔ازابیل کے شوہر کو لمبے عرصے تک برانٹ فورڈ میں کوئی کام نہیں ملا۔ میں نے سوچا ہے اگر جلد اسے کام نہ ملا تو انھیں یہاں اپنے پاس بلا لوں گی تا کہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں اور یہ بہت مشکل لگ رہا ہے۔ میں اپنے اور ماما کے لیے بہ مشکل بندوبست کر پاتی ہوں''۔

''ازابیل شادی شدہ ہے''، ابا نے پوچھا۔''کیا میوریل کی بھی شادی ہوگئی''؟

''نہیں، وہ بیرون ملک ایک سکول میں پڑھا رہی ہے۔ وہ پانچ سال سے گھر نہیں آئی۔ شاید اسے چھٹیوں میں کام کرنے کو کچھ بہتر مل جاتا ہے۔ اگر میں میوریل کی جگہ ہوتی تو شادی کر چکی ہوتی''۔

وہ ٹیبل کے دراز سے کچھ تصاویر نکال کر اسے دکھاتی ہے۔''یہ ازابیل کا سب سے بڑا لڑکا ہے۔ اب سکول داخل ہونے والا ہے۔ یہ گاڑی میں ازابیل اور اس کا شوہر میوریل بیٹھے ہیں۔ ساتھ ان کا بچہ ہے۔ یہ ساتھ اس کا روم میٹ ہے جو ایک بنک میں کام کرتا ہے اور اکثر اس کے ساتھ گھومتا ہے اپنی گاڑی میں اسے سیر کراتا ہے۔ یہ اس کا اسکول ہے جس کے آٹھ کمرے ہیں اور وہ پانچویں جماعت کو پڑھاتی ہے''۔ میرے والد نے سر ہلایا۔

''میں اس کے بارے اس کے علاوہ سوچ بھی نہیں سکتا جب وہ سکول جایا کرتی تو میں اکثر اسی راستے سے آتے جاتے اسے اٹھالیا کرتا تھا۔ میں ادھر تم سے ملنے آیا کرتا تھا اور وہ بالکل خاموش گم صم رہتی تھی۔

''اب وہ ویسی نہیں رہی''۔

بوڑھی عورت بولی''تم کس کے بارے میں بتا رہی ہو؟''

''میوریل کے بارے میں بتا رہی ہوں کہ وہ اب ویسی شرمیلی نہیں رہی''۔

''وہ پچھلی گرمیاں ادھر ہی تو تھی''۔

''ارے نہیں ماں وہ ازابیل تھی۔ ازابیل اور اس کی فیملی پچھلی گرمیوں میں ادھر ہی تھی، میوریل یورپ میں ہے۔

''ہاں میرا مطلب تھا ازابیل''۔

تھوڑی دیر بعد وہ بوڑھی عورت سو گئی۔ اس کا سر ایک طرف جھکا ہوا اور منہ کھلا تھا۔

''معاف کرنا ماں بڑے عجیب انداز سے سوتی ہے''نورا نے کہا۔''یہ بوڑھی عمر ہی ایسی ہے''۔

اس نے اپنی ماں پر ایک چادر اوڑھ دی اور ہمیں ساتھ والے کمرے میں لے گئی تا کہ

ہماری گفتگو سے اس کی ماں کی نیند خراب نہ ہو۔

میرے ابو نے ہم دونوں سے کہا تم باہر جا کر کھیل آؤ۔

ہم کس سے کھیلیں؟ میں یہیں رکنا چاہتی تھی سامنے والا کمرا کچن سے زیادہ دل چسپ تھا حالاں کہ یہ خالی تھا۔ دیوار پر ابن مریم کی تصویر چسپاں تھی، ایک گراموفون تھا۔ میں نے ایسی تصاویر چرچ میں دیکھی ہیں ایسی تصاویر رومن کیتھولک کے گھر پائی جا سکتی ہیں یقیناً نورا بھی وہی تھی۔ ہم کسی بھی رومن کیتھولک چرچ کو اچھی طرح تو نہیں جانتے نہ ہی ادھر زیادہ گئے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے میری نانی ماں اور آنٹی ٹینا ڈینگنن میں کسی کیتھولک کے بارے میں کبھی اچھے لہجے میں بات نہیں کرتی تھیں وہ ہمیشہ کہتیں کہ ان کیتھولک کے عقائد غلط ہیں۔

نورا ایک آدھی بھری ہوئی شراب کی بوتل نکالتی ہے میرے ابو کو دیتی ہے اور خود بھی گلاس میں انڈیلتی ہے۔ دونوں مزے سے شراب پیتے ہیں۔ یہ وہی گلاس تھے جس میں میرے والد اور نورا نے پہلے مالٹے کا جوس پیا تھا۔

''اسے بیماری کے دنوں کے لیے رکھا ہے''؟ میرے والد نے کہا۔

نورا بولی ''میں بیمار نہیں ہوں۔ میں یہ اس لیے رکھتی ہوں کہ مجھے عادت ہے میں اکیلے میں بھی شراب پی لیتا ہوں پھر بھی ایک بوتل کافی عرصہ نکال جاتی ہے''۔ اس نے اور میرے والد نے جو پیا تھا میں جانتی تھی یہ کیا ہے، وہسکی۔ ایک بات جو ایک بار میری والدہ نے مجھے کہی تھی کہ تمھارے والد نے کبھی وہسکی نہیں پی لیکن میں نے اسے پیتے دیکھ لیا۔ وہ وہسکی پیتے ہوئے ان لوگوں کی باتیں کر رہا تھا جن کے نام میں نے کبھی نہیں سنے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کسی مانوس واقعہ کی بات کرتا ہے۔ وہ اس بالٹی کے بارے میں بتاتا ہے جو کھڑکی کھول کر اس پر پھینک کر خالی کی گئی تھی۔ وہ کہتا ہے ''مجھے وہاں تصور کرو''، میری دل نشین، میں چیخ کر کہتا ہوں، یہ تمھارے واکر برادرز کا آدمی ہے۔ کوئی گھر پر ہے؟ وہ چیخ کر خود سے مکالمہ کرتا ہے، مضحکہ خیز مسکراہٹ دیتا ہے، انتظار کرتا ہے، خوش امیدی سے اوپر دیکھتا ہے اور پھر اپنے سر پر اپنے باز و رکھ کر جیسے رحم کی بھیک مانگتا ہے۔ جو میں آج دیکھ رہی تھی میرے والد نے ایسا پہلے کبھی نہ کیا تھا۔ نورا اتنا اونچا ہنستی ہے جتنا اس وقت میرا بھائی ہنسا تھا۔ ''یہ سچ نہیں ہے ایک بات بھی سچ نہیں ہے''! وہ کہتی ہے۔

''اوہ واقعی یہ سچ ہے میڈم۔ ہماری صفوں میں واکر برادرز جیسے ہیرو ہیں۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم اسے مذاق سمجھتی ہو''، اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

میں نے شرماتے ہوئے کہا،" گانا گایئے"۔

"کون سا گانا؟ کیا تم سب کچھ چھوڑ کر گوّیےّ بن گئے ہو"؟ نورا بولی۔

میرا والد شرمندہ ہو کر کہتا ہے"اوہ" یہ گانا میں نے گاڑی چلاتے ہی دورانِ سفر بنایا ہے۔اس سے مجھے تحریک ملتی ہے جب میں گنگناتا ہوں"۔

بار بار کہنے پر وہ نورا کی طرف معذرت خواہانہ انداز میں دیکھ کر گانا گاتا ہے۔ وہ اتنا ہنستی ہے کہ میرے والد کو گانا گاتے بار بار رُکنا پڑتا ہے کیوں کہ وہ اپنے ساتھ میرے والد کو بھی ہنساتی ہے۔

پھر وہ بیچتے وقت لگانے والی آواز میں بھی گا کر دکھاتا ہے۔نورا تب بھی ہنستی ہے۔ وہ اپنے بازو اپنے سینے پر رکھ لیتی ہے اور زور سے ہنستی رہتی ہے۔"تم پاگل ہو گئے ہو" نورا نے کہا "بس تم پاگل ہو"۔ پھر وہ میرے بھائی کو گراموفون کی طرف جھانکتے ہوئے دیکھ کر چھلانگ لگا کر اس کے پاس چلی جاتی ہے۔"ہم اکیلے مزے کر رہے ہیں اور تمھارا خیال ہی نہیں رہا۔ بہت عجیب ہے۔کیا تم چاہتے ہو کہ میں یہاں کوئی ریکارڈ لگاؤں تا کہ تم گانا سن سکو؟ کیا تم ناچ سکتے ہو؟ تمھاری بہن ناچ سکتی ہے؟ میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں" نورا میرے بھائی سے کہتی ہے۔

میں نے کہا،"نہیں مجھے ڈانس کرنا نہیں آتا"۔

"تم جیسی خوب صورت اور بڑی لڑکی کہتی ہے،اسے ناچنا نہیں آتا"۔ میں نہیں مانتی نورا کہتی ہے۔

یہ تمھارے سیکھنے کی عمر ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تم ایک خوب صورت رقاصہ بن سکتی ہو۔"یہاں میں ایک ایسا گانا لگانا چاہوں گی جس پر میں اور تمھارا والد ہم دونوں ڈانس کیا کرتے تھے۔ بھلے وقت کی بات ہے اور ہاں سنو وہ بہت اچھے رقاص تھے بہت باصلاحیت بھی۔کیا تم جانتی ہو"؟

وہ گانا لگاتی ہے اور خلافِ توقع اپنا ہاتھ میری کمر پر رکھ لیتی ہے،اپنے دوسرے ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑتی ہے اور اسے اوپر اٹھاتی ہے پھر مجھے پیچھے کی جانب دھیرے سے لے جاتی ہے۔میری نقل کرو، یہ پاؤں دیکھو ایک اور دو، ایک اور دو، اچھا ہے، اپنے پاؤں مت دیکھو، میری نقل کرو، ایک دو، ٹھیک کر رہی ہو، دیکھو تم ایک بہت اچھی ڈانسر ہو گی۔ اپنی بیٹی کو ڈانس کرتے دیکھو بن"۔خوب صورت گانا بجتا رہا۔نورا مجھے گول دائرے میں فخر سے گھوماتی ہے، پھر ہنستے ہوئے

بڑی خوش اسلوبی سے سیکھاتی ہے، مجھے اپنی عجیب ہنسی، وہسکی، کولہے اور پسینے کی خوشبو کے سحر میں لپیٹ لیتی ہے۔اس کا سارا لباس پسینے سے شرابور ہے اوراس کے ہونٹوں کے اوپر پسینے کے قطرے جمے ہیں،اس کے چہرے کے گرد نرم اور سیاہ بال لٹک رہے ہیں۔وہ مجھے میرے والد کے سامنے گھماتی ہے، میں اتنی اچھی شاگرد نہیں ہوں،اس لیے دورانِ رقص ٹھوکر سے بال بال بچتی ہوں۔ میں بے دم ہو جاتی ہوں تو وہ مجھے چھوڑ دیتی ہے۔

''بن میرے ساتھ ڈانس کرو''۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو نورا میں دنیا کا بدترین ڈانسر ہوں''۔

''میں ایسا نہیں سوچتی''۔

''اب تم سوچی گی''۔

وہ اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔بازو ڈھیلے چھوڑ دیے،اس کی چھاتیاں جنھوں نے لمحہ پہلے مجھے اپنی گرم جوشی اور بڑے پن سے شرمندہ کر دیا تھا،اس کے ڈھیلے اور پھولوں والے لباس کے نیچے ہل رہی تھیں۔اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

''بن''۔

میرے والد نے دور ہوتے ہوئے کہا،''میں نہیں کر سکتا نورا''۔

اس نے گانا بند کرتے ہوئے کہا،''میں اکیلی شراب پی سکتی ہوں مگر ناچ نہیں سکتی۔ ہاں مگر میں اپنی سوچ سے زیادہ پاگل نہ ہوں تو (ورنہ یہ بھی کر سکتی ہوں)''۔

''نورا تم پاگل نہیں ہو''میرے والد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''رات کے کھانے کے لیے آج یہیں رک جاؤ''۔

''اوہ نہیں،ہم تمھیں مشکل میں ڈالنے نہیں آئے''۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے، مجھے تو خوشی ہوگی''۔

''اوران بچوں کی ماں پریشان ہوگی،سوچے گی ہم کسی مصیبت میں پھنس گئے ہیں''۔

''اوہ،اچھا،ٹھیک ہے''۔

''ہم نے تمھارا بہت وقت ضائع کیا ہے''۔

''وقت ضائع کیا ہے''؟ نورا سخت لہجے میں بولی۔تم پھر کب واپس آؤ گے؟

''میں کوشش کروں گا اگر ممکن ہوا''،میرے والد نے جواب دیا۔

''بچوں اوران کی والدہ کوبھی لے آنا''۔

''ٹھیک ہے اگر آسکا تو ضرور'' میرے والد نے کہا۔

جب وہ ہمارے پیچھے کار تک خدا حافظ کہنے آئی تو میرے والد نے اسے ہمارے گھر آنے کا کہا اور ہمارے گھر کا پتا اچھی طرح سمجھایا۔

نورا نے ہمارے گھر کا پتا نہ دہرایا۔ وہ اپنے نرم اور شان دار لباس میں گاڑی کے قریب کھڑی تھی۔ وہ گاڑی کے فینڈر کو چھوتی ہے اور وہاں پڑی گرد پر ایک نا قابل فہم نشان بنا دیتی ہے۔ گھر جاتے ہوئے راستے میں میرے ابو نے آئس کریم یا پوپ خرید کر نہیں دیتے۔ ہاں وہ ایک دیسی اسٹور میں جاتے ہیں اور لیکورائس کا ایک ڈبہ خریدتے ہیں جسے وہ ہمارے درمیان بانٹ دیتے ہیں۔ اس کے عقائد ہم سے مختلف ہیں۔ یہ خیال اور الفاظ مجھے اُداس کر دیتے ہیں میں پہلے ایسی اُداس کبھی نہ ہوئی تھی۔ میرے والد ان واقعات کا گھر پر ماں سے ذکر کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ مگر جب وہ لیکورائس لینے جاتے ہیں تو مجھے احساس ہوتا ہے یہ باتیں گھر بتانے والی ہرگز نہیں ہیں نہ وہسکی نہ رقص کے بارے میں۔ میں اپنے بھائی کے بارے میں سوچتی ہوں اسے کیا کچھ یاد رہ سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے وہ اندھی عورت یا مریم کی تصویر یاد رہ سکتی ہے۔

''گاؤ'' میرا بھائی میرے والد کو گانے کا کہتا ہے۔ وہ بڑی سنجیدگی سے جواب دیتے ہیں ''مجھے نہیں لگتا میں گانے سے تازہ دم ہو جاؤں گا۔ تم سڑک پر دھیان دو اور اگر کوئی خرگوش دیکھو تو مجھے بتانا''۔

میرے والد گاڑی چلاتے ہیں، بھائی سڑک پر خرگوش کی تاک میں رہتا ہے اور میں محسوس کر رہی تھی کہ جیسے میرے والد کی زندگی دوپہر کے اس آخری حصے میں ہماری گاڑی سے واپس کہیں پیچھے کی طرف جا رہی ہے۔ وہ زندگی جس سے ہم انجان ہیں۔ ایک ایسے منظرنامے کی طرح جو سحر انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ بہت عام، مہربان اور جانا پہچانا محسوس ہوتا ہے جب آپ اس پر توجہ دیتے ہیں۔ مگر جیسے ہی آپ توجہ ہٹائیں تو یہ ایک ایسے روپ میں بدل جاتا ہے جسے آپ اسے کبھی نہیں جانتے تھے۔

جب ہم ٹپر ٹاؤن کے قریب پہنچے تو آسمان ہمیشہ کی طرح ہلکا سا ابر آلود تھا جیسے ہر بار گرمیوں کی شاموں میں جھیل کنارے محسوس ہوتا تھا۔

روشن گھر

مَیری مسز فلرٹن کے گھر میں پیچھے کی طرف بیٹھ گئی، مسز فلرٹن (جو انڈے بیچتی ہے) سے باتیں کر رہی تھی یا اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ ایڈتھ کی، ڈیبی کی سال گرہ کے لیے جاتے ہوئے رستے میں انڈوں کی قیمت ادا کرنے مسز فلرٹن کے گھر آئی تھی۔ مسز فلرٹن خود کسی کے گھر گئی اور اس نے نہ کبھی کسی کو گھر بلایا تھا مگر جب کبھی کاروباری معاملہ ہوتا تو وہ ضرور مل لیتی تھی۔ مَیری اپنے ہمسائے کی زندگی کے بارے میں مزید جاننے کی کوشش میں تھی جیسے کبھی اس نے دوسری بڑی عمر کی عورتوں کی زندگیوں کے بارے واقفیت حاصل کی تھی۔ جو وہ جانتی تھی اس سے کم جاننے کا دکھاوا کرتے ہوئے کسی ایسی کہانی کے بارے پوچھتے ہوئے جسے وہ پہلے سن چکی تھی، اس طرح ہر سنی ہوئی بات پہلے سے کچھ مختلف، معنی، رنگ مگر ایک حقیقی انداز میں سامنے آتی جوان چیزوں سے مل جاتی جو کم از کم کچھ حد تک حقیقی ہوتی ہیں۔ وہ یہ بھول چکی تھی کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی زندگیاں اس انداز سے بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ وہ مزید بہت پرانے لوگوں سے اب بات نہیں کرتی تھی۔ زیادہ تر لوگ جن سے وہ واقف تھی اس کے جیسے ہی زندگی گزار رہے تھے جس میں بے ترتیبی تھی اور وہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کے لیے پر اعتماد نہ تھے۔ مسز فلرٹن کے ذہن میں اس طرح کے سوال یا شکوک نہیں تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا؟ مثال کے طور پر مسٹر فلرٹن کے واپس نہ آنے کو بے فکری کے عالم میں نظر انداز کرنا۔ جو گرمیوں میں ایک دن سڑک سے نیچے گئے اور غائب ہو گئے پھر کبھی واپس نہ آئے۔

''میں یہ نہیں جانتی تھی''۔ مَیری نے کہا ''میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ مسٹر فلرٹن وفات پا چکے ہیں''۔

مسز فلرٹن نے بیٹھ کر کہا ''وہ مرا نہیں ہے''۔ ایک بڑا پتھر سیڑھیوں سے نیچے کی طرف لڑھکا اور مَیری کا چھوٹا بیٹا ڈینی اس کے پیچھے آیا ''وہ صرف اپنے سفر پر گیا ہے۔ وہ ایسا ہی ہے''۔ شاید وہ شمال کی طرف گیا ہے یا کسی سٹیٹ کی طرف۔ مجھے نہیں معلوم لیکن وہ مرا نہیں ہے مجھے معلوم ہے نہ ہی وہ میری طرح بوڑھا ہوا ہے۔ وہ میرا دوسرا شوہر تھا، عمر میں مجھ سے چھوٹا تھا۔ میں نے یہ

بات کبھی نہیں چھپائی۔ میرے پاس یہی جگہ تھی، میں نے اپنے بچوں کو یہیں پالا۔ اپنے پہلے شوہر کو یہیں دفنایا۔ یہ مسٹر فلرٹن کے میری زندگی میں آنے سے پہلے کی بات ہے۔ ایک دفعہ ہم دونوں پوسٹ آفس گئے، جب میں لیٹر بکس میں خط ڈالنے گئی تو میرا پرس وہیں رہ گیا۔ ہم دونوں وہاں سے نکل آئے۔ ایک لڑکی نے پیچھے سے آواز دی اور مسٹر فلرٹن سے کہا یہ لیں آپ کی ماں آپ کا پرس بھول گئی تھی۔

مسز فلرٹن کے بلند و بالا قہقہے کے جواب میں مَیں مسکرا دی۔ مسز فلرٹن آپ کی سوچ سے بھی زیادہ بوڑھی ہے۔ ایسا وہ خود کہتی ہے۔ اس کے بکھرے بال دیکھتے ہوئے اس کے کپڑے جن پر سلوٹیں ہیں، سستے اسٹور سے خریدے بروچ جو اس کے سویٹر پر لگے ہیں۔ اس کی گہری سیاہ اور روشن آنکھیں جن میں چیزیں ڈوب گئیں، مگر وہ کبھی تبدیل نہیں ہوئیں۔ اس کے چہرے پر حرکت صرف ناک اور منہ پر رہتی جس سے اس کے چہرے پر گہری جھریاں پڑتی تھیں۔ ہر جمعہ جب وہ انڈے بیچنے آتی تو اس کے بال گھنگھریالے ہوتے، اس کی قمیض جسے اس نے نرم روئی جیسے گچھے سے سجایا ہوتا، اس کا منہ میک اپ سے بھرا ہوتا۔ ایک پھیلی ہوئی سرخ لکیر، وہ اپنے آپ کو نئے ہمسایوں کے سامنے خود کو بوڑھی یا دکھی محسوس نہیں ہونے دیتی تھی۔

''اس نے سوچا میں اس کی ماں ہوں''۔ مجھے فرق نہیں پڑا۔ میں بہت ہنسی مگر میں تمھیں کیا بتا رہی تھی۔ گرمیوں میں ایک دن وہ کام پر نہیں گیا۔ وہ سیڑھی لگائے میرے چیری کے کالے درخت سے چیری اُتار رہا تھا۔ میں کپڑے لٹکانے باہر آئی تو ایک ناواقف آدمی دیکھا جسے میرا شوہر چیری سے بھرا پیالہ دے رہا تھا۔ یہ کون تھا؟ میں نے اپنے شوہر سے پوچھا۔ صرف ایک شخص جو ادھر سے گزر رہا تھا (میرے شوہر نے کہا)۔ اگر وہ تمھارا دوست ہے تو وہ شام کھانے پر رک سکتا ہے (میں نے کہا)۔ اس نے جواب دیا تم کیا بات کر رہی ہو، میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میں (مسز فلرٹن) نے مزید کچھ نہیں کہا۔ مجھے سمجھ نہیں آتی پھر وہ میرے شوہر کے پاس کیوں کھڑا تھا اور وہ چیری لے گیا جسے میں میٹھی ڈش میں استعمال کرنے والی تھی۔

مسز فلرٹن نے کہا، ''اس آدمی کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد مسٹر فلرٹن اپنی جیکٹ اور ٹوپی پہنے باہر آیا اور کہنے لگا''۔ مجھے شہر میں کسی سے ملنے جانا ہے، میں نے پوچھا کب تک واپس لوٹیں گے؟ اس نے جواب دیا زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ پھر وہ سڑک کے ساتھ ساتھ نیچے چلا گیا جس طرف ٹریفک جا رہی تھی۔ اس کے پاس بہت سا غیر ضروری سامان تھا۔ کچھ ایسا جس نے مجھے اس

کا تعاقب کرنے پر مجبور کیا۔ میں نے کہا اسے اس کوٹ میں یقیناً گرمی لگ رہی ہوگی۔ یہ وہ وقت تھا جب میں نے محسوس کیا وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ مگر میں اس کی توقع نہیں کرسکتی تھی، اسے یہاں رہنا پسند تھا۔ وہ گھر کے عقب میں چوہے پالنے کا سوچا کرتا تھا۔ آپ کبھی نہیں جان سکتے کہ ایک انسان کی سوچ کیا ہے۔ چاہے آپ برسوں سے اس کے ساتھ رہ رہے ہوں۔

میری نے کہا ''کیا یہ کافی پرانی بات ہے''؟

''بارہ سال (مسز فلرٹن نے کہا) میرے بیٹے چاہتے تھے کہ ہم گھر بیچ کر کہیں اور چلے جائیں لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اس وقت میرے پاس مرغیاں اور ایک بکری بھی تھی جو پالتو تھی۔ کچھ عرصہ میں نے راکون پال رکھا تھا جسے میں چیونگم کھلاتی تھی۔ خیر میں نے سوچا شوہر تو آتے جاتے رہتے ہیں مگر وہ جگہ جہاں آپ نے پچاس سال گزارے ہوں، اس کی الگ بات ہوتی ہے۔ میں اپنے خاندان کے ساتھ اس بارے مذاق کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میں نے سوچا اگر مسٹر فلرٹن کو واپس آنا ہوا وہ یہیں آئے گا کیوں کہ اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ یقیناً جس طرح حالات بدل چکے ہیں وہ بہ مشکل سمجھ سکے گا کہ مجھے کہاں تلاش کرے، مجھے ہمیشہ یہ خیال آتا تھا کہ ہوسکتا ہے اس کی یادداشت کھوگئی ہو اور کسی دن وہ واپس آجائے، ایسا ممکن ہے۔

''میں شکایت نہیں کر رہی بعض اوقات مجھے محسوس ہوتا ہے کسی شخص کا چلے جانا بھی معقول ہے جیسا کہ اس کے ساتھ رہنا۔ مجھے تبدیلیوں سے فرق نہیں پڑتا اس سے مجھے میرے انڈوں کے کاروبار میں مدد ملتی ہے۔ لیکن یہ بچوں کو سنبھالنا مجھے پسند نہیں۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی مجھے اپنے بچوں کا خیال رکھنے کا کہتا ہے۔ میں انھیں بتاتی ہوں میری اپنی بھی مصروفیت ہے، میرا گھر ہے اور میں اپنے بچے سنبھال چکی ہوں''۔

سال گرہ کی دعوت کا یاد آنے پر مَیری کھڑی ہو کر اپنے چھوٹے بیٹے کو پکارنے لگی۔ مسز فلرٹن بولی ''میں سوچتی ہوں اگلی گرمیوں میں مجھے اپنی چیری بھی بیچنی چاہیے۔ آؤ خود ان کو توڑو اور پچاس سینٹ میں ایک باکس خرید لو۔ میں اب مزید بوڑھی ہڈیوں کے ساتھ سیڑھیوں پر چڑھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی''۔

مَیری مسکرائی اور کہا، یہ قیمت تو بہت زیادہ ہے، سپر مارکیٹ میں ان کی قیمت کم ہے''۔ مسز فلرٹن کو پہلے ہی سپر مارکیٹ میں انڈوں کی قیمتیں کم ہونے پر رنج تھا۔ میری نے اپنا سگریٹ بجھایا اور یہ کہہ کر باقی وہیں چھوڑ دیا کہ اس کے پرس میں مزید سگریٹ موجود ہیں۔ مسز فلرٹن

سگریٹ پینا پسند کرتی تھی مگر وہ کسی سے نہ لیتی جب تک کوئی اسے تحفہ میں نہ دے دیتا۔

مَیری نے سوچا ان کی قیمت مسز فلرٹن میرے بچے سنبھال کر پوری کر دے گی۔ دوسری جانب وہ اس بات پر بھی خوش تھی کہ مسز فلرٹن بہت زیادہ مہمان نواز نہیں تھی۔ جب مَیری وہاں سے واپس آئی اسے محسوس ہوا جیسے وہ کسی مورچے سے گزر رہی ہو۔ یہ گھر اور اس کا گردونواح بہت بہتر تھا۔

اتنی بے ترتیبی سبزی، پھولوں کے پودے، مرغیوں کے ڈربے، چیری کے درخت، لکڑیوں کے ڈھیر، چھوٹے چھوٹے مرغیوں، خرگوشوں اور بکریوں کے لیے بنائے گئے باڑے تھے کہ گھر کم اور کباڑ خانہ زیادہ معلوم ہوتا تھا۔

گھر کا نقشہ بہت پیچیدہ تھا اور پتا بہت مشکل۔ یہاں آنا اتنا آسان نہیں تھا مگر گھر اپنی جگہ موجود تھا۔ اس گھر اور اس کے گردونواح میں تبدیلی ناممکن تھی یہاں تک کہ ایسا لگتا تھا کہ پیچھے پورچ میں بڑے دھلائی کے کام آنے والے ٹب، صفائی کا سامان، صوفہ اسپرنگ اور بندوق کی چلی ہوئی گولیاں یہیں ہونی چاہیے تھی۔

مَیری اور ڈینی مسز فلرٹن کی جوانی کے وقت کہلائی جانے والی وِکس روڈ سے نیچے اتریں مگر اَب اس کا نام ہیتھر ڈرائیو تھا۔ یہ سب ڈویژن گارڈن پیلس کہلاتی تھی اس میں گلیوں کے نام پھولوں کی اقسام اور نام پر رکھے گئے تھے۔ سڑک کے دونوں اطراف کی زمین کھردری تھی، گڑھے پڑے تھے، کھلے گڑھوں پر تختے رکھے گئے تھے جو نئے گھروں کے دروازوں تک بچھائے گئے تھے۔ نئے سفید اور چمکتے گھر جو اس کھردری جگہ پر ساتھ ساتھ قطار میں تعمیر کیے گئے تھے۔ بے شک وہ مکمل سفید تھے مگر وہ انھیں وائٹ ہاؤس ہی کہا کرتی تھی۔ ان کی بیرونی دیواریں ہی سفید تھیں گھروں کا باقی حصہ نیلے، گلابی، سبز اور پیلے رنگوں سے عبارت تھا۔ پچھلے سال انھی دنوں مارچ کے مہینے جھاڑیوں اور گھاس پھونس کے خاتمے کے لیے انتظامیہ والے مشینری لے آئے تھے۔ بہت عرصہ بعد اس جگہ پر ان گھروں کی تعمیر شروع ہوگئی تھی۔ شروع میں یہ گھر بہت نازک دکھائی دیتے تھے۔ بہار کی ٹھنڈی شام میں یہ لکڑی سے بنے ڈھانچے معلوم ہو رہے تھے لیکن ان کی تعمیر کا سلسلہ چلتا رہا۔ سیاہ اور سبز، نیلے اور سبز، ان کی بیرونی دیواریں اور اطراف، کھڑکیاں لگ گئیں ان میں شیشے بھی اور فرش بھی بچھ گئے اب یہ اصلی دکھائی دینے لگے تھے۔ لوگ جو اِن میں رہتے تھے اتوار کے روز باہر آ کر مٹی اور کیچڑ میں سے گزرتے۔ یہ جگہ ان لوگوں کے لیے تھی جو بہت زیادہ امیر نہ

تھے مگر امیر ہونے کی امید رکھتے تھے، جیسا کہ میری اور اس کا خاندان۔ یہ جگہ جس کا نام گارڈن پیلس تھا اس علاقے کے بارے میں جاننے والوں کی نظر میں پائن ہلز سے کم شان دار مگر ولنگڈن پارک کی نسبت زیادہ اچھی تھی۔ باتھ روم بہت خوب صورت تھے جن میں تین مقامات پر شیشے، سرامیک ٹائل اور رنگین ٹوٹیاں تھیں۔ کچن میں بنی الماریاں گہرے بھورے رنگ کی، کھانے کے کمرے میں تانبے سے بنی بجلی کا سامان لگانے والی چیزیں تھیں۔ آتش دان سے ملتی جلتی اینٹیں لگانے والی جگہ تھی جو رہائشی کمروں کو دلان سے الگ کرتی تھیں۔ تمام کمرے بڑے بڑے اور روشن، تہہ خانے خشک تھے۔ یہ سب بڑی شان دار اشیا ہر گھر کی زینت تھیں۔ یہ ایک جیسے گھر سڑک کے دونوں اطراف میں ایک دوسرے کے سامنے آخر تک قائم تھے۔

آج ہفتہ تھا تمام مرد اپنے گھروں کے باہر کام میں مصروف تھے۔ نکاسی آب کے لیے گڑھے کھود رہے تھے۔ باغ کی سجاوٹ کے لیے پتھر لگا رہے تھے، صفائی کر رہے تھے، خشک گھاس پھونس کو آگ لگا رہے تھے۔ یہ سب ان کے لیے نیا تھا۔ وہ یہ کام شدت اور کچھ حد تک غصے سے کر رہے تھے۔ یہ وہ مرد تھے جن کے ذرائع معاش جسمانی مشقت بھرے نہ تھے۔ ہر ہفتہ، اتوار وہ یہی کام کرتے تا کہ ایک یا دو سال میں ان کے گھروں کے سامنے سرسبز بالکنیاں، پتھر اور خوب صورت دیواریں، ترتیب میں لگے پھول اور سجاوٹی جھاڑیاں موجود ہوں۔ رات سے لے کر صبح تک بارش نے زمین قدرے سخت کر دی تھی لیکن دن روشن تھا، بادل چھٹ گئے تھے، مطلع صاف تھا۔ یہ نیلا مگر ٹھنڈا اور سردیوں کا رنگ ہے۔ گھروں کے پیچھے سڑک کے ایک طرف صنوبر کے درخت تھے جو اتنے ترتیب میں تھے کہ ہوا سے ہلتے نہ تھے۔ جلد ہی یہ درخت کٹنے والے تھے تا کہ یہاں شاپنگ مال بنایا جا سکے جس کا وعدہ یہ گھر بیچنے سے پہلے کیا گیا تھا۔

اس نئی ڈویژن کی ساخت کے پیچھے کچھ اور بھی دکھائی دے رہا تھا جو کہ پرانا شہر تھا۔ پرانا بیابان شہر جو پہاڑی سلسلے کے ایک طرف تھا۔ اس کو شہر اس لیے کہا جا سکتا تھا کہ اس میں جنگل میں جاتی ریل کی لائن بچھی تھی، گھروں کے نمبر لگے تھے اور ایک شہر میں پائی جانے والی جھیل کے ساتھ ساتھ نیچے کی طرف سرکاری عمارتیں قائم تھیں، مگر مسز فلرٹن کے گھر جیسے باقی گھر بغیر کٹے جنگل جنگلی تاریخی، جنگلی توت سیاہ کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ تھے۔ یہ باقی رہ جانے والے گھر جن کی چمنیوں سے گہرا سیاہ دھواں باہر نکل رہا ہوتا، دیواریں اکھڑیں بغیر رنگ کیے تھیں، جن کی عمریں مختلف تھیں، لکڑیوں کے ڈھیر اور جن کے اردگرد سرمئی باڑ لگی ہوتی یہ گھر میموسا، میری گولڈ

اور ہیتھر ڈرائیو کے نئے اور بڑے گھروں کے درمیان تنگ وتاریک اور بے ہنگم دکھائی دیتے تھے۔ یہ ٹیڑھے زاویوں کے حامل گھر پہاڑوں کے ساتھ ساتھ موجود تھے جن کا ان گلیوں میں بننا ناممکن تھا۔

''وہ کیا کہہ رہے ہیں''؟ ایڈتھ نے کافی ڈالتے پوچھا۔ وہ کچن میں سال گرہ پارٹی سے بچی چیزیں کیک، جیلی اور جانوروں کے چہرے بنے بسکٹ لیے کھڑی تھی۔ ایک غبارہ اس کے پاؤں سے لگا۔ بچوں کو کھانا کھلا دیا گیا تھا۔ وہ تصویریں بنوا چکے تھے اور سال گرہ کے دن کی مناسبت سے کھیل کود سے فارغ ہو چکے تھے۔ اب وہ گھر کے پیچھے کمروں اور تہہ خانوں میں کھیل رہے تھے جب کہ ان کے والدین کافی پی رہے تھے۔ ایڈتھ بولی ''وہ اندر کیا بات کر رہے تھے''؟

مَیری نے جواب دیا ''میں نہیں سن رہی تھی''۔ اس نے اپنے ہاتھ میں خالی برتن اٹھا رکھا تھا۔ وہ کھڑکی کی طرف گئی۔ بادل چھٹ گئے تھے اور سورج چمک رہا تھا۔ گھر میں گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ ایڈتھ نے جلدی سے واپس رہائشی کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا، ''مسز فلرٹن کا گھر......''

مَیری جانتی تھی کہ وہ کس بارے بات کر رہے تھے۔ اس کی ہمسائی کے بارے میں جو کوئی پریشان کن بات نہ تھی مگر کسی بھی لمحے اس کی توجہ کھینچ لیتی تھی۔ سب کی شکائتیں ایک سی تھیں جو مَیری کو کبھی کھڑکی سے باہر، کبھی نظریں جھکانے پر مجبور کرتیں۔ اس نے ان تمام باتوں کو کسی معقول وضاحت کے ساتھ روکنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوئی۔ اسے واپس جانا ہی پڑے گا۔ وہ سب کریم کا انتظار کر رہے تھے۔ آس پاس کے گھروں سے آئی خواتین اُدھر ہاتھوں میں بچوں کے غبارے لیے بیٹھی تھیں یہ دماغی طور پر غیر حاضر لگ رہی تھیں۔ زیادہ تر سال گرہ کی دعوتوں میں بچوں کے ساتھ ان کی مائیں بھی شامل ہوتی ہیں کیوں کہ اس علاقے میں بچے کافی چھوٹے تھے اور اس لیے بھی کہ یہاں لوگوں کا آپس میں ملنا جلنا صحت مند سرگرمی سمجھا جاتا تھا۔ وہ عورتیں جو روز ایک دوسرے کو دیکھتی تھیں وہ خوب تیار تھیں کانوں میں جھمکے، خوب صورت لباس پہنے بال بنا رکھے تھے اور چہرے سجا رکھے تھے۔ کچھ مرد حضرات بھی نظر آ رہے تھے جیسے اسٹیو جو ایڈتھ کا شوہر تھا۔ کچھ ایسے جن کو اسٹیو نے شراب کی دعوت دے رکھی تھی۔ وہ سب اپنے کام والے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ یہ موضوع ان چند موضوعات میں سے تھا جس پر تمام مرد و خواتین کی رائے ایک جیسی تھی۔

اسٹیو نے بے ہنگم انداز میں ہنستے ہوئے کہا ''اگر میں مسز فلرٹن کے ساتھ والے گھر میں رہتا تو کیا کرتا؟ میں اپنے بچوں کو آگ سے کھیلنے بھیج دیتا''۔

ایڈتھ نے کہا''بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔بات مذاق سے آگے بڑھ چکی ہے۔تم مذاق کرو میں کچھ کرتی ہوں۔میں تو میونسپل کمیٹی کو کال کر چکی ہوں''۔

''انھوں نے کیا کہا''؟میری نے پوچھا۔

''میں نے کہا اس سے گھر کو رنگ کرانے کا نہیں کہہ سکتے؟یا کم سے کم کچھ جھاڑیاں نہیں گرا سکتے''؟

انھوں نے جواب دیا''نہیں،وہ نہیں کر سکتے''۔میں نے پوچھا اس طرح کے لوگوں پر کوئی قانون تو لاگو ہوتا ہوگا۔جس کے جواب میں انھوں نے کہا''وہ میرے جذبات سمجھ سکتے ہیں مگر کچھ نہیں کر سکتے''۔

''کچھ نہیں کر سکتے''؟

''نہیں کچھ نہیں''۔

''مگر مرغیوں کا کیا ہوگا''میں نے سوچا۔''اوہ وہ تمھیں اور مجھے رکھنے نہیں دیں گے مگر مسز فلرٹن کو رکھنے دیں گے۔میں نہیں جانتی یہ کیوں کر ممکن ہے''۔

جینی نے کہا''میں اس سے انڈے خریدنا بند کر دوں گی۔سپر مارکیٹ اس سے سستی ہے۔مسز فلرٹن کی مرغیوں کے انڈے تازہ تو ہیں مگر اس کی ہمیں پروا نہیں۔بدبو،اُف خدایا بدبو۔میں نے کارل سے کہا میں جانتی تھی کہ ہم جنگل کی طرف جا رہے ہیں،مگر میں نے اپنے گھر کے پاس ایک جانوروں کے باڑے کا تصور ہرگز نہیں کیا تھا''۔

''گلی کی دوسری طرف ساتھ والے گھر سے زیادہ برا حال ہے۔مجھے یہ بات پریشان کرتی ہے کہ ہم نے ایک پٹ والی کھڑکی لگائی ہی کیوں؟جب بھی کوئی ہم سے ملنے آتا ہے مجھے اس کھڑکی کے آگے پردہ کرنا پڑتا ہے تا کہ کوئی یہ نہ دیکھ سکے کہ دوسری طرف کیا ہے''۔

اسٹیو نے ان خواتین کی آوازوں کو کاٹتے ہوئے کہا''ٹھیک ہے،ٹھیک ہے۔میں اور کارل آپ کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ اگر ہم اس تنگ سڑک کا جو گھروں کے درمیان سے گزرتی ہے سودا کرا سکے تو اسے جانا پڑے گا۔یہ سادہ اور قانونی ہے۔یہی اس کی خوب صورتی ہے''۔

''تنگ سڑک کا سودا......کیا مطلب''؟

''ہم اسی طرف آ رہے ہیں۔کارل اور میں اس بارے میں کافی دیر سے سوچ رہے ہیں،مگر ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے تھے کہ شاید یہ کام ناممکن ہو۔کارل اسے کرو''

''وہ اس جگہ ہے جہاں لین بنے گی، اتنی سی بات ہے''۔ کارل نے کہا ''وہ ایک کامیاب، فربہ، پُر جوش ریئل اسٹیٹ کا ایجنٹ تھا۔ مجھے یہ خیال آیا تھا کہ شاید ایسا ممکن ہو۔ لہٰذا میں میونسپل کمیٹی کے دفتر گیا اور اس بارے تحقیق کی''۔

''اس سے کیا مراد ہے پیارے''؟ جینی نے عام انداز میں کہا۔

کارل نے کہا ''یہی بات ہے یہاں ہر لین کی جگہ طے ہے۔ یہ ہمیشہ سے رہی ہے۔ اگر کبھی کسی جگہ تعمیرات ہوں تو اس جگہ لین لازمی طور پر گزاری جاتی ہے۔ مگر انھوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہاں تعمیر ہوگی۔ اس کے گھر کا ایک حصہ اور کوئی آدھ درجن لکڑیوں کے ڈھیر بالکل اسی جگہ ہیں جہاں سے لین گزاری جائے گی۔ تو اب ہم کیا کریں؟ ہم میونسپل کمیٹی سے لین گزارنے کا تقاضا کریں گے۔ خیر ہمیں اس کی ضرورت بھی ہے تو پھر اسے یہاں سے جانا ہوگا۔ یہ قانون کہتا ہے''۔

اسٹیو نے تعریف کرتے کہا ''یہ قانون ہے، تم کس قدر لائق آدمی ہو۔ یہ ریئل اسٹیٹ والے ہوشیار ہوتے ہیں''۔

مَیری نے کہا ''کیا اسے کچھ ملے گا؟ میں یہ دیکھ کر پریشان ہوں، مگر میں کسی اور کو اس پرانے گھر میں نہیں دیکھنا چاہتی''۔

''اوہ! اس کو کافی رقم ملے گی، اس کی امید سے اور گھر کی قیمت سے بھی زیادہ۔ دیکھو اس میں اس کا بھی فائدہ ہے۔ اسے اس کے پیسے بھی ملیں گے اور وہ اسے بیچ نہیں سکتی، نہ اسے کسی کو دے سکتی ہے''۔

کچھ بولنے سے پہلے مَیری نے اپنا کپ نیچے رکھا اس نے کوشش کی کہ اس کی آواز معمولی سنائی دے نہ کہ جذباتی یا ڈری ہوئی۔ مگر یہ یاد رکھو کہ وہ یہاں ایک عرصے سے رہ رہی ہے۔ وہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کی پیدائش سے پہلے بھی یہیں رہتی تھی۔ اس نے ان سے بہتر الفاظ کے چناؤ کی بڑی کوشش کی۔ وہ اپنی اس مثبت رائے کو خراب نہیں کرنا چاہتی تھی کہ باقی لوگوں کو یہ لگے کہ اس کی دلیل کمزور ہے اور وہ اپنے دلائل خراب کرلے گی۔ اس کے پاس کوئی خاص دلیل بھی نہیں تھی۔ وہ رات بھر کوشش کرتی تو بھی اسے ان کی رائے مقابل دلائل نہ ملتے۔ وہ الفاظ جو اس تک پہنچے جیسے کہ جھونپڑی، ناخوش گوار، گندی جائیداد اور اس کی قیمت وغیرہ۔ ان کو رد کرنے سے قاصر تھی۔

اپنے شوہر کے منصوبے کو جھٹلاتا دیکھ کر جینی بولی "کیا تمھیں سچ میں لگتا ہے کہ وہ جس کی وجہ سے ہماری جگہ کی قیمت گر جائے گی۔ ہمارے لحاظ کیے جانے کے قابل ہے"؟

کارل نے کہا "وہ یہاں چالیس سال سے ہے مگر اب ہم بھی یہیں ہیں، ایسا تو ہوتا ہے۔ چاہے تم مانو یا نہ مانو مگر اس گھر کا یہاں ہونا اس گلی میں موجود ہر گھر کی قیمت گرا رہا ہے۔ میں اس کاروبار میں ہوں مجھے علم ہے"۔

باقی لوگ بھی اس بات سے متفق ہو گئے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے مگر وہ شدید غصے میں تھے۔ یہ ان کے طاقت ور ہونے، سمجھدار اور سنجیدہ ہونے کا ثبوت تھا۔ غصے کا احساس ان کے درمیان موجود تھا۔ اس جگہ کے مالک ہونے کی حیثیت سے انھوں نے ایک دوسرے کی تائید کی۔ جیسے لوگ شراب سے مدہوش ہو کر بے جا تائید پر اتر آتے ہیں۔

اسٹیو نے کہا "شاید ہمیں مختلف جگہوں پر جانے کے بجائے یہیں سب کو اکٹھا کر لینا چاہیے"۔

یہ شام کے کھانے کا وقت تھا۔ باہر اندھیرا چھا رہا تھا۔ ہر کوئی گھر جانے کی تیاری میں تھا۔ مائیں اپنے بچوں کے کوٹ بند کر رہی تھیں، بچوں نے بغیر جوش و خروش غبارے، سیٹیاں اور جیلی سے بھری کاغذ کی ٹوکریاں پکڑ رکھی تھیں۔ انھوں نے لڑنا اور ایک دوسرے کو دیکھنا بند کر دیا تھا۔ دعوت ختم ہو چکی تھی، بڑے اب پرسکون اور تھکے تھکے لگ ہو رہے تھے۔

"ایڈتھ! سنو کیا تمھارے پاس پن ہے"؟

ایڈتھ ایک پن لے کر آئی اور لین کے لیے لکھی جانے والی درخواست کھانے کی میز پر کاغذ کی پلیٹوں کو پیچھے کرتے ہوئے رکھی جسے کارل نے تحریر کیا تھا۔ لوگ میکانکی انداز میں خداحافظ کہتے ہوئے دستخط کرتے رخصت ہوتے گئے۔

اسٹیو ابھی بھی کھڑا گھور رہا تھا۔ کارل ایک ہاتھ کاغذ پر رکھے کھڑا تھا۔ مگر اس کے چہرے پر فخر تھا۔ مَیری نے فرش پر جھکی ڈینی کی زِپ بند کرنے کی کوشش کی۔ وہ کھڑی ہوئی اور اپنا کوٹ پہنا، اپنے بال سمیٹے، دستانے پہنے اور پھر اُتار دیے۔ جب اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے وہ کھانے کی میز سے گزر کر دروازے کی جانب گئی۔ کارل پن پکڑے کھڑا تھا۔

"میں اس پر دستخط نہیں کر سکتی" مَیری نے کہا۔

اس کا چہرہ فوراً سرخ ہو گیا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اسٹیو نے اس کا کندھا تھاما۔

''ہنی کیا بات ہے''؟ (اسٹیو نے کہا)

''مجھے نہیں لگتا کہ ہمارے پاس یہ اختیار ہے۔ ہمارے پاس اختیار نہیں ہے (میری بولی)۔

''مَیری کیا تمھیں اس سے فرق نہیں پڑتا یہ جگہ کتنی عجیب لگتی ہے؟ تم بھی یہیں رہتی ہو''۔

''نہیں مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا''۔ میری نے کہا۔ اوہ کیا یہ عجیب نہیں ہے کہ اپنے تخیل میں جب آپ کسی بات کی تائید میں کھڑے ہوتے ہیں آپ کی آواز گونجتی ہے اور لوگ شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی زندگی میں وہ سب ایک مضحکہ خیز انداز میں مسکراتے ہیں اور آپ محسوس کرتے ہیں کہ درحقیقت آپ نے ان کے لیے خود کو گفتگو کا موضوع بنادیا ہے۔

جینی نے کہا'' پریشان مت ہو اس کے پاس بنک میں رقم موجود ہوگی۔ میں نے ایک بار اسے اپنے بچے سنبھالنے کا کہا اور اس نے حقیقت میں میرے چہرے پر تھوک دیا۔ تم جانتی ہو وہ حقیقت میں ایک اچھی عورت نہیں ہے''۔

میں جانتی ہوں وہ بوڑھی عورت ہے (میری نے کہا)۔

اسٹیو کا ہاتھ اب تک مَیری کے کندھے پر تھا۔ ''بات سنو تمھیں کیا لگتا ہے ہم ظلم کر رہے ہیں''؟

کارل نے کہا'' کوئی بھی اسے اپنی خوشی سے یہاں سے نکالنا نہیں چاہتا، یہ مجبوری ہے۔ ہم سب یہ جانتے ہیں۔ مگر ہمیں کمیونٹی کے بارے میں سوچنا پڑے گا''۔

''ہاں'' مَیری نے کہا۔ مگر اس نے اپنے ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال دیے اور ایڈتھ کی طرف شکریہ کہنے مڑی۔ سال گرہ کی دعوت کا شکریہ۔ اس نے محسوس کیا کہ اپنی ذات تک ہم صحیح تھے۔ یہ سب جیسا تھا، مجبوری میں تھا۔ مسز فلرٹن بوڑھی تھی، اس کی آنکھیں کمزور تھیں۔ وہ کسی بھی احساس سے عاری تھی۔ مَیری باہر آئی اور ڈینی کے ساتھ چلنے لگی۔ اس نے رہائشی کمرے کی کھڑکیوں سے گرتے پردوں کو دیکھا۔ رات ہونے کی وجہ سے کمرے اور ان کے دروازے بند ہو گئے۔ باہر کافی اندھیرا چھا چکا تھا۔ سفید گھر مدہم پڑ رہے تھے۔ بادل چھٹتے جا رہے تھے۔ مسز فلرٹن کی چمنیوں سے دھواں نکل رہا تھا۔

گارڈن پیلس کا منظر رات کی تاریکی میں اپنا تاثر کھوتا جا رہا تھا۔ میری نے سوچا ایڈتھ

کے گھر سے آنے والی آوازیں مدہم پڑ گئی ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے منصوبے کو ترک کر دیں اور سب باتیں بھول جائیں۔ ایک چہرہ (مسز فلرٹن) کو تنہا چھوڑ دیا جائے۔ یہ لوگ جیت جائیں گے۔ یہ اچھے لوگ ہیں۔ یہ اپنے بچوں کے گھر بہتر کرنا چاہتے ہیں۔ جب مشکل وقت آئے تو یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ وہ ایک کمیونٹی کا سوچتے ہیں......ایسی کمیونٹی چاہتے ہیں جس میں کوئی جھول نہ ہو جو ہر ممکن حد تک سحر انگیز ہو۔ ابھی فی الحال آپ کچھ نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیں اور ایک بغاوت سے بھرا دل رکھیں (میری نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا)۔

عکس

مَیری میکوڈ آئی، میں نے تجاہل عافانہ سے کام لیا، جیسے اسے جانتی ہی نہیں یہی مجھے بہتر لگا۔ اس نے خود کہا، ''اگر تمھیں میں بھی یاد نہیں تو تمھیں کچھ بھی یاد نہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تم پچھلی گرمیوں میں اپنی نانی کے گھر نہیں گئی۔ میں یقیناً کہہ سکتی ہوں یہ بھی یاد نہیں۔ ان گرمیوں میں جب میرے نانا ابھی زندہ تھے۔ یہ میری نانی کا گھر ہی کہلاتا تھا۔ وہ ایک کمرے تک محدود ہو گئے تھے۔ اس میں کھڑکیوں کے اندر کی جانب لکڑی کے شٹر تھے جیسے رہائشی اور کھانے کے کمرے میں بنے تھے۔ باقی کمروں میں صرف پردے لگے تھے۔ برآمدے میں بھی روشنی نہیں آتی تھی۔ لہٰذا میرے نانا اندھیرے میں رہتے۔ وہ اپنے سفید، اُجلے، بچوں جیسے نرم بال، رات کو پہننے والی سفید قمیض اور تکیوں کے ساتھ اپنے کمرے میں تنہا قید ہو گئے تھے۔ لوگ اس بارے میں مختلف باتیں بناتے تھے۔

مَیری میکوڈ اپنی وردی میں ملبوس اس کمرے کا دوسرا فرد تھی اور وہ گھومنے والے پنکھے کے سامنے بیٹھی تھی جیسے وہ گھومتے تھک گیا ہو اور رکنے کے قریب ہو۔ یقیناً پڑھنے اور کچھ بننے کے لیے یہ کمرا مناسب نہ تھا۔ میں نے یہ فرض کیا کہ وہ یہ کام کرنا چاہتی ہے مگر وہ بہ مشکل انتظار کر رہی تھی اور جی رہی تھی۔

میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ مجھے سلانے کے لیے جھولے میں لٹایا جاتا تھا۔ یہ جھولا میری نانی کے گھر تھا۔ یہاں کوئی پنکھا نہ تھا۔ باہر سے سورج کی روشنی کمرے میں گرے ہوئے پردوں سے چھن کر اندر آتی تھی۔ ایسے میں کون ہو سکتا ہے؟ میری ماں، نانی اور خالاؤں کی آوازیں بار بار برآمدے، کچن اور کھانے کے کمرے سے آتی تھیں۔ اس گھر میں کھانے کے وقت، کھانا بناتے وقت، کسی مہمان کی آمد پر، گفتگو کے دوران، کسی کے پیانو بجاتے ہوئے زندگی اسی طرح رواں تھی۔ کمروں کی چھتیں بہت اونچی تھیں اور ان سے نیچے دھیمے رنگ کی خالی جگہ تھی۔ جب میں اپنے جھولے میں لیٹتی اور شدید گرمی کے باعث سونا مشکل ہوتا میں اوپر دیکھ کر یہ خالی پن محسوس کر سکتی تھی۔ کمرے کے کونے میں ایک احساس جو گھر میں باقی لوگ بھی محسوس کرتے ہوں گے

...... پسینہ لانے والی گرمی کا تھا جو موت یاد دلاتی تھی۔ مَیری میکوڈ اپنے سفید لباس میں انتظار کرتی اور میں سانس لیتی تھی۔ میں اُسے اس سب کا ذمہ دار ٹھہراتی تھی۔

میں نے اسے کچھ بھی یاد نہ ہونے کا تاثر دیا۔ اس نے اپنی سفید وردی نہیں پہنی تھی۔ لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا اپنی طاقت ظاہر کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ باہر دن کی روشنی میں اور سفید لباس کے بغیر اس کے تمام چہرے پر چھائیاں نمایاں تھیں جو سارے چہرے پر واضح نظر آتی تھیں جیسے دلیے کے چھینٹے ہوں۔ اس کے سر پر تانبے کے رنگ کے بکھرے بال تھے۔ اس کی آواز بلند اور لہجے میں ہمیشہ شکایت ہوتی۔ ''کیا مجھے یہ سب اکیلے دھونا ہوگا۔ وہ صحن میں مجھ پر چلائی، میں اس کے پیچھے کپڑے لٹکانے والی جگہ پر آئی جہاں کراہتے ہوئے اس نے گیلے کپڑوں کی ٹوکری کو نیچے رکھا'' مجھے ایک ایک کر کے کپڑے لٹکانے والی چٹکیاں پکڑاؤ، صحیح طریقے سے اوپر کر کے۔ اس ہوا میں مجھے باہر نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ میرے پھیپھڑے کمزور ہیں۔''

کسی سدھارے ہوئے جانور کی طرح میں نے اسے چٹکیاں پکڑائیں۔ باہر ٹھنڈی ہوا میں اس کی جسامت اور بو مجھے کچھ کم محسوس ہوتی تھی۔ گھر کے ہر کمرے میں اس کی بو محسوس کر سکتی تھی۔ یہاں تک کہ ان کمروں میں بھی جن میں وہ بہت کم جاتی تھی۔ اس کی بو کیسی تھی؟ یہ کسی دھات یا کسی گہرے مصالحے، لونگ یا ایسی دوائی جو سردیوں میں میرے سینے پر لگائی جاتی تھی۔ میں نے اپنی ماں کو بھی یہ بتایا، اس نے کہا،'' بے وقوف نہ بنو مجھے کوئی بو نہیں آ رہی''۔ لہٰذا میں نے کبھی دوبارہ اس ذائقے بارے نہیں بتایا جو مجھے محسوس ہوتا تھا۔ یہ ذائقہ میری میکوڈ کے بنائے گئے ہر کھانے میں یا شاید جو کھانا میں اس کی موجودگی میں کھاتی مجھے محسوس ہوتا...... ناشتے کے وقت دلیے میں دوپہر کو میری چپس میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے میں، مکھن میں اور جو میٹھا وہ مجھے کھانے کو دیتی، سب میں بعض اوقات یہ بہت عجیب اور پریشان کرنے والا ہوتا۔ میرے والدین اس بارے میں کیوں نہیں جانتے۔ یہ بات مجھے ایک سال تک معلوم نہیں تھی کہ اپنی کسی ذاتی بنیاد پر وہ صرف یہ ظاہر کرتے کہ انھیں یہ محسوس نہیں ہوتا۔

دھلائی کا کام ختم کرنے کے بعد اسے اپنے پاؤں پانی میں بگھونے تھے۔ اس کی ٹانگیں کسی بیسن سے نکلتے پائپ کی مانند لمبی اور گول دکھائی دیتی تھیں۔ اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھے وہ بھاپ میں جھکی تکلیف اور سکون کے ملے جلے احساس سے کراہی۔

میں نے بہت زیادہ جرأت کرتے ہوئے پوچھا'' کیا تم ایک نرس ہو''؟ حالاں کہ میری

ماں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک نرس ہے۔

''ہاں میں ہوں اور کاش میں نرس نہ ہوتی'' (مَیری نے جواب دیا)۔

''کیا تم میری آنٹی بھی ہو''؟ (میں نے پوچھا)

''اگر میں تمھاری آنٹی ہوتی تو کیا تم مجھے آنٹی مَیری کہہ کر نہ بلاتی......؟ مگر تم نہیں کہتی۔ کیا تم کہتی ہو؟ میں تمھاری نہیں تمھارے باپ کی کزن ہوں۔ اسی لیے تو کسی عام نرس کو بلانے کی بجائے وہ مجھے لائے ہیں۔ میں عملی طور پر نرس ہوں ہمیشہ اس خاندان میں کوئی نہ کوئی بیمار رہتا ہے اور مجھے جانا پڑتا ہے۔ مجھے کبھی آرام نہیں ملتا''۔

مجھے اس بات پر شک تھا کہ اسے بلایا جاتا ہے وہ آتی اپنی مرضی کے کھانے پکاتی، جیسا بہتر سمجھتی گھر کو ترتیب دیتی، شکایات کرتی رہتی اور گھر میں ہر جگہ اپنے ہونے کا احساس چھوڑتی۔ اگر وہ نہ آتی تو میری ماں کبھی اسے اپنے کمرے میں نہ لے کر جاتی۔

میری ماں کا بستر کھانے کے کمرے میں لگایا گیا تھا تا کہ مَیری میکوڈ کو سیڑھیاں نہ چڑھنی پڑیں۔ میری ماں کے بالوں کی دو چوٹیاں بنیں تھیں۔ اس کے گال زرد، گردن گرم اور ہمیشہ کی طرح ایک دھیمی میٹھی خوشبو تھی۔ مگر اس کے نیچے کا دھڑ ایک بڑا نازک اور عجیب تھا جسے ہلا ناممکن نہ تھا۔ وہ اپنے بارے ہمیشہ ایسے بات کرتی جیسے کسی اور کے بارے میں بات کر رہی ہو۔ یہ کہتے ہوئے ''احتیاط سے، ماں کو چوٹ مت پہنچانا، اس کی ٹانگوں پر مت بیٹھو، ہر مرتبہ جب وہ ماں کہتی میں ٹھنڈی پڑ جاتی اور ایک طرح کی شرمندگی اور بدبختی کا احساس مجھ میں سرایت کر جاتا جیسا کہ یسوع کے نام پر ہوتا تھا۔ یہ ماں جس کے متعلق وہ بات کرتی تھی، میرے اور میری حقیقی تسلی دینے والی ماں کے درمیان آجاتی تھی۔ یہ ہمیشہ یسوع کی طرح غم گین اور گھائل محسوس ہوتی تھی اور مجھے ایسا لگتا کہ مجھ سے کوئی ایسی شرارت ہوگئی ہے جو مجھے بھی نہیں معلوم۔''

میری ماں نے ایک افغانی کے لیے جامنی رنگوں سے چوکور شکل میں کروشیا سے کچھ بُنا تھا۔ وہ بستر پر کپڑوں کے درمیان بکھر گیا اور اس نے پرواہ ہی نہیں کی۔ ایک بار جب یہ بن گئے تو وہ ان کے بارے بھول گئی۔ وہ ان تمام کہانیوں کو بھول گئی جو ٹاور میں موجود شہزادے کے بارے میں تھیں اور اس ملکہ کے بارے میں جس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا گیا جب کہ ایک چھوٹا سا کتا اس کے لباس میں چھپا تھا اور ایک اور ملکہ کے بارے میں جس نے اپنے شوہر کے زخم سے زہر نکالا تھا۔ وہ اپنے اس بچپن کے بارے بھی بھول چکی تھی جو میری طرح ہر کسی کے لیے بہت خاص وقت ہوتا

ہے۔مَیری کے توجہ دینے پر وہ بچوں کی طرح سرگوشی کرتی تھی،''مَیری مجھے شدت سے طلب ہو رہی ہے کہ کوئی میری کمر دبا دے،تم یہ کام کروگی؟''مَیری کیا تم مجھے چائے کا ایک کپ دوگی؟ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اگر میں نے مزید چائے پی تو میں ایک غبارے کی طرح چھت سے جا لگوں گی۔مگر یہی چاہتی ہوں''۔میری ہلکا سا مسکرائی اور بولی''تم کہیں اُڑ کر نہیں جا رہی،تمھیں ہلانے کے لیے کرین لانی ہوگی۔چلو اب اٹھو تم بہتر ہونے سے پہلے اور بُرا محسوس کرنے لگو گی''۔اس نے مجھے بستر سے اُتارا اور زور سے بیڈ شیٹ کو جھاڑا۔''تم اپنی ماں کو تھکانا چاہتی ہو؟ تم اتنے اچھے دن میں اپنی ماں کو تنگ کیوں کرنا چاہتی ہو''؟ میری ماں نے میرا کم زور دفاع کرتے ہوئے کہا''میرے خیال میں وہ تنہا ہے''،میری نے اپنی بھاری،کرخت آواز میں جواب دیا۔''وہ یہاں تنہا ہے تو صحن میں بھی رہ سکتی ہے۔اپنی چیزیں سمیٹو اور باہر جاؤ۔

میرے والد اس کے آنے سے بدل گئے تھے۔وہ جب بھی کھانا کھانے آتے یہ ہمیشہ ان کے انتظار میں ہوتی۔کوئی مذاق سوچتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہوتا اور مینڈک کی طرح پھول جاتا۔وہ بغیر پکے ہوئے پتھروں جیسے سفید لوبیہ کے دانے ان کے سُوپ میں ڈال دیتی اور انتظار کرتی کہ وہ اپنے ادب وآداب کا پاس رکھتے ہوئے انھیں کھاتا ہے کہ نہیں۔وہ اس کے پانی کے گلاس تلے کچھ مکھی جیسا چپکا دیتی۔وہ اسے ایک ایسا کانٹا پکڑاتی جس کی ایک نوک نہ ہوتی اور ایسے ظاہر کرتی کہ یہ حادثاتی طور پر ہوا ہے۔میرے والد نے اسے اس کی طرف پھینکا اور نشانہ چونک گیا۔اس بات نے مجھے چونکا دیا۔میری ماں اور باپ کھانا کھاتے خاموش رہتے تھے مگر میرے باپ کے خاندان میں اکثر بڑے بھی تتلیوں اور پتنگوں سے کھیلا کرتے تھے،موٹی آنٹیوں کو اکثر چھوٹی نازک کرسیوں پر بیٹھنے کا کہا جاتا اور انکل اپنے آپ پر فخر کرتے ہوئے سب کے سامنے گیس خارج کرتے جیسے انھوں نے کوئی مشکل دُھن بجائی ہو۔کوئی آپ کو چھیڑے بغیر آپ کی عمر کے بارے میں نہ پوچھتا۔لہٰذا مَیری میکوڈ کے ساتھ میرے والد اپنے خاندان کی طرح سلوک کرتے جیسے وہ بے تحاشا چپس کھایا کرتے تھے اور دوائی جیسے گہرے قہوے کو عام طور پر منہ لگا کر پیتے وہ شکرگزارانہ انداز میں کہتے''مَیری تم جانتی ہو کب کوئی مرد کیا کھانا چاہتا ہے''؟ کیا تم نہیں سمجھتی اب مناسب وقت ہے تم اپنے شوہر کو کھانا کھلایا کرو''۔جس کے جواب میں مَیری نے اس کی طرف کانٹے کی جگہ برتن دھونے والا کپڑا پھینکا۔وہ مَیری کو ہمیشہ شوہر کے بارے مذاق کرتے جیسے وہ کہتے''میرے ذہن میں آج صبح ہی کوئی شخص تمھارے لیے آیا ہے''۔''اب میں تمھیں بے

وقوف نہیں بنا رہا میری۔ تمھیں اس شخص کے بارے سوچنا چاہیے''۔ پہلے تو وہ غصے سے پھنکارتی پھر اس کے ہونٹوں سے قہقہہ پھوٹتا۔ جب کہ اس کا چہرہ آپ کی توقع سے بھی زیادہ سرخ ہو جاتا اور اس کا وجود زور سے کرسی پر ہلنے لگتا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ مضحکہ خیز، خیالی میل ملاپ سے محظوظ ہوتی تھی۔ بے شک میری ماں یہ کہتی تھی کہ ایک بوڑھی آیا کو مردوں کے بارے مذاق کر کے تنگ کرنا بُرا اور غلط روّیہ ہے۔ میرے باپ کے خاندان میں وہ اسی بارے مذاق کا نشانہ بنتی اور کہنے کو کیا تھا؟ جتنی وہ مزید موٹی ہو گی اپنے بارے مزید مذاق بنتی جائے گی۔ اس خاندان میں یہ سننا بہت برا تھا جیسے وہ میری ماں کو حساس کہتے تھے۔ میرے تمام انکل، آنٹیاں اور کزن کسی قسم کے بُرے اور حریفانہ روّیوں کو نظر انداز کرتے بڑے ہوئے تھے وہ ان کو ہنسی میں اڑا دیتے تھے۔

شام کے وقت دن لمبے ہونے کے باوجود گھر میں تاریکی تھی۔ ہمارے گھر میں بجلی نہ تھی۔ اس کے بعد بہت جلد اگلے سال گرمیوں میں بجلی چالو ہو گئی تھی۔ اس وقت میز پر ایک لیمپ روشن تھا جس کی روشنی میں میرے باپ اور میکوڈ کے سائے بڑے ہو رہے تھے جن کے سر گفتگو اور قہقہوں کے دوران بے ہنگم انداز میں ہلتے تھے۔ مجھے لوگوں کی جگہ یہ سائے دکھائی دے رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا''تم کس بارے سوچ رہی ہو''؟ مگر میں سوچ نہیں رہی تھی بل کہ خطرے کو بھانپنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میرے باپ نے کہا'' کیا تم میرے ساتھ چل کر بچھے ہوئے جال دیکھنا چاہو گی''؟ اس نے دریا کے ساتھ ساتھ آبی چھچھوندر پکڑنے کے لیے جال بچھا رکھا تھا۔ جب وہ چھوٹے تھے وہ دن رات بل کہ ہفتوں واوناش کاؤنٹی میں ندی کے ساتھ اوپر نیچے جھاڑیوں میں گزار دیتے اور وہ صرف آبی چھچھوندر ہی نہیں بل کہ سرخ لومڑی، نیولا اور ہر اس جانور کا شکار کرتے جس کی کھال سے بنے کوٹ سردیوں میں اچھی قیمت سے بک جاتے۔ چھچھوندر ہی ایسا جانور رہے جس کا آپ موسم بہار میں بھی شکار کر سکتے ہیں۔ اب وہ شادی شدہ ہیں اور کھیتی باڑی کرنے لگے ہیں تو وہ بس اسی کو پکڑتے ہیں اور پھر کچھ سالوں کے لیے یہ شاید آخری مرتبہ ہو۔ ہم ایک کھیت سے گزرے جس میں پچھلی بار خزاں کے موسم میں ہل چلایا گیا تھا۔ اس کے اوپر برف کی تہہ تھی۔ مگر وہ حقیقی برف نہ تھی بل کہ وہ ایک شفاف شیشے کی تہہ تھی جس کو جوتے کی ایڑھی سے بآسانی توڑا جا سکتا تھا۔ یہ کھیت ندی کے ساتھ تھا۔ کچھ جگہوں پر برف کی موٹی تہہ نے باڑ کو جھکا رکھا تھا جہاں ہم قدم رکھ کر آگے جا سکتے تھے۔

میرے والد مجھ سے چند قدم آگے بڑھ گئے۔ان کے جوتے ان کے چہرے کی طرح منفرد اور جانے پہچانے تھے۔ وہ جب انھیں اُتارتے تو باورچی خانے کے ایک کونے میں رکھ دیتے۔جن سے کھاد، مشینی تیل، سیاہ کیچڑ عجیب سے مواد کی بو آتی تھی۔ وہ وقتی طور پر الگ کیے گئے ان ہی کی شخصیت کا حصہ تھے۔ان کا سخت تاثر میرے باپ سے ملتا تھا جیسے وہ کسی بھی وقت مذاق کرنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ مجھے ہمیشہ حیران کرتا تھا۔میرے والد ہمیشہ ایسی جگہوں سے بھی ہو آتے جو ہم نے کبھی سوچی نہ ہوتی تھیں۔

مثال کے طور پر ایک بار جال میں چھچھوندر ایسا پھنسا مجھے پہلے ایسا لگا جیسے ایک سیاہ چیز پانی کے کنارے لہرا رہی ہو۔میرے باپ نے اسے پانی سے باہر نکالا تو اس کے بال نیچے دب گئے۔ وہ لہراتی شاخ ایک دُم کی مانند نظر آ رہی تھی۔اس کا منہ کھلا، آنکھیں مردہ اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔میرے باپ نے جب اسے گھمایا تو ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اُڑے۔اس نے کہا ''یہ ایک بوڑھا چوہا ہے، یہ ایک بڑا بوڑھا کنگ ریٹ ہے۔اس کی دُم دیکھو''۔ پھر شاید یہ سوچتے ہوئے کہ میں پریشان ہو رہی ہوں گی یا شاید مجھے بہترین میکانکی آلات کے کام کرنے کا طریقہ دکھانے کے لیے انھوں نے پانی میں سے جال اٹھایا اور مجھے وضاحت سے بتایا کہ یہ کیسے کام کرتا ہے جس کے لیے انھوں نے ایک بار پھر چوہے کا سر اس میں دیا اور پانی میں ڈبو کر دکھایا۔ میں سمجھی نہ ہی توجہ دی۔ میں اس سخت بے جان مردہ چیز کو چھونا چاہتی تھی مگر مجھ میں ہمت نہ تھی۔میرے والد نے پھر سے جال پر سیب کا ٹکڑا لگا کر پھینکا۔انھوں نے مُردہ چوہے کو ایک گہرے رنگ کی بوری میں ڈالا جسے وہ اپنے کندھوں پر اُٹھا کر لائے تھے۔جب انھوں نے سیب کو کاٹا تو میں نے اس کی چمک دار دھار دیکھی۔ پھر ہم واوناش دریا کے ساتھ چلنے لگے جو انتہائی اونچا تھا۔ تیزی سے بہہ رہا تھا درمیان سے چمکتا ہوا، جہاں سورج کی شعاعیں پڑ رہی تھیں اور جہاں اس کی حرکت تیز ترین تھی۔ ''یہ کرنٹ ہے''۔ میں نے سوچا اور میرے ذہن میں کرنٹ اور پانی دو مختلف چیزیں تھیں جیسے ہوا اور تیز آندھی الگ چیزیں ہوں۔اس کے کنارے ڈھلوانی اور پھسلن والے تھے اور یہاں پر کہیں کہیں جھکی ہوئی کم زور جھاڑیاں تھیں۔ دریا سے آنے والی آواز گہری تھی جو نیچے کہیں دریا کے درمیان سے آتی سنائی دیتی تھی۔کوئی ایسی پوشیدہ جگہ جہاں پانی کا شور بلند ہو رہا ہو۔

دریا گولائی میں تھا میں سمت کا اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔ ہم نے جال میں مزید چوہے دیکھے جنھیں ہم نے نکالا، اچھی طرح ہلایا، بوری میں ڈالا اور پھر سے نیا جال بچھا دیا۔ میرا

چہرہ، ہاتھ اور پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تھے جس کا میں نے اپنے باپ کو نہ بتایا۔انھوں نے مجھے کبھی محتاط اور کناروں سے دور رہنے کا نہیں کہا تھا۔ وہ ہمیشہ خود سے یہی سمجھتے رہے کہ میں اتنی سمجھ دار ہوں ایسا میں نہیں کروں گی۔ میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ یہ جال کبھی ختم ہوگا کہ نہیں۔ کچھ وقت کے بعد دوپہر ڈھل چکی تھی۔ ہمارے پیچھے جھاڑی تھی۔ مجھے کافی دیر تک علم نہ ہوا کہ یہ تو وہی جھاڑی ہے جو ہمارے صحن سے صاف نظر آتی ہے جس کے درمیان ایک ایسی پہاڑی تھی جس میں سردیوں میں دکھائی دینے والے ننگے درخت صاف نظر آرہے تھے۔

اب یہ دریا کا کنارہ کہیں کہیں جھاڑیاں ہونے کی وجہ سے گھنی جھاڑیوں میں بدل گیا تھا جو میرے سر سے بلند تھیں۔ میں دریا کے کنارے آدھے راستے تک چلی میرا باپ نیچے پانی کی طرف چلا گیا۔ جب وہ جال کی طرف جھکا تو میں اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں نے دھیرے سے اِدھر اُدھر دیکھا تو مجھے کچھ اور دکھائی دیا۔ مجھ سے دور اوپر اونچائی پر ایک آدمی نیچے آرہا تھا۔ جھاڑیوں سے آتے ہوئے وہ ساکت تھا جیسے کسی مخفی راستے سے آرہا ہو۔شروع میں صرف اس کا سر اور اوپر والا دھڑ ہی نظر آرہا تھا۔وہ سیاہ تھا۔اس کا ماتھا کشادہ تھا۔اس کے بال کانوں سے پیچھے تھے۔گالوں پر گہری جھریاں تھیں۔ جب جھاڑیاں ہلکی ہوئیں تو مجھے اس کا جسم مکمل نظر آنے لگا۔ اس کی لمبی باریک ٹانگیں جھاڑیوں سے ملتے جلتے کپڑے اوراس کے ہاتھ میں سورج کی روشنی سے چمکتا ہوا ایک کلہاڑا تھا۔

میں بالکل اپنے باپ کو آواز دینے یا ہوشیار رہنے کو بولنے سے قاصر رہی۔ وہ آدمی میرے پاس سے گزرتا ہوا دریا کی جانب بڑھا۔لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر خوف سے ساکن ہوجاتے ہیں۔مگر میرے ساتھ مختلف معاملہ ہوا جو میں محسوس کررہی تھی وہ خوف نہیں بل کہ کچھ جانا پہچانا تھا۔ میں حیران نہیں تھی۔ یہ نظارہ حیران کن نہ تھا۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جو آپ جانتے تھے کہ ہو کر رہے گی یا آپ کی کوئی ایسی خواہش جو بالآخر خوف زدہ کردینے والی تھی۔ جیسے میں یہ جانتی تھی کہ ایسا کوئی شخص ہے جو دروازوں کے پیچھے، کسی کونے میں یا اندھیرے ہال میں کھڑا ہے۔ بالآخر میں نے اسے دیکھ لیا اور صرف اس اندھیری شام میں ایک بچے کی طرح انتظار کیا کہ اب کیا ہوگا۔ وہ جھاڑیوں سے نکل کر میرے باپ کی طرف بڑھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کچھ بُرا ہو۔ میرے والد اس بارے نہیں جانتے تھے۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو وہ آدمی ان سے تین فٹ کی دوری پر بھی نہ تھا اور وہ میرے باپ کے پیچھے میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ کچھ لمحوں کے بعد

میں نے اپنے باپ کی دھیمی آواز سنی ''ہیلو جَو میں نے تمھیں بہت عرصہ سے نہیں دیکھا''۔

اس شخص نے کچھ کہے بنا قریب جا کر میرے باپ کو غور سے دیکھا۔

میرے والد نے اسے بتایا، ''جَو، میں بِن جورڈن ہوں تم مجھے جانتے ہو؟ میں اپنا جال دیکھنے آیا ہوں۔ اس سال دریا میں بہت سارے چھچھوندر ہیں''۔

اس شخص نے نا قابل برداشت انداز میں میرے باپ کے بچھائے جال کی طرف دیکھا۔

''آپ کو ایک حد مقرر کرنی چاہیے'' (میرے والد نے کہا)

وہ آدمی کچھ نہ بولا اس نے اپنا کلہاڑا پکڑا اور ہوا میں لہرایا۔

''اس سال بہت دیر ہو چکی ہے دریا کا بہاؤ کم ہو چکا ہے''۔

اس آدمی نے بہت کوشش کر کے ہکلاتے ہوئے میرے باپ کا نام لیا ''بِن جورڈن''۔

''مجھے لگا تم نے مجھے پہچان لیا ہے جَو'' (میرے والد نے کہا)

''میں نہیں جانتا تھا کہ یہ تم ہو بِن۔ میں نے سوچا کہ تم لکڑ ہارے ہو'' (جَو نے کہا)

''خیر یہ میں ہوں، میں تمھیں بتائے دیتا ہوں'' (میرے والد نے جواب دیا)

''وہ لکڑ ہارے ہر وقت یہاں میرے درخت کاٹتے رہتے ہیں اور میری باڑ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ تمھیں معلوم ہے انھوں نے میرا گھر جلا دیا، بِن''۔

میرے باپ نے کہا ''ہاں میں نے اس بارے میں سنا تھا''۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ تم ہو بِن۔ مجھے اس بات کا بالکل اندازہ نہ تھا۔ میں نے یہ کلہاڑا خریدا اور میں اسے اپنے پاس ان کو تھوڑا ڈرانے کے لیے رکھتا ہوں۔ میں ایسا نہ کرتا، اگر میں جانتا کہ یہ تم ہو۔ تم میرے ساتھ اوپر آؤ اور دیکھو میں کہاں رہ رہا ہوں۔'' میرے والد نے مجھے آواز دی اور کہا، ''آج میں اپنے ساتھ اپنی چھوٹی بیٹی لایا ہوں''۔

''اچھا ہوگا کہ تم اور تمھاری بیٹی دونوں اوپر آؤ اور سردی سے محفوظ ہو جاؤ''۔

ہم اس آدمی کے پیچھے چلنے لگے جو ابھی بھی ہاتھ میں کلہاڑا پکڑے اسے لاپروائی سے جھاڑیوں پر مار رہا تھا۔ درختوں کی وجہ سے ہوا بہت سرد تھی۔ درختوں کے نیچے ایک دو فٹ گہری، سردیوں کی بچی برف موجود تھی۔ درختوں کے تنوں کے گرد گول دائرے تھے جیسے سردیوں میں منہ

سے نکلنے والی بھاپ سے بن جاتے ہیں۔

ہم ایک مردہ گھاس کے میدان میں پہنچے اور وہاں سے ایک وسیع میدان کی طرف مڑے جہاں زمین سے تھوڑا اوپر کچھ نظر آ رہا تھا۔ یہ ایک ترچھی چھت تھی جو بہت اونچی نہیں تھی جس میں سے ایک پائپ نکل رہا تھا۔ اس کے اوپر ڈھکن تھا اس میں سے دھواں باہر آ رہا تھا۔ ہم نیچے گودام کی طرف گئے جس کی چھت باہر سے نظر آ رہی تھی۔ میرے والد نے کہا ''ایسا لگتا ہے جو تم نے اسے اپنے حساب سے بنایا ہے''۔

''یہ گرم ہے جیسا کہ زمین نیچے قدرتی طور پر گرم ہوتی ہے۔ میں نے سوچا وہ ایک بار میرا گھر جلا چکے ہیں تو دوبارہ گھر بنانے کا کیا جواز ہے؟ مجھے ویسے بھی بھلا گھر کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے اسے پُرسکون بنایا ہے اور یہ جگہ میرے لیے مناسب ہے''۔ اس نے سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر دروازہ کھولا ''اپنے سر کو بچا کر اندر آؤ۔ میں یہ نہیں کہتاہن کہ کسی کو بھی زمین کھود کر نیچے رہنا چاہیے۔ بے شک جانور ایسے کرتے ہیں اور جو جانور کرتے ہیں اس کی کوئی منطق ہوتی ہے مگر آپ شادی شدہ ہیں تو پھر یہ مناسب نہیں۔ جہاں تک میری بات ہے میرا شادی کا ارادہ نہیں'' وہ ہنسا۔

ابھی مکمل اندھیرا نہیں چھایا تھا۔ اس پرانے گودام میں کھڑکیاں تھیں جس میں سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی مگر اس آدمی نے تیل کا دیا جلایا اور میز پر رکھا ''اب تم جان سکتے ہو تم کہاں موجود ہو''؟

یہ صرف ایک کمرا تھا جس کے فرش پر لکڑی کے تختے لگا کر فرش بچھایا گیا تھا جس پر چلا جا سکتا تھا۔ ایک چبوترے پر چولہا رکھا گیا تھا۔ یہاں ایک میز، صوفہ، کرسیاں یہاں تک کہ کچن کی ایک الماری، بہت سے باریک اور انتہائی گندے برفانی گاڑی میں استعمال ہونے والے گھوڑوں پر ڈالنے والے کمبل تھے۔ اگر یہ کوئلے، پیشاب اور باسی ہوا سے بھرا بدبودار نہ ہوتا تو میں اس جگہ رہنا پسند کرتی، جیسا کہ سردیوں میں برف، کیک، نیچے بنائے گئے گھر، جس میں، میں آتش دان کی لکڑیوں سے فرنیچر بناتی تھی یا وہ گھر جو میں نے بہت پہلے برآمدے کے نیچے بنایا تھا جس کے فرش پر نہ کبھی بارش ہوئی نہ دھوپ پہنچی۔ یہ بچپن میں کھیلنے کے لیے بنایا گیا گھر تھا۔

مگر اس گندے صوفے پر بیٹھ کر مناسب یہ تھا کہ آپ کچھ نہ دیکھنے اور کہیں دھیان نہ دینے کا دکھاوا کریں۔ میرے والد نے کہا ''تم یہاں سردی سے محفوظ ہو۔ یہ بالکل ٹھیک ہے جو''۔ وہ میز پر بیٹھ گیا اور اپنا کلہاڑا نیچے رکھا۔ ''تم یہ برف پگھلنے سے پہلے دیکھتے کہ کچھ دکھائی نہیں

دیتا تھا سوائے دور دور تک پھیلی دُھند کے''۔

''تم تنہائی محسوس نہیں کرتے'' (میرے والد نے پوچھا)

''نہیں بالکل نہیں میں کبھی نہیں محسوس کرتا میرے پاس ایک بلّا بھی ہے جن''۔

''بلّا کہاں گیا؟ یہ رہا چولہے کے پیچھے شاید یہ لوگوں میں آنا پسند نہیں کرتا''۔

اس نے اسے باہر نکالا یہ ایک بڑا سرمئی اداس آنکھوں والا بلّا تھا۔ میں تمھیں دکھاتا ہوں کہ یہ کیا کچھ کرنا جانتا ہے''۔ اس نے میز سے ایک طشتری پکڑی الماری سے شیشے کا مرتبان نکالا اوراس میں سے کچھ اس طشتری میں اُنڈیلا اور بلّے کے سامنے بیٹھ گیا۔

''جو، یہ بلّا وہسکی نہیں پیتاجو''؟

''تم رکو اور دیکھو''۔

بلّا اُٹھا، انگڑائی لی اِدھر اُدھر نظر گھمائی اور سر جھکا کر پینے لگا۔

''یہ سیدھا وہسکی پی رہا ہے'' (میرے باپ نے کہا)

''میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے یہ نظارہ پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور نہ دوبارہ کبھی دیکھوں گا۔ یہ بلّا دودھ کی جگہ وہسکی پیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے کبھی دودھ ملا ہی نہیں۔ یہ اس کا ذائقہ بھی نہیں چکھ سکا۔ تمھیں شراب دوں جن''؟

میں نہیں جانتا تم نے یہ کہاں سے خریدی ہے اور میرا معدہ تمھارے بلّے جیسا نہیں ہے''۔

وہسکی ختم کرنے کے بعد بلّا طشتری سے دور ہوا، کچھ لمحے انتظار کیا، اپنے پنجوں پر اُچھلا اور بنا گرے بے ترتیبی سے زمین پر آن پڑا۔ وہ مدہوش، ہوا میں اپنے پنجے گھمانے لگا اور ہلکی آواز میں میئوں میئوں کرنے لگا۔ پھر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور صوفے کے نیچے گھس گیا۔

''جو اگر تم ایسے ہی کرتے رہو گے تو تمھارے بلّے کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے'' (میرے والد نے کہا)

''یہ اسے تکلیف نہیں دیتی بل کہ یہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ چلو دیکھتے ہیں ہمارے پاس اس چھوٹی بچی کے کھانے کے لیے کیا ہے''؟ میں نے خواہش کی کہ کچھ نہ ہو لیکن وہ کرسمس کی ٹافیاں لے آیا جو پگھلی ہوئی لگتی تھیں۔ یہ کافی سخت، پرانی اور بدذائقہ تھیں۔

جن یہ لکڑ ہارے مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ یہ دن تو کبھی رات میں آتے ہیں۔ لوگ

مجھے تنگ کرنے سے باز نہیں آتے۔ میں رات کو ان کے قدموں کی آہٹ سن سکتا ہوں۔ بن تم ان لکڑ ہاروں کو ملو تو ان کو بتانا کہ میرے پاس ان کے لیے کیا ہے''۔اس نے یہ کلہاڑا اُٹھایا اسے زور سے میز پر مارا جس سے پرانا تیل لگا کپڑا پھٹ گیا۔''میرے پاس ایک بندوق بھی ہے''۔

ہوسکتا ہے جو وہ اب نہ آئیں اور تجھے مزید پریشان نہ کریں۔

''نہیں وہ کبھی نہیں رُکیں گے''، جو نے سر ہلایا۔

''تم ان پر توجہ نہ دو وہ تھک جائیں گے اور چلے جائیں گے''۔

''وہ مجھے میرے بستر میں جلا دیں گے۔انھوں نے پہلے بھی کوشش کی ہے''۔

میرے والد نے کچھ نہیں کہا۔اپنی انگلی کلہاڑے کی تیز دھار پر پھیری۔صوفے کے نیچے بِلّا چِلّا تا رہا اور مدہوشی بھری آوازیں نکالتا رہا۔سردی کے بعد تھوڑی گرمائش سے میری تھکاوٹ میں کمی آ گئی تھی۔ میں کھلی آنکھوں کے ساتھ نیند میں جا رہی تھی۔میرے والد نے مجھے نیچے اُتارا۔''اب تم جاگ گئی ہو کھڑی ہو جاؤ دیکھو میں تمھیں اور ان چوہوں بھری بوری کو اُٹھا کر نہیں چل سکتا''۔

جب میں نیند سے جاگی ہم اس بڑے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے ۔اندھیرا چھا رہا تھا۔ واوناش دریا سے بہہ جانے والی زمین ہمارے سامنے تھی۔سبزی مائل بھورے رنگ کی جھاڑیاں جن کے پتے ابھی اُگے نہ تھے، یہ گہری تھیں۔سردیوں کے بعد یہ خستہ حال ہو چکی تھیں۔جو باقی تھیں ان پر برف کی باریک تہہ تھی جو اَب اُتر رہی تھی۔کھیتوں کی طرف جن سے ہم دن میں گزر کر آئے تھے، چھوٹی باڑیں، سرمئی گودام، ایک دوسرے سے الگ بنے گھر چھوٹے اور پست لگ رہے تھے۔

میرے باپ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا،''وہ کس کا گھر ہے''؟

یہ ہمارا گھر تھا مجھے ایک سیکنڈ میں اندازہ ہو گیا۔ہم آدھا دائرہ گھوم آئے تھے۔یہ گھر کی وہ سمت تھی جو سردیوں میں کسی نے نہ دیکھی تھی۔سامنے والا دروازہ نومبر سے اپریل تک بند رہتا اور اس کے سامنے ہمیشہ مشرقی ہواؤں کو روکنے کے لیے اس پر پرانا موٹا کپڑا لٹکا رہتا تھا۔

''پہاڑی سے نیچے، آدھا میل سفر بھی نہیں ہے۔تم آسانی سے گھر جا سکتی ہو۔جلد ہی ہم کھانے والے کمرے میں روشنی دیکھیں گے جہاں تمھاری ماں ہے''۔

رستے میں میں نے پوچھا''اس کے پاس کلہاڑا کیوں تھا''؟

میرے والد نے جواب دیا ''میری بات سنو کیا تم سو رہی ہو''؟ وہ اس کلہاڑے سے کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا وہ بس عادتاً کلہاڑا اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مگر گھر میں یہ بات مَیری اور نہ اپنی ماں سے نہ کرنا کیوں کہ وہ اس بارے میں سن کر ڈر جائیں گی۔ تم اور میں نہیں ڈرے۔ وہ یقیناً ڈر جائیں گی اور اس کا کوئی فائدہ نہیں''۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد انھوں نے پوچھا، تم ان کے سامنے کسی بات کا ذکر نہیں کرو گی اور میں نے کہا، ''کلہاڑے کے بارے میں''؟

''تم خوف زدہ نہیں تھی۔ کیا تھی''؟

میں نے پرامید ہو کر کہا ''نہیں

کون اس کو اور اس کے گھر کو جلا دے گا''؟

''کوئی نہیں لیکن اگر وہ پچھلی بار کی طرح خود ہی آگ نہ لگا دے''۔

''لکڑ ہارے کون ہیں''؟

میرے باپ نے کہا ''کوئی نہیں، کوئی بھی نہیں''۔

''مَیری ہمیں تمھارے لائق آج کوئی مل گیا، اوہ کاش میں اسے گھر لے کر آ سکتا''۔

مَیری میکوڈ نے غصہ سے جلدی کے ساتھ میرے جوتے اور گیلی جرابیں اُتارتے ہوئے کہا ''ہم نے سوچا تم واوناش دریا میں گر چکے ہو گے''۔

''میں بوڑھے جَو کی بات کر رہا ہوں جو جھاڑیوں کی دوسری طرف سنسان جگہ پر رہتا ہے''۔ مَیری نے چیخ کر کہا ''وہ اس نے اپنا گھر جلا لیا تھا میں اسے جانتی ہوں''۔

''بالکل وہی، اب وہ اس کا عادی ہو چکا ہے۔ وہ زمین کھود کر مورچے میں رہتا ہے۔ مَیری تم ایک گلہری کی طرح آرام دہ جگہ پر رہو گی''۔

''میں یقین سے کہہ رہی ہوں وہ اپنی ہی گندگی میں رہتا ہے''۔ اُس نے میرے باپ کو شام کا کھانا دیا اور میرے والد نے اُسے جَو کے گودام کی چھت اور گندے فرش پر بچھے تختوں کے بارے بتایا۔ اس نے بِلّے اور وہسکی کے بارے بھی بتایا۔ مگر کلہاڑے کی بات نہ کی۔ مَیری کے لیے یہی کافی تھا۔

''جو شخص ایسا کرے اسے جیل میں ڈال دینا چاہیے''۔

میرے باپ نے کہا ''شاید، اسی طرح مجھے امید ہے بیچارے جَو کو پولیس پکڑے گی

نہیں''۔

مَیری نے میری طرف جھک کر کہا''اپنا کھانا کھاؤ''۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں اس سے مزید خوف زدہ نہیں ہوں۔اس نے کہا''اس کی طرف دیکھواس کی آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں۔کیااس نے اسے بھی وہسکی پلائی ہے''؟

''ایک قطرہ بھی نہیں''۔

میرے باپ نے میز پر میری طرف جھکتے ہوئے کہا، میں نے ایک لفظ بھی نہیں بولا ان جادوئی اور پریوں کی کہانیوں والے بچے کی طرح جواپنے والدین کوخوف ناک اجنبیوں سے بات کرتے دیکھتے ہیں،انھیں یہ علم ہو جاتا ہے کہ ہمارے خوف اور کچھ نہیں مگر حقیقت پر مبنی خیال ہیں، جوکسی خوف ناک جگہ سے فرار حاصل کرلیں اوراس کے بعد ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگیں۔ہم باپ بیٹی کی طرح جوحیران تھے اوراپنے ساتھ راز رکھتے تھے۔

ایک سفر

میں اور میرا کزن جارج جھیل کے قریب ایک چھوٹے قصبے میں موجود ریسٹورینٹ میں بیٹھے تھے۔ اندھیرا ہو رہا تھا لیکن انھوں نے ابھی بتیاں نہیں جلائی تھیں۔ پھر بھی شیشے کے سامنے لگے سائن بورڈ با آسانی پڑھے جاسکتے تھے۔

''معلومات کے بارے میں مت پوچھیں'' جارج نے پڑھا ''اگر ہمیں کچھ معلوم ہوتا تو ہم آج یہاں نہ ہوتے'' اور ''اگر آپ کے پاس کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے تو آپ نے کچھ کرنے کے لیے اچھی جگہ کا انتخاب کیا ہے''۔ جارج ہمیشہ پوسٹرز اور مختلف سائن بورڈز وغیرہ اونچی آواز میں پڑھا کرتا تھا۔

میں نے حیران ہو کر سوچا یہ مزاح سے بھرپور بورڈ لکھنے والے کون لوگ ہیں؟ کیش رجسٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص کے بارے میں نے اندازہ لگایا یہ پوپ ہوسکتا ہے؟ وہ منہ میں تنکا چباتے ہوئے باہر گلی میں لوگوں کو گھومتے یا کسی کو گرتے دیکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر رہا تھا۔ وہ قوی الجثہ اور بے چین طبیعت کا حامل تھا جو کبھی کوئی کام نہ کرتا تھا۔ آپ کھڑکی سے باہر جھانکتے یا چھوٹے قصبے میں اپنے گھر کے باہر سیڑھیوں پر بیٹھے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے دیکھتے ہوں گے۔ ان کے چہروں پر لاپروائی کا تاثر ہوتا ہے اور ایسا کرنے میں وہ جیسے کوئی اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ ریسٹورینٹ میں صرف ایک ملازمہ تھی جو کاؤنٹر پر جھکی اپنے ناخنوں سے نیل پالش اُتار رہی تھی۔ جب اس کے انگوٹھے کے ناخن سے کافی حد تک نیل پالش اُتر گئی تو اس نے وہ انگوٹھا منہ میں لے لیا اور باقی بچی نیل پالش اپنے دانتوں سے رگڑ کر اُتارنے لگی۔ ہم نے اس سے نام پوچھا مگر اس نے جواب نہ دیا۔ دو تین منٹ بعد اس نے اپنے منہ سے انگوٹھا نکالا اور اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا ''مجھے بھی اپنا نام جاننا ہے، تم بوجھ کر مجھے بھی بتادو''۔

جارج نے کہا ''ٹھیک ہے تو کیا میں تمھیں مِکی کہہ کر بلاؤں''؟

''مجھے کوئی پروانہیں''۔

''کیوں کہ تمھیں دیکھ کر مجھے مِکی رونی کی یاد آئی'' جارج نے کہا۔ ''ارے ٹاؤن والے

سب کدھر چلے گئے ہیں''؟ مکی نے اپنا رُخ پھیرا اور کافی پینے میں مصروف ہو گئی۔ جیسے وہ مزید بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ جارج ایک دم اُچھلا جیسے اسے کوئی بات یاد آئی ہو۔ اس نے افسردہ لہجے میں کہا، ''کیا یہاں کوئی لڑکی نہیں ہے؟ کیا یہاں تفریح اور ڈانس کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے؟ ہم یہاں اجنبی ہیں، تم ہماری مدد نہیں کرو گی''؟

مکی نے سرد لہجے میں جواب دیا ''ساحل سمندر کا ڈانس ہال لیبرڈے کی وجہ سے بند ہے''۔

''کیا کوئی اور ڈانس ہال نہیں ہے''؟

مکی نے کہا ''ولسن اسکول میں آج رات ایک ڈانس پارٹی ہے''۔

جارج نے قدرے غصے سے کہا ''وہ پرانی ڈانس پارٹی؟ نہیں میں اس میں شامل نہیں ہونا چاہتا۔ وہ چرچ کے تہہ خانے میں ہوا کرتی تھی۔ ہر کوئی جھول رہا ہوتا تھا۔ ایک چرچ کے تہہ خانے میں بالکل نہیں جانا چاہتا''۔ پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا ''تمھیں یاد نہیں ہوگا، تم تب بہت چھوٹی تھی''۔

میں ابھی ہائی اسکول سے فارغ ہوئی تھی تب جارج تین سال سے ٹاؤن کے ایک اسٹور پر کام کرتا تھا، ہم میں بس اتنا ہی فرق تھا مگر ہمیں اس کی پروا نہیں تھی۔ شاید ہم اس لیے ساتھ تھے کہ ہم ایک انجان جگہ پر اچانک ملے تھے۔ تب میرے پاس بہت کم پیسے تھے اور جارج بالکل کنگال تھا۔ میرے پاس اپنے باپ کی گاڑی بھی تھی جب کہ جارج کے پاس ایسا کچھ نہ تھا۔ وہ اس حقیقت سے نظریں چراتا تھا کیوں کہ اسے شرمندگی کا احساس ہوتا تھا۔ میں یہ محسوس کرتی تھی کہ وہ اپنے اور میرے درمیان دوستانہ جذبات محسوس کرتا تھا۔ میں اس سے عمر میں چھوٹی تھی اور وہ مجھے ایک اچھی لڑکی سمجھتا تھا۔ اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کے گلابی چہرے، خوب صورتی اور ماتھے پر پڑنے والی تیوریاں دیکھ کر مجھے کبھی خیال نہ آیا تھا کہ میں اپنی عمر سے بڑے شخص کے ساتھ رہتی ہوں۔

میں اپنی ماں کو ساحل پر عورتوں کی سیر گاہ سے لینے آئی تھی۔ اس جگہ پر پھلوں کا جوس دستیاب تھا۔ صبح کے وقت لوگ تیراکی کے لیے آتے تھے۔ گرجا گھر پاس ہونے کی وجہ سے کچھ مذہبی لوگ بھی آتے جاتے تھے۔ میری آنٹی جو جارج کی ماں تھی وہ بھی یہیں رہ رہی تھی۔ جارج میرے آنے سے گھنٹہ بعد اپنی ماں سے پیسے لینے آیا تھا، اس کی اپنے باپ سے نہیں بنتی تھی اور وہ

جوتوں کی دکان پر کام کر کے بھی کچھ خاص نہ کما تا تھا۔لہٰذا وہ اکثر کنگال نظر آ تا تھا۔اس کی ماں نے اس سے کہا تھا اگر وہ یہاں رُکا اور اگلے دن اس کے ساتھ چرچ گیا تو وہ اسے کچھ پیسے اُدھار دے دے گی۔ جارج مان گیا۔ پھر وہ اور میں جھیل کے ساتھ ساتھ گاڑی میں اس ٹاؤن میں آ گئے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جارج کا خیال تھا یہاں بہت ساری لڑکیاں اور شراب خانے ہوں گے۔

یہ ایک کشادہ کچا قصبہ تھا جس کی سڑکیں ریتلی تھیں اور یہ ویران تھا۔ یہاں سرخ اور پیلے جنگلی پھول اور کاسنی جھاڑیاں تھیں جن کے پتے بھورے رنگ کے تھے۔ یہاں گھر کافی فاصلے پر بنے تھے جن میں اکثر لکڑی کے تھے۔ان پر سبز، سرمئی یا پیلا رنگ کیا گیا تھا۔ یہاں بڑے بڑے چنار کے درخت تھے جس کے پتوں پر مٹی جمی تھی اور وہ گدلے نظر آ رہے تھے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ کوئی درخت نہیں تھا۔ یہاں ٹاؤن ہال بہت بڑا تھا جس کے ٹاور پر ایک بہت بڑی گھنٹی لگی تھی جو اُن رنگ اُڑے لکڑی سے بنے گھروں کے درمیان نمایاں ہو رہی تھی۔اس کے دروازے کے ساتھ ایک تختی پر لکھا تھا ''یہ پہلی جنگ عظیم کے شہدا کی یادگار ہے''۔ہم نے اس کے سامنے لگے فوارے سے پانی پیا۔

ہم سڑک کے ساتھ ساتھ گاڑی چلاتے رہے۔ جارج کہہ رہا تھا ''اوہ خدایا! کیا فضول جگہ ہے'' کبھی کہتا ''ارے اس طرف تو دیکھو۔اوہ ہو یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے''۔گلی میں موجود لوگ کھانا کھانے گھروں کو چلے گئے اور ہم پوپ کے ریسٹورینٹ میں آ گئے۔

جارج نے پوچھا ''سنو اس ٹاؤن میں کوئی اور ریسٹورینٹ ہے؟ کیا تم نے رستے میں آتے ہوئے دیکھا''؟

میں نے جواب دیا ''نہیں''۔

جارج نے کہا ''کسی دوسرے قصبے میں جہاں میں کبھی گیا ہوں کھڑکیوں بل کہ درختوں سے خنزیر لٹکتے دیکھے ہیں، یہاں نہیں ہیں۔اوہ خدایا! لگتا ہے ہم دیر سے آئے ہیں۔

''تم ایک شو میں جانا چاہو گی''؟

دروازہ کھلا۔ ایک لڑکی اندر آئی اور ایک اسٹول پر بیٹھ گئی جس کے چہرہ سے غنودگی جھلک رہی تھی۔اس کی چھاتیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔اس کے بال اُلجھے اور رنگ بدصورتی کی حد تک زرد تھا۔اسے دیکھ کر ہلکی سی شہوانیت اُبھرتی تھی۔ جارج کا چہرہ اچانک چمک اٹھا اور اس نے

کہا'' کوئی بات نہیں۔ میں اس سے بات کر سکتا ہوں۔ یہ چٹکی میں کر سکتا ہوں''۔

وہ کاؤنٹر پر گیا اور اس لڑکی کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہ دونوں میری طرف آئے۔ لڑکی مالٹے کا جوس پی رہی تھی۔

جارج نے کہا'' یہ ایڈیلیڈ ہے۔ ایڈیلیڈ، ایڈلین ...... پیاری ایڈلین میں اسے سویٹ اے، سویٹ اے کہہ کر پکاروں گا''۔

ایڈیلیڈ توجہ دیے بغیر جوس پینے میں مگن رہی۔

'' یہ کسی مرد کے ساتھ نہیں ہے'' جارج نے کہا۔'' ایسا ہی ہے ناں پیاری، تم کسی مرد کے ساتھ نہیں آئی ہو ناں''؟

ایڈیلیڈ نے دھیرے سے اپنا سر ہاں میں ہلایا۔

جارج نے کہا'' ایڈیلیڈ کیا تمھاری کوئی دوست ہے؟ کوئی اچھی لڑکی جو ڈِکی کے ساتھ وقت گزار سکے''؟

'' تم اور میں، وہ اور ڈِکی''؟

ایڈیلیڈ نے کہا'' یہ تم پر منحصر ہے تم کس کے ساتھ جانا چاہو گے''۔

'' کہیں بھی جہاں تم کہو''۔ کہیں گھومنے جائیں گے۔

'' تمھارے پاس گاڑی ہے''؟ ایڈیلیڈ نے کہا۔

'' ہاں ہاں ہمارے پاس گاڑی ہے۔ تمھیں اپنے ساتھ کوئی چھوٹی عمر کی دوست کو لانا چاہیے تھا۔ جارج نے اس لڑکی کی کمر پر ہاتھ پھیر کر کہا'' تم میرے ساتھ باہر آؤ میں تمھیں گاڑی دکھاتا ہوں''۔ ایڈیلیڈ نے کہا،'' میں ایک لڑکی کو جانتی ہوں جو شاید آ جائے۔ وہ جس کے ساتھ پہلے تھی اس لڑکے کی کہیں اور منگنی ہو گئی ہے اور وہ لڑکی اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہے''۔

'' خیر یہ تو بہت دل چسپ ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟ چلو اسے لے کر آتے ہیں۔ کیا تم ساری رات یہاں بیٹھ کر پینا چاہتی ہو''؟

'' میں پی چکی ہوں'' ایڈیلیڈ نے کہا۔'' وہ شاید نہ آئے۔ مجھے نہیں معلوم وہ آئے گی کہ نہیں''۔

'' کیوں نہیں۔ کیا اس کی ماں اسے رات کو باہر نہیں جانے دیتی''؟

ایڈیلیڈ نے جواب دیا'' نہیں ایسی بات نہیں، وہ مرضی کی مالک ہے۔ بعض اوقات وہ

باہر نہیں جاتی''۔ہم باہر نکل کر گاڑی میں سوار ہو گئے۔ جارج اور ایڈ یلیڈ پیچھے بیٹھ گئے۔سڑک پر کیفے سے ایک بلاک آگے ہم ایک دُبلی، پتلی، بھورے بالوں والی لڑکی کے پاس سے گزرے تو ایڈ یلیڈ اسے دیکھ کر چلائی'' گاڑی روکو، میں تم سے اسی کے بارے میں بات کر رہی تھی، یہ لوئس ہے''۔

میں نے ایک دم سے گاڑی روکی۔ جارج نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر سیٹی بجائی۔ ایڈ یلیڈ نے اسے آواز دی، وہ لڑکی بلا جھجک گاڑی کے قریب آگئی۔ جب ایڈ یلیڈ نے اسے ساری بات بتائی۔اس دوران جارج بس یہی کہتا رہا'' جلدی کرو، گاڑی میں بیٹھو، ہم گاڑی میں بھی بات کر سکتے ہیں''۔لڑکی ہم سے کسی کی طرف بھی دیکھے بغیر مسکرائی اور کچھ لمحوں کے بعد وہ گاڑی میں دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

اس نے کہا، مجھے کوئی کام نہیں ہے۔ میرا بوائے فرینڈ فی الحال میرے ساتھ نہیں ہے''۔

''ایسی بات ہے''؟ جارج نے کہا۔ میں نے شیشے میں سے ایڈ یلیڈ کو جارج کی طرف تنبیہ کرتے دیکھا۔لوئس نے اسے اَن سنا کر دیا۔اس نے کہا ایک مرتبہ میرے گھر چلتے ہیں۔ میں کوئلہ لینے جا رہی تھی اس لیے میں نے یہ لباس پہن رکھا ہے۔ بہتر ہے میرے گھر چلیں تا کہ میں کچھ بہتر پہن لوں۔ہم کہاں جا رہے ہیں، میں اسی مناسبت سے لباس پہن لوں گی۔

میں نے پوچھا'' تم کہاں جانا چاہو گی''؟

جارج بولا'' ٹھیک ہے ترتیب سے چلتے ہیں، پہلے ہمیں بوتل خریدنی چاہیے، پھر طے کرتے ہیں کہ کہاں چلنا ہے۔کیا تم جانتی ہو یہ کہاں سے ملی گے''؟ ایڈ یلیڈ اور لوئس دونوں نے ہاں میں جواب دیا اور پھر لوئس نے مجھ سے کہا،'' اگر تم چاہو تو لباس تبدیل کرنے تک میرے ساتھ گھر میں میرا انتظار کر سکتی ہو''۔ میں نے مشکوک نظروں سے ایڈ یلیڈ کی طرف دیکھا اور سوچا، اسی نے لوئس کو مجھے یہ سب کہنے کو کہا ہوگا۔

لوئس کے گھر ڈیوڑھی میں ایک پرانا صوفہ پڑا تھا اور کچھ قالین لٹک رہے تھے۔ وہ مجھ سے آگے صحن عبور کر کے چلی گئی۔اس کے لمبے بھورے بال اس کی گردن پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی جلد پر چھائیاں تھیں۔اس کی آنکھیں ہلکے نیلے رنگ کی تھیں۔اس کے چہرے کا رنگ ہلکا بھورا تھا۔ وہ دبلی پتلی، زردی مائل رنگ کی لڑکی تھی۔اس کے چہرے میں ایک کشش تھی۔ مجھے لگا

وہ میری ہم عمر یا مجھ سے کچھ ہی بڑی ہوگی۔

اس نے سامنے والا دروازہ کھولا اور بلند آواز میں کہا'' آؤ میں تمھیں اپنے گھر والوں سے ملواتی ہوں''۔

اس کے گھر میں سامنے والے کمرے کا فرش ڈھکا ہوا تھا اور کھڑکیوں پر پردے لٹک رہے تھے جن پر پھول بنے تھے۔ وہاں ایک چمکتا ہوا چمڑے کی پوشش والا صوفہ موجود تھا۔ ایک چھوٹا سیاہ رنگ کا چولہا اور ایک گل دان بھی نظر آ رہا تھا۔ ایک لمبی نازک سی عورت اپنے ہاتھ صاف کرتے کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے اس سے اس کا حال پوچھا۔ لوئس کے ایک دم سے آواز دینے پر مجھے شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ وہ کہیں ہمارے منصوبے کے بارے میں جان کر کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔ اس کے چہرے پر معصومیت کے آثار نظر نہ آ رہے تھے۔ ہمارے منصوبے کے بارے میں جان کر بھی اس کا رویہ عام ہی تھا۔ پھر شاید لوئس نے میرا مذاق اُڑانے کے لیے ہمارے منصوبے کو ایک بار پھر دہرایا۔ میں بہت دور تک سوچ رہی تھی۔ وہ مجھے شرمندہ کیوں کرے گی۔ وہ تو مجھے دیکھے بغیر ہی ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی تھی۔ وہ اتنی پروا کیوں کرے گی؟

میں اور لوئس کی ماں صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ ہمارے ارادے کے بارے میں میرے ساتھ گفتگو کرنے لگی۔ میں نے گھر میں دُھلے ہوئے کپڑوں اور کچھ بھوننے کی خوشبو کو محسوس کیا۔ لوئس کی ماں نے کہا'' گھر کے سامنے کار اچھی ہے، کیا یہ تمھاری ہے''؟

''یہ میرے باپ کی ہے''۔

''تمھارے باپ کی کار تو بہت عمدہ ہے۔ مجھے لوگوں کی چیزیں دیکھ کر ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ میں بالکل حسد نہیں کرتی، ہمیشہ تعریف کرتی ہوں۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ جب تمھاری ماں کچھ خریدنے کی خواہش کرتی ہوگی وہ اسٹور جا کر آسانی سے خرید لیتی ہوگی۔ تمھارے والد کیا کرتے ہیں؟ کیا وہ کوئی وکیل یا ڈاکٹر ہیں؟ یا کوئی ایسی ہی نوکری کرتے ہیں''؟

''وہ ایک چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں''۔

''ارے ان کا تو دفتر ہوتا ہے ناں''؟

''جی''۔

''میرے بھائی اور لوئس کے ماموں کا بھی لندن میں ایک دفتر ہے۔ میں سمجھ سکتی ہوں

ان کی ملازمت کافی بہتر ہے''۔

وہ مجھے ایک مل کے حادثے میں لوئس کے والد کے مارے جانے کا بتانے لگی۔ میں نے دروازے میں ایک بوڑھی عورت کو کھڑے دیکھا، وہ شاید لوئس کی دادی تھی۔ وہ ڈھلے جسم کی تھی۔ کسی مرے ہوئے جانور کی بو کافی حد تک اسی میں سے آ رہی تھی یا کچھ ایسا تھا جو میں ان لوگوں کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ میں نے سوچا میری اور جارج کی ماں یہاں تک کہ جارج بھی بھولا بھالا ہے۔ مگر یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔ میں نے لوئس کے باپ کے بارے میں کچھ زیادہ نہ سنا تھا سوائے اس کا سر قلم کیے جانے کا۔

''تصور کرو اس کی زمین پر پڑی بغیر سر کے لاش''، تابوت بھی نہ کھولا جا سکتا تھا۔ یہ جون کا مہینہ اور موسم شدید گرم تھا۔ قصبے میں موجود ہر شخص اپنے باغ سے تمام پھول توڑ کر لے آیا تھا۔ میرا خیال تھا یہ اس ٹاؤن کا بدترین حادثہ تھا''۔

''ان گرمیوں کی بات ہے ایک لڑکا تھا جو لوئس کا بوائے فرینڈ تھا۔ وہ بعض اوقات رات بھر اسے اپنے دوستوں کے ساتھ ایک چھوٹے گھر میں لے جاتا کیوں کہ اسے وہاں اکیلا رہنا پسند نہیں تھا۔ وہ بچوں کے لیے ٹافیاں اور میرے لیے تحائف لے آتا۔ یہ چینی پتھر کا بنا ہاتھی نظر آ رہا ہے۔ یہ وہی میرے لیے لایا تھا۔ مجھے اپنا ریڈیو ٹھیک کرانے کبھی دکان پر نہیں جانا پڑا تھا۔ وہی ٹھیک کر دیتا تھا۔ کیا تمھارے دوستوں کے پاس بھی گرمیاں گزارنے کے لیے ایسا کوئی گھر ہے''؟

میں نے کہا ''نہیں'' لوئس ایک پیلے اور سبز رنگ کا چمکیلا لباس، اونچی ایڑھی والا جوتا، جیولری پہنے اور ڈھیر سارا میک اپ کیے اندر آئی۔ اس کی ماں دیکھ کر بہت پرخوش ہوئی۔

اس نے پوچھا ''تمھیں یہ لباس پسند آیا؟ یہ لباس یہاں سے نہیں ملتا، یہ لندن سے خریدا گیا تھا''۔

باہر جاتے ہوئے ہمیں اس بوڑھی عورت کے قریب سے گزرنا تھا اس کی آنکھوں میں مجھے شناسائی نظر آئی۔ وہ ٹکٹکی باندھے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ اس نے کھردری آواز میں کہا ''میری پوتی کے ساتھ کچھ بھی کرنے سے محتاط رہنا، تم جانتی ہو میرا کیا مطلب ہے''؟

لوئس کی ماں نے بوڑھی عورت کو پیچھے کیا اور میری طرف مسکراتے ہوئے کہا ''ان کا برا مت ماننا، ان کی سوچ بچوں جیسی ہے''۔ جیسے ہی میں لوئس کے ساتھ باہر جانے لگی اس کی ماں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا ''لوئس ایک اچھی لڑکی ہے اس کے ساتھ اچھا وقت گزارنا اور اسے مایوس نہ

کرنا''۔

لوئس اپنی سکرٹ لہراتی مجھ سے آگے چلنے لگی۔ میں نے پوچھا'' کیا تم کسی ڈانس پارٹی میں جانا چاہتی ہو''؟

اس نے کہا'' نہیں مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ہم کہاں جائیں گے''۔

''خیر تم نے جو لباس پہن رکھا ہے وہ ڈانس پارٹی کے لیے مناسب ہے''۔

میں ہر ہفتے کی رات ایسا ہی لباس پہنتی ہوں۔ لوئس نے کہا اور پھر وہ ہنسنے لگی، مجھے اس میں اس کی ماں کی جھلک نظر آئی۔ اس نے سرگوشی کی ''اوہ میرے خدایا''! میں جانتی تھی کہ وہ اپنے گھر میں ہونے والی باتوں پر ہنس رہی ہے، میں بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی۔ ہم دوستوں کی طرح ہنستے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھے، مگر ہم دوست نہیں تھے۔

ہم ٹاؤن سے باہر ایک فارم ہاؤس کی طرف گئے وہاں ایک عورت سے ہم نے وہسکی کی بوتل خریدی یہ اس نے گھر میں تیار کی تھی۔ میں اور جارج نے یہ پہلے کبھی نہیں پی تھی۔ ایڈ یلیڈ نے کہا یہ عورت شاید ہمیں اپنے گھر کا ایک کمرا استعمال کرنے دیتی مگر لوئس کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا۔ اس عورت نے اپنے سر پر پہنی مردانہ ٹوپی کے نیچے سے دیکھتے ہوئے کہا'' کیا تبدیلی بھی جیسے آرام وسکون......اچھی ہوتی ہے''؟

لوئس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔ اس کے بعد اس عورت نے کہا ''اگر ہم وہاں پھنس گئے تو ہمارے لیے اچھا نہیں ہوگا، بہتر ہے ہم واپس چلے جائیں''۔

واپسی پر تمام راستہ ایڈ یلیڈ یہی کہتی رہی'' کچھ لوگ مذاق کیوں نہیں برداشت کرتے؟ وہاں پھنس جانا ٹھیک تھا'' یہاں تک کہ اسے خاموش کرانے کے لیے میں نے اسے وہسکی کی بوتل پکڑائی۔ جارج نے بالکل برا نہ مانا یہ سوچتے ہوئے کہ وہ ڈرائیونگ پر توجہ دے سکتا ہے۔

ہم گاڑی روک کر وہسکی پینے لگے۔ جارج اور ایڈ یلیڈ نے ہم دونوں سے زیادہ پی۔ وہ کوئی بات کیے بغیر ایک دوسرے کو بوتل پکڑا رہے تھے۔ اس شراب کا ذائقہ ان سب سے مختلف تھا جو میں نے اب تک چکھی تھیں۔ یہ پی کر میرے پیٹ میں درد ہونے لگا تھا۔ اس کا مجھ پر نشہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ میں اس وجہ سے ذہنی تناؤ کا شکار ہو رہی تھی۔ ہر بار لوئس مجھے بوتل پکڑانے پر با ادب طریقے سے ''شکریہ'' کہتی۔ میں نے اس کے کندھوں پر اپنا بازو رکھ دیا۔ وہ غصے میں میری پہنچ سے دور ہو کر لیٹ گئی۔ میں چھونے کی بجائے اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اس بات سے

آ گاہ تھی کہ مجھے آگے بڑھ کر اس سے میل جول بڑھانا چاہیے۔ میری خواہش تھی کاش میں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ایڈ یلیڈ کے ساتھ بیٹھی ہوتی۔

میں نے پوچھا ''کیا تم میرے ساتھ گھومنے جانا چاہوگی''؟

جارج نے پچھلی سیٹ سے جواب دیا ''یہ پہلی بار تم نے کوئی اچھی بات کی ہے، جلدی مت کرنا''۔ جب ہم گاڑی سے نکل رہے تھے ایڈ یلیڈ اور جارج نے ہنستے ہوئے کہا ''جلدی واپس مت آنا''۔

ہم جھاڑیوں کے پاس کھڑے ٹرک کے ساتھ چلنے لگے۔ میرے دل میں انتقام لینے کا خیال آیا اور میں نے کہا، ''تمھاری ماں سے کافی دیر بات چیت ہوئی ہے''۔

لوئس نے کہا ''میں یہ سوچ سکتی ہوں''۔

''اس نے مجھے اس لڑکے کے بارے میں بتایا جس کے ساتھ پچھلی گرمیوں میں تمھارا تعلق تھا''۔

''اِن گرمیوں میں، پچھلی میں نہیں'' لوئس نے کہا۔

''کیا اس کی منگنی ہوگئی تھی''؟ میں نے پوچھا۔

''ہاں''۔

میں نے اس سے مزید پوچھا ''کیا وہ تمھیں چاہتا تھا''؟

لوئس نے کہا ''میں یہ نہیں کہہ سکتی''۔ اس کی آواز کے بھاری پن سے مجھے اندازہ ہوا، وہ مدہوش ہورہی ہے۔ وہ ماں اور بچوں کو پسند کرتا تھا مگر مجھے نہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

وہ گھومنے تو تمھارے ساتھ جاتا تھا۔

وہ صرف گرمیوں کا موسم میرے ساتھ گزارا کرتا تھا۔ ساحل کی طرف سے آنے والے اکثر لڑکے ایسا ہی کرتے ہیں۔ وہ یہاں ڈانس پارٹی کے لیے آتے ہیں اور اپنے ساتھ گھومنے پھرنے کے لیے لڑکی تلاش کرتے ہیں۔

میں یہ اس لیے کہہ سکتی ہوں کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتا تھا، وہ مجھے کہتا تھا کہ تم ایک بُری لڑکی ہو۔ تم جانتی ہو تمھیں ان لڑکوں کا ہمیشہ شکر گزار رہنا ہوگا ورنہ یہ تمھیں بھی ایک گھٹیا لڑکی کہیں گے۔

بات مکمل ہوتے دیکھ کر میں نے اس سے پوچھا ''کیا تم اسے پسند کرتی تھی''؟

''ہاں یقیناً، مجھے کرنا بھی چاہیے تھا۔ کیا مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا؟ میں گھٹنوں کے بل جھک کر اس کا شکریہ ادا کرتی تھی۔ میری ماں بھی ایسا ہی کرتی تھی جب وہ اس کے لیے سستے اور پرانے تحائف لایا کرتا تھا''۔

میں نے پوچھا ''کیا یہ تمھاری زندگی میں آنے والا پہلا لڑکا تھا''؟

''کیا تمھارا مطلب ہے کہ میری زندگی میں ہمیشہ رہنے والا پہلا لڑکا''؟

''شاید وہ نہیں تھا''۔ ''تم کتنے سال کی ہو''؟ (میں نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا)

اس نے جواب دیا ''میں تقریباً سترہ سال کی ہوں۔ میں اٹھارہ یا انیس سال کی لگتی ہوں۔ میں شراب بھی خرید سکتی ہوں۔ ایک بار میں نے خریدی تھی''۔

''تم اسکول میں کس کلاس میں ہو''؟ میں نے پوچھا۔

اس نے حیران کن نظروں سے مجھے دیکھ کر کہا ''کیا تمھیں اب بھی لگتا ہے کہ میں اسکول جاتی ہوں''؟ میں دو سال پہلے اسکول چھوڑ کر ٹاؤن میں دستانوں کی ایک فیکٹری میں ملازمت کرتی ہوں۔

''جب تم نے اسکول چھوڑا تو کیا یہ قانون کے خلاف نہ تھا''؟

''اوہ نہیں، اگر آپ کی زندگی میں کوئی حادثہ پیش آ جائے تو آپ کو اس کی اجازت مل جاتی ہے۔ جیسے کہ میرا باپ مر گیا تھا''۔

میں نے پوچھا ''دستانے بنانے والی فیکٹری میں تم کون سا کام کرتی ہو؟''

''میں ایک مشین چلاتی ہوں۔ یہ سلائی مشین کی طرح ہے۔ جلد ہی میں ٹکڑے جوڑنے کا کام کرنے لگوں گی۔ اس سے میری تنخواہ میں اضافہ ہو جائے گا''۔

''کیا تمھیں یہ کام پسند ہے''؟

''میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ کام مجھے پسند ہے۔ یہ میری ملازمت ہے۔ تم بہت سوال کرتی ہو''؟

''کیا تم نے بُرا محسوس کیا ہے''؟

''اس کی آواز پھر سے دھیمی ہوگئی اور اس نے کہا ''میں تمھیں جواب دینے کی پابند نہیں ہوں سوائے اپنی مرضی کے''۔ اس نے اپنی سکرٹ اٹھائی اور اسے اپنے ہاتھوں پر پھیلا کر کہا ''میری سکرٹ پر بُر آ گئی ہے''۔ وہ جھک کر ایک ایک کر کے اسے نوچنے لگی۔ اس نے مزید کہا ''یہ

میرا ایک اچھا لباس ہے''۔ کیا یہ بُر نشان چھوڑ جائیں گے؟ اگر میں انھیں آہستہ آہستہ کھینچوں تو میرے لباس کے دھاگے خراب نہیں ہوں گے۔

میں نے کہا''تمھیں یہ لباس نہیں پہننا چاہیے تھا۔تم نے یہ کیوں پہنا ہے''؟

اس نے بُر کھینچتے ہوئے اپنی سکرٹ کو ہلا کر کہا''میں نہیں جانتی، میں بس تم لوگوں کو یہ دکھانا چاہتی تھی۔ میرے پاس گھر میں ایک نقلی کشمیری سویٹر بھی ہے۔ میں نے یہ بارہ ڈالر کا خریدا تھا۔ میں نے اگلی سردیوں کے لیے ایک فرکوٹ بھی خریدا ہے جس کی قیمت میں ابھی ادا کر رہی ہوں''۔

میں نے کہا''یہ اچھی بات ہے میرے خیال میں اگر لوگوں کے پاس چیزیں ہوں تو یہ بہت اچھی بات ہے''۔

اس نے اپنی سکرٹ چھوڑی اور میرے منہ پر تھپڑ مارا یہ ہم دونوں کے لیے ایک پُر سکون احساس تھا، ہم جانتے تھے ہم دونوں کے درمیان ایک لڑائی سی ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کی طرف رُخ کیا۔ اس نے پھر سے مجھے مارنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور جواباً اس کو تھپڑ رسید کیا۔ ہمارے درمیان کچھ تھا، وہ دور ہو گیا مگر یہ لمحہ بہت جلدی گزر گیا۔ ہم نے بغیر ہلے ایک گہری سانس لی اور اگلے لمحے ہمارے درمیان نفرت کی کیفیت ختم ہو گئی ہم ایک دوسرے کو چومنے لگے۔ یہ میرے لیے پہلا تجربہ تھا جب میں نے بلا جھجک کسی کو چوما تھا۔ ہنستے ہوئے مجھ سے دور ہو کر اس نے وہیں سے گفتگو کا آغاز کر دیا، جیسے ہمارے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''کیا یہ مزے کی بات نہیں۔تم جانتی ہو تمام سردیاں لڑکیاں پچھلی گرمیوں میں ان سے ملنے والے لڑکوں کی باتیں کرتی رہتی ہیں، مجھے یقین ہے انھیں ان لڑکیوں کے نام بھی یاد نہیں رہتے ہوں گے''۔ میں اس کے اندر نفرت کے علاوہ ایک نیا جذبہ اور احساس محسوس کرنے کے بعد مزید باتیں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی''کیا یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ہم جا سکیں''؟

''اگلے کھیتوں میں ایک گودام ہے، وہ اس جگہ کو اچھی طرح جانتی تھی، کیوں کہ وہ یہاں پہلے بھی آ چکی تھی''۔

آدھی رات گزارنے کے بعد ہم واپس ٹاؤن میں آئے، پچھلی سیٹ پر ایڈیلیڈ اور جارج سو چکے تھے۔ لوئس کی آنکھیں بند تھیں وہ خاموش تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ جاگ رہی ہے۔

میں نے کچھ ایسا پڑھا تھا جس کے بارے میں وہ نہیں جانتی تھی۔ میں اُسے اس بارے میں بتانے والی تھی پھر میں نے سوچا اسے لاطینی الفاظ کا علم نہیں ہوگا اور وہ یہ سوچے گی کہ میں اس سے برتر ہونے کا دکھاوا کر رہی ہوں۔ کچھ وقت کے بعد مجھے خیال آیا کاش میں نے اسے یہ بتا دیا ہوتا تو وہ جان جاتی۔

اب ہم تھک بھی چکے تھے اور سردی بھی بڑھ چکی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ گھاس پھونس کو ایک طرف کرتے ہوئے ہم گودام سے باہر آئے تو دیکھا چاند چھپ چکا ہے مگر کھیت وہیں تھا، چنار کے درخت اور ستارے بھی وہیں تھے۔ یہ سب ہونے کے بعد ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ مگر ہم اب بھی وہیں تھے جہاں سے یہ سفر شروع ہوا تھا۔ ہم واپس کار کی طرف جا رہے تھے جہاں ایڈیلیڈ اور جارج سو رہے تھے۔ یہ جو ہے سو ہے، اداس اور دُکھ بھرا۔

یہ خوش گوار تجربہ میرے لیے پہلی مرتبہ تھا، کیا اس لیے ایسا ہوا کہ میں نشے میں تھی؟ نہیں یہ لوئس کی وجہ سے تھا۔ کچھ لوگ محبت میں محدود رہتے ہیں جب کہ باقی بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ جو کسی عظیم انسان کی طرح ہر طرح سے ہتھیار پھینک دیتے ہیں اور لوئس اس محبت کی دیوی کی طرح مجھ سے دور کار کی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ وہ سرد مہر اور ہڑبڑائی اپنے خول میں پھر سے بند ہو چکی تھی۔ وہ سب کچھ جو میں اس سے کہنا چاہتی تھی میرے دماغ میں گھوم رہا تھا، جیسے ''میں پھر تم سے ملنے آؤں گی، مجھے یاد رکھنا، میں تم سے پیار کرتی ہوں، مگر میں ان میں سے کچھ بھی نہ کہہ سکی، میں نے سوچا میں اگلا درخت آنے سے پہلے کچھ کہوں گی، اب اگلا ٹیلی فون پول آنے سے پہلے کچھ کہوں گی، مگر میں کچھ نہ کہہ سکی۔ میں صرف تیزی سے گاڑی چلا رہی تھی اور ٹاؤن ہمارے قریب آتا جا رہا تھا۔ گہرے درختوں سے آگے سڑک کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ہلچل ہوئی۔

''جارج نے پوچھا،'' کیا وقت ہوا ہے''؟

''بارہ بج کر بیس منٹ''۔

''ہم نے یقیناً بوتل ختم کر دی ہوگی۔ میں اچھا محسوس نہیں کر رہا، اوہ خدا! میں بالکل بھی اچھا محسوس نہیں کر رہا، تم بتاؤ، کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

''ٹھیک''۔

''ٹھیک؟ کہیں تم نے ایسا محسوس کیا ہے جیسے آج کی رات تمھاری تعلیم مکمل ہوگئی ہے؟

کیا تم نیند میں ہو؟ میں ہوں''۔

ایڈ یلیڈ نے اونگھتے ہوئے کہا''میں ٹھیک نہیں ہوں، میری بیلٹ کہاں ہے؟ اوہ جارج اب میرا جوتا کہاں گیا؟ آج ہفتے کی رات ہے۔ہم کچھ جلدی نہیں آ گئے؟ ہم کچھ کھانا لینے جا سکتے ہیں؟''

جارج نے کہا''میرا کھانے کا دل نہیں، مجھے سونا ہے اور صبح جلدی اٹھ کر اپنی ماں کے ساتھ چرچ بھی جانا ہے''۔

ایڈ یلیڈ نے بے یقینی سے کہا''ہاں میں جانتی ہوں، مگر پھر بھی تم میرے لیے ایک برگر خرید ہی سکتے ہو''۔

ہم لوئس کے گھر پہنچ چکے تھے جب تک گاڑی نہیں رکی لوئس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ کچھ لمحے ساکن بیٹھی رہی پھر اس نے اپنی سکرٹ سیدھی کی۔اس نے میری طرف نہیں دیکھا۔میں اس کا بوسہ لینے کے لیے آگے بڑھی مگر وہ پیچھے ہٹ گئی۔میں نے محسوس کیا کہ اس اشارے کا آخر کیا مطلب ہے وہ اس طرح کی لڑکی نہیں ہے......؟

جارج نے ایڈ یلیڈ سے پوچھا،''کیا تم یہیں نزدیک کہیں رہتی ہو''؟

''ہاں، میں یہاں قریب ہی رہتی ہوں''۔

''ٹھیک ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم بھی یہیں اُتر جاؤ، ہمیں رات ختم ہونے سے پہلے گھر پہنچنا ہے''۔

جارج نے اُسے چوما اور دونوں لڑکیاں گاڑی سے اُتر گئیں۔میں نے گاڑی آگے بڑھائی۔جارج پچھلی سیٹ پر سونے کے لیے چلا گیا اور پھر ہم نے اپنے پیچھے ایک اداس آواز میں کسی کو کہتے ہوئے سنا،''ہمارے ساتھ سفر کرنے کا شکریہ''یہ ایڈ یلیڈ کی نہیں لوئس کی آواز تھی۔

دفتر

میری زندگی کا مقصد ایک دن مجھے معلوم ہوا جب میں اپنے کپڑے استری کر رہی تھی۔ یہ سادہ اور واضح تھا۔ میں رہائشی کمرے میں گئی جہاں میرے شوہر ٹی وی دیکھ رہے تھے اور میں نے کہا ''میرا خیال ہے مجھے ایک دفتر بنانا چاہیے''۔

مجھے بھی یہ حیران کن لگا۔ دفتر کی کیا ضرورت ہے؟ میرے پاس ایک خوب صورت اور کشادہ گھر ہے جہاں سے سمندر کا نظارہ بھی ہوتا ہے۔ اس میں کھانے، سونے، نہانے اور دوستوں کے ساتھ مل بیٹھنے کی مناسب جگہ ہے۔ میرے پاس باغ بھی ہے۔ جگہ کی کمی نہیں ہے۔

نہیں۔ یہاں یہ انکشاف ہوتا ہے جو میرے لیے آسان نہیں ہے میں ایک مصنفہ ہوں یہ سننے میں مناسب نہیں لگتا۔ یہ بہت غیر مناسب بات ہے جسے کوئی نہیں مانے گا۔ دوبارہ کوشش کرتی ہوں۔ میں لکھتی ہوں یہ بہتر ہے؟ میں لکھنے کی کوشش کرتی ہوں یہ بہت برا محسوس ہوتا ہے۔ منافقانہ عاجزی۔ پھر کیا کروں؟

اس سے فرق نہیں پڑتا پھر بھی میں نے خاموشی توڑتے ہوئے مناسب طریقے سے بات کرنے کی کوشش کی۔ مگر لوگ مہربان ہیں، یہ کتنا اچھا اور دل چسپ ہے کہ وہ کیسے تنہائی زدہ روتے ہوؤں کو سمجھ لیتے ہیں۔ ان کی خاموشی کو جان لیتے ہیں۔ وہ جوش اور جذبے سے پوچھتے ہیں ''تم کیا لکھتی ہو''؟ افسانے، میں شرمندگی کے احساس پر قابو پا کر جواب دیتی ہوں۔ ایک چپقلش جنم لیتی ہے جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مایوسی بھری کچھ آوازیں اُبھرتی ہیں جیسے ان کے پاس تسلی بخش الفاظ کم پڑ گئے ہوں اور صرف یہ کہتے ہیں ''اوہ''۔

''مجھے ایک دفتر کی ضرورت ہے تاکہ میں لکھ سکوں'' میں نے اپنے شوہر سے کہا۔ مجھے فوراً احساس ہو گیا کہ میری بات میں وزن نہیں ہے۔ یہ محض ذاتی خواہش ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں، لکھنے کے لیے آپ کو ایک ٹائپ رائٹر یا کم از کم ایک پنسل، کچھ کاغذ، ایک میز اور کرسی کی ضرورت ہے۔ وہ میرے بیڈ روم میں موجود ہیں اس کے باوجود مجھے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

میں اس بارے میں بھی پُر یقین نہیں ہوں کہ میں اگر دفتر بنالوں تو کیا اس میں بیٹھ کر لکھ سکوں گی۔ ہوسکتا ہے کہ میں بیٹھی رہوں اور محض دیواریں تکتی رہوں۔ یہ پہلو بھی میرے لیے خوش گوار ہے یہ صرف دفتر کا لفظ ہی تھا جس کا سننا ہی میرے لیے باعث توقیر تھا۔ مجھے یہ اہم اور بامقصد لگتا ہے۔مگر میں نے اپنے شوہر کو یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا۔لہٰذا میں نے ایک اور وضاحت دینے کی کوشش کی۔

ایک مرد کے کام کرنے کے لیے گھر مناسب جگہ ہوسکتی ہے، وہ اپنا کام گھر لا سکتا ہے، اس کے لیے مخصوص جگہ کام کرنے کے لیے صاف کی جاتی ہے، گھر کو اس کی ضرورت کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے۔ ہر کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کوئی کام کرتا ہے۔اس سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ فون کا جواب دے۔کھوئی ہوئی چیز تلاش کر کے دے، یہ دیکھے کہ بچے کیوں رو رہے ہیں یا بلی کو کھانا کھلائے۔ وہ اپنا دروازہ بند کر سکتا ہے۔ میں نے کہا ایک ماں کو دروازہ بند کرتے ہوئے تصور میں لاؤ، وہ بھی اس وقت جب بچے جانتے ہوں کہ ماں کمرے میں موجود ہے۔ یہ سوچ ہی ان کے لیے اشتعال انگیز ہوگی۔ایک عورت کا خلا میں تکنا جس میں اس کے بچوں اور شوہر کا تصور نہ ہو قدرت کے خلاف ایک جرم سا ہے۔لہٰذا ایک گھر عورت کے لیے ویسا ہرگز نہیں ہے جیسا مرد کے لیے ہے۔ وہ کوئی ایسا فرد نہیں ہے جو کسی کام کے لیے گھر جائے اور پھر واپس آ جائے۔ وہ خود ایک گھر ہے جسے اس سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

عموماً کسی ایسی چیز کے لیے بحث کرتے ہوئے جو مجھے لگے میرے لیے مناسب نہیں ہے میں اس کے لیے بہت زیادہ جذباتی ہو جاتی ہوں۔بعض اوقات بہار کی برستی اداس لمبی شاموں میں جب ٹھنڈ پڑنا شروع ہوتی ہے اور سمندر پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے۔ میں کھڑکیاں کھول دیتی ہوں اور ایسا لگتا ہے جیسے گھر واپس لکڑی اور پلاسٹر میں تبدیل ہو گیا ہو اور میں بے نقاب ہو کر خالی ہاتھ رہ گئی ہوں۔مگر یہ احساس مجھے آزادی بھی دیتا ہے اور میں گہری تنہائی کو برداشت کرنے کی سکت رکھتی ہوں۔ پھر مجھے احساس ہوتا ہے کہ اس گھر نے مجھے پناہ دی ہے مگر یہ مجھے بوجھل کرتا ہے اور پابندیوں کا احساس بھی دلاتا ہے۔

اس کے آخر میں میرے شوہر کے پاس کہنے کو صرف یہ تھا'' کوشش کر لو اگر تمھیں کوئی سستا دفتر مل جاتا ہے''۔ وہ میری طرح نہیں ہے اسے ہر بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اس کو اکثر یہ کہتے سنیں گے کہ ایک انسان کا دل بند کتاب کی طرح ہوتا ہے اور اسے یہ کہنے کا

افسوس بھی نہیں ہے۔شاید دل میں کہیں مجھے یہ گماں ہو رہا تھا کہ نامناسب طریقے سے میری خواہش کو پورا کیا گیا ہے۔ میں اس سے بھی آسانی سے ایک مہنگے کوٹ اور ہیروں کے ہار کی خواہش کرسکتی تھی۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی عورتیں خواہش کرتی ہیں۔ میرے ارادوں کو جانتے ہوئے میرے بچوں نے اپنے شکوک وشبہات اور لاپروائی کا اظہار کیا۔ بہرحال جہاں میں رہتی ہوں وہاں سے دو بلاک نیچے میں شاپنگ سنٹر گئی۔ جہاں میں کئی مہینوں سے ایک عمارت جس میں پالراور ادویات کا اسٹور تھا اس کی کھڑکی پر لگے''کرائے کے لیے خالی ہے'' کا اشتہار لگا دیکھ رہی تھی۔جیسے میں سیڑھاں چڑھی تو ایک بےیقینی کی کیفیت تھی۔ دفاتر کے لیے کرائے پر رہنا مشکل کام ہے۔کوئی بھی کسی خالی جگہ پر محض دروازے پر دستک دے کر دروازہ کھلنے کا انتظار نہیں کرتا۔ اس کا طریقۂ کار رہوتا ہے۔مزید یہ کہ وہ رقم کا مطالبہ بھی کرتے ہیں۔

مجھے دروازہ بھی کھٹکھٹانا نہ پڑا۔ ان خالی دفاتر میں سے ایک عورت ویکیوم کلینر کے ساتھ عمارت کے رہائشی گھر کی طرف جانے کے لیے نکلی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس رہائشی گھر میں رہتی تھی۔اس کا نام میلے تھا۔ وہ اس عمارت اور اس میں موجود دفاتر کے مالک تھے۔اس نے مجھے بتایا کہ وہ جو کمرا صاف کر کے آئی ہے وہ ایک دندان ساز کا دفتر بننے والا ہے لہٰذا یہ اب میرے کام کا نہیں۔مگر وہ مجھے کوئی اور دفتر کرائے کے لیے دکھا سکتی ہے۔اس نے ویکیوم نیچے رکھا، چابی نکالی اور مجھے گھر آنے کی دعوت دی۔اس نے کہا کہ اس کا شوہر گھر پر نہیں ہے۔

مسز مَیلے سیاہ بالوں والی خوش شکل لگ بھگ چالیس سال کی عورت تھی۔ وہ نسوانیت سے معمور تھی۔اس نے تیز سرخی لگا رکھی تھی اور گلابی چپل اپنے سوجھے پاؤں میں پہن رکھی تھی۔ وہ کم گو، تھکی تھکی اور خاموش دکھائی دیتی تھی جس سے اس کے بدمزاج فربہ مائل شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کا صاف پتا چلتا تھا۔اس میں سے کیا پہلی نظر میں بانپا اور کتنا بعد میں اندازہ لگایا یہ بتانا ممکن نہیں ہے۔اس کی زندگی میں تناؤ کی وجہ جو بھی ہو مگر اس بارے میں غلط نہیں ہوسکتی کہ اس کی اولاد نہیں ہوگی۔

جس کمرے میں میں انتظار کر رہی تھی وہ دکھنے میں رہائشی کمرا اور دفتر دونوں لگ رہے تھے۔میری پہلی نظر جس چیز پر پڑی وہ میز پر پڑے مختلف چیزوں جیسے کہ جہاز، بادبانی کشتیاں اور کوئین میری کے نمائشی نمونے، کھڑکی اور ٹی وی تھے۔ جہاں یہ نمائشی نمونے نہیں تھے گملوں میں پودے اور مردوں کی پسندیدہ نمائشی چیزیں تھیں جیسا کہ ہرن کا سر، کانسی کا گھوڑا اور چاندی کی بڑی

چمک دار راکھ دان۔ دیواروں پر فریم، تعلیمی ڈپلومے اور اسناد تھیں۔ ایک تصویر میں کتا اور کتیا اپنے لباس میں دکھائے گئے تھے۔ جس کو پیار اور محبت کی علامت کہا جا سکتا ہے۔ مجھے یہ جان کر تھوڑی مایوسی اور شرمندگی محسوس ہوئی کہ اس تصویر کے نیچے ''پرانے دوست'' لکھا ہوا تھا۔ اس کمرے کی سب سے نمایاں تصویر سنہری فریم میں پڑی تھی، یہ ایک خوب صورت درمیانی عمر کے بھورے بالوں والے آدمی کی تصویر تھی جو ایک میز کے پیچھے کاروباری لباس پہنے بیٹھا تھا اور واضح طور پر خوش حال اور متاثر کن دکھائی دیتا تھا۔ میں خود سے یہ اندازہ لگا رہی تھی کہ اس تصویر میں موجود شخص کچھ بے چین دکھائی دیتا تھا جیسے اسے خود پر بھروسہ نہ ہو اور وہ دکھاوا کر رہا ہو۔

خیر مَیلے کی بات چھوڑو۔ جیسے ہی میں نے مسز میلے کا دکھایا ہوا دفتر دیکھا، مجھے پسند آ گیا۔ یہ میری ضرورت سے بڑا تھا اور ایک ڈاکٹر کے کلینک یا دفتر کے لیے مناسب تھا۔ مسز میلے نے افسوس بھری آواز میں کہا ہمارے پاس یہاں ایک مہروں کا ڈاکٹر تھا جو اَب چلا گیا ہے۔ دیواریں ٹھنڈی تھیں۔ سفید ہونے کی وجہ سے آنکھوں کو چندھیا رہی تھیں۔ کیوں کہ یہ ایک ڈاکٹر کے لیے نہیں تھا۔ مسز میلے کو میں نے ماہانہ پچیس ڈالر کی پیش کش کی تو اس نے کہا وہ اپنے شوہر سے بات کر کے بتائے گی۔

اگلی بار جب میں آئی تو میری ملاقات مسٹر میلے سے ہوئی۔ انھوں نے میری پیش کش قبول کر لی۔ میں نے یہ بات وضاحت سے بتائی کہ میں اپنا دفتر معمول سے ہٹ کر ہفتہ وار یا کبھی کبھی شام میں کھولا کروں گی یہ بات میں نے پہلے مسز مَیلے کو بھی بتا دی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں یہ دفتر کیوں بنانا چاہتی ہوں تو میں نے اسے بتا دیا کہ میں ایک مصنفہ ہوں، یہ سوچے بغیر کہ شاید مجھے یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ میں نے سٹینوگرافی کر رکھی ہے۔

''اوہ، تم ایک مصنفہ ہو''اس نے خوش گوار انداز میں کہا۔

''جی ہاں، میں ایک مصنفہ ہوں''۔

مسٹر مَیلے نے مزید کہا ''پھر ہم اپنی پوری کوشش کریں گے کہ تم یہاں پُرسکون رہو۔ میں خود بھی ایک مشغلہ پسند انسان ہوں۔ یہ تمام نمائشی نمونے جو تم دیکھ رہی ہو یہ سب میرے مشاغل ہیں جو ذہنی اور جسمانی سکون کا باعث بھی ہیں۔ لوگوں کو اپنی ذہنی ورزش کے لیے کسی کام کی ضرورت پڑتی ہے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم بھی میری ہم خیال ہو۔

میں نے متفق ہو کر کہا، کچھ تو ملتا ہے۔ اس بات سے میں نے خوشی محسوس کی کہ اس نے

میرے جذبات کو تاریکی میں بھی بھانپ لیا۔ جیسا میں توقع کر رہی تھی۔ مگر اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ تم نے اپنے شوہر سے اجازت لے لی ہے؟ اور تمھارے بچوں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ دس یا شاید پندرہ سال کا فرق تھا مگر یہ شخص تصویر میں نظر آنے والے شخص سے یک سر مختلف نظر آتا تھا۔ یہ اب فربہ ہو چکا تھا۔ بالوں اور آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی، چہرے کے نقوش مدہم ہو گئے تھے۔ وہ اپنی جسمانی تر و تازگی کھو بیٹھا تھا۔ میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ میرا مقصد صرف اپنے دفتر کا حصول تھا نہ کہ لوگوں کے بارے میں معلومات لینا۔

ہفتہ وار میں نے اپنے دفتر کا آغاز کر دیا تھا اور اس مقصد کے لیے کسی دوست یار رفیق کی کوئی خدمات نہ لیں۔ میں اپنے ساتھ ٹائپ رائٹر، ایک میز اور کرسی لے آئی ایک چھوٹی میز جس پر میں نے ایک کیتلی، چمچ، کافی کا سامان اور ایک مگ رکھا، یہ میرے دفتر کا مکمل سامان تھا۔ میں کم سامان اور دفتر کی خالی دیواروں سے مطمئن تھی۔ چیزوں کی کمی کی وجہ سے مجھے دفتر کی صفائی کرنا مشکل نہ رہا تھا۔

یہ نظارہ مسٹر مَیلے کے لیے خوش کن نہ تھا۔ جیسے ہی میں نے اپنا دفتر منظّم کیا اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ وہ کچھ باتیں واضح کرنا چاہتا ہے اس نے کمرے کے باہر والی لائٹ، کھڑکی کے باہر سائبان اور ہیٹر کے بارے میں استفسار کیا جن کی مجھے ضرورت نہ تھی۔ اس نے ہر چیز کو پراسراریت سے دیکھ کر کہا کہ یہ جگہ کسی عورت کے لیے مناسب نہیں ہے۔

''یہ میرے لیے بالکل مناسب ہے'' میں نے اس حوصلے سے نہیں کہا جس سے کہنا چاہتی تھی، کیوں کہ میں لوگوں کو ان کی صحیح جگہ پر رکھتی ہوں۔ بعض اوقات میں ایسے لوگوں کے ساتھ شائستگی سے پیش آتی ہوں اس ناکام امید کے ساتھ کہ یہ مجھے اکیلا چھوڑ دیں گے۔

مسٹر مَیلے نے کہا ''جب تم لکھنے کے لیے کچھ سوچنا چاہو تو تمھیں ایک آرام دہ کرسی کی ضرورت ہوگی۔ جب سے میری ماں گزری ہے ہر طرح کا سامان جو اس نے چھوڑا ہے تہہ خانے میں موجود ہے۔ اس میں ایک آرام دہ کرسی بھی ہے۔ وہاں ایک کونے میں قالین بھی تہہ لگا کر رکھا ہوا ہے جو کسی کے استعمال میں نہیں ہے۔ ہم وہ سارا سامان یہاں ترتیب دے سکتے ہیں تا کہ یہ جگہ تمھارے لیے گھر جیسی بن جائے۔

مجھے یہ ایسے ہی پسند ہے (میں نے کہا)۔

''اگر تمھیں کچھ پردوں کی ضرورت ہے تو میں اس کی قیمت دے دوں گا۔ اس جگہ کو

رنگوں کی ضرورت ہے۔ مجھے خوف ہے اگر تم یہاں ایسے ہی رہی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔

میں ہنسی اور کہا ''ارے نہیں مجھے یقین ہے میں بیمار نہیں ہو سکتی''۔

''اگر تم ایک مرد ہوتی تو اور بات تھی۔ تمھیں آرام دہ چیزوں کی ضرورت ہے کیوں کہ تم ایک عورت ہو''۔ اس کے چہرے پر موجود عورتوں کو کمزور سمجھنے والے تاثر کو نظر انداز کرنے کے لیے میں اٹھی اور کھڑکی کے پاس جا کر پردے پیچھے کر کے نیچے گلی میں جھانکنا شروع کر دیا۔ میں سخت لہجے میں کہنا چاہتی تھی مگر میں نے بزدلانہ انداز میں کہا ''مسٹر میلے مجھے اس بارے میں مزید پریشان مت کیجیے، میں کہہ چکی ہوں یہ میرے لیے مناسب ہے۔ میں جو چاہتی ہوں وہ سب اِدھر موجود ہے۔ جو کچھ بھی آپ نے میرے لیے کہا اس کا شکریہ''۔

اس کے جواب میں جو اُس نے کہا وہ مجھے شرمندہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے بات کو مختصر کرتے ہوئے قدرے اداسی سے کہا ''میں تمھیں پریشان کرنے کے بارے سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں یہ تمام مشورے یا تجاویز صرف تمھارے بھلے کے لیے دے رہا تھا۔ اگر میں تمھاری جگہ ہوتا تو کچھ وقت پہلے ہی یہاں سے جا چکا ہوتا''۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے خود کو پہلے سے بہتر محسوس کیا۔ بے شک میں ابھی تک اس جیت پر شرمندہ تھی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کبھی نہ کبھی مجھے مسٹر مَیلے کی حوصلہ شکنی کرنی تھی اور یہی بہتر تھا یہ میں نے شروع میں ہی کر دی۔ اگلے ہفتے اس نے میرے دروازے پر دستک دی۔ اس کے چہرے کے ہتک آمیز تاثرات مزید مضحکہ خیز ہو چکے تھے۔ دوسرے الفاظ میں مجھے یقین نہیں تھا، یہ میرا گماں تھا۔

اس نے کہا ''میں تمھارا زیادہ وقت نہیں لوں گا میرا مقصد تمھیں پریشان کرنا نہیں ہے۔ میں تمھیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں شرمندہ ہوں۔ میں نے پچھلی بار تمھیں اشتعال دلایا تھا جس کی میں معذرت چاہتا ہوں۔ اگر تم قبول کر لو تو میں تمھارے لیے چھوٹا سا تحفہ لایا ہوں''۔

وہ ایک پودا لایا تھا جس کا نام مجھے معلوم نہیں۔ اس کے گھنے چمک دار پتے تھے، یہ گملے سے باہر گلابی رنگ کی چاندی کی تار سے سجا ہوا تھا۔

''میں اسے یہاں رکھ دیتا ہوں''۔ اس نے اس پودے کو میرے کمرے میں ترتیب سے رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمھارے ساتھ تعلق خراب نہیں کرنا چاہتا، میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں اور میں نے سوچا شاید تم سجاوٹ کو قبول نہ کرو گی مگر ایک چھوٹا سا گملا کیا کہتا ہے۔ یہ تمھارے دفتر کو خوب صورت بنا دے گا''

اس لمحے میرے لیے یہ بتانا ممکن نہیں تھا کہ مجھے اس پودے کی ضرورت نہ تھی۔ مجھے گھروں میں پودے رکھنا پسند نہیں ہے۔اس نے مجھے بتایا کہ اس پودے کا خیال کیسے رکھنا ہے اور اسے روزانہ کتنی بار پانی دینا ہے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ میں اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتی تھی؟ مجھے ایک ناخوش گوار سا احساس ہو رہا تھا۔ جو اس کے معافی مانگنے اور تحفہ دینے کی وجہ سے تھا اور وہ اس سے کافی حد تک واقف اور مطمئن تھا۔ وہ اپنی گفتگو میں بڑے جذبات،غصہ دلانے اور معافی مانگنے والے الفاظ استعمال کرتا رہا۔ میں نے یہ سوچا اور اسے ایک بار روکنے کی کوشش بھی کی کہ میں اسے بتا سکوں کہ اس وقت میری زندگی میں اس کے اور میرے درمیان اچھے اور برے جذبات معنی نہیں رکھتے بل کہ درحقیقت یہ ضروری ہی نہیں کہ ہمارے درمیان کوئی جذبات ہوں۔ مگر مجھے یہ سب بے سود لگ رہا تھا۔ میں سرِ عام گھلنے ملنے کی خواہش کا مقابلہ بھلا کیسے کر سکتی ہوں۔اس کے ساتھ ساتھ وہ پودا مجھے اُلجھن میں ڈال رہا تھا۔

ہمارے درمیان تمام اختلافات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے کہا'' لکھنے کا کام کیسا جا رہا ہے''؟''اوہ!معمول کے مطابق''(میں نے جواب دیا)۔

''خیر اگر تمھارے پاس لکھنے کے لیے کسی چیز کی کمی ہو تو میں تمھاری مدد کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے میں تمھارا وقت ہی ضائع کر رہا ہوں''۔اس نے اپنی گفتگو میں تھوڑا توقف کرتے ہوئے کہا۔

یہ ایک امتحان تھا جس میں میں پاس نہ ہوئی۔ میں مسکرائی،میری آنکھیں اس شان دار پودے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے''۔

''میں اس ہڈی اور جوڑ کے ڈاکٹر کے بارے سوچ رہا تھا جو تم سے پہلے یہاں موجود تھا۔تمھیں اس کے بارے میں کتاب لکھنی چاہیے''۔

میرے ہاتھ لکھنا چھوڑ گئے اور میں اس کی بات سننے لگی۔ بزدلی اور بے حسی ایک طرف تجسس میری ذات کا ایک اور حصہ ہے۔

''اس کا کام یہاں اچھا چل رہا تھا۔مگر مسئلہ یہ تھا کہ مہروں کے بارے میں جو کچھ کتابوں میں درج تھا وہ ڈاکٹر اس سے بڑھ کر کچھ چاہتا تھا۔ میں اس کے جانے کے بعد یہاں آیا اور بھلا میں نے کیا پایا۔''صدا نہ گزرا!''اس پورے کمرے میں آواز کا خروج اور دخول ممکن نہ تھا اس وجہ سے وہ کسی کو تنگ کیے بغیر اپنے طریقے سے مریضوں کا علاج جاری رکھتا تھا۔ وہ یہی کمرا

ہے جہاں بیٹھی تم اپنی مرضی کی کہانیاں لکھ رہی ہو۔ ہمیں اس کے بارے میں پہلی بار یوں معلوم ہوا کہ ایک دن ایک عورت نے میرے دروازے پر دستک دی اور مجھے اس کے دفتر کی چابی دینے کا کہا۔ اس ڈاکٹر نے اس عورت پر اپنے دفتر کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ڈاکٹر اس عورت کا علاج کرتے تھک گیا ہوگا۔ وہ ایک نوجوان تھا مگر میں تمھیں کیا بتاؤں کہ اس کی ایک نوجوان بیوی اور خوب صورت بچے بھی تھے جنھیں تم دیکھنا چاہو گی؟ اس دنیا میں اچھے اور برے دونوں لوگ پائے جاتے ہیں۔ جس عورت پر اس ڈاکٹر نے اپنے دفتر کا دروازہ بند کر دیا تھا وہی اس کی بیوی تھی''۔

مجھے یہ سمجھنے میں کچھ وقت لگا کہ وہ مجھے یہ کہانی نہیں سنا رہا تھا بل کہ اس انداز سے یہ واقعہ بتا رہا تھا کہ سننے والے کو یہ دل چسپ لگے۔ اس کے ذہن میں تحریروں اور فحش باتوں میں مختصر سا ابہام تھا۔ یہ بات اتنی فضول اور بچگانہ تھی کہ مجھے اس کا جواب دینا بھی فضول محسوس ہوا۔ میں جان گئی تھی کہ مجھے اس کے لیے نہیں بل کہ اپنے لیے جواب دینا ہوگا۔ یہ سوچنا میری غلطی تھی کہ تھوڑے سے کھردرے پن سے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔

اگلا تحفہ ایک چائے کا برتن تھا۔ میں نے بار ہا بتایا کہ میں صرف کافی پیتی ہوں اور اس کو کہا کہ یہ تحفہ وہ اپنی بیوی کو دے دے۔ اس نے کہا کہ دماغی اعصاب کے لیے چائے بہتر ہے اور یہ کہ وہ جان گیا تھا کہ میں اسی کی طرح مضطرب انسان ہوں۔

چینک سنہری رنگ کی تھی جس پر پھول بنے تھے۔ یہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر میں جانتی تھی کہ یہ مہنگا تحفہ ہے۔ میں نے اسے اپنی میز پر رکھ دیا۔ میں اس پودے کا بھی خیال رکھ رہی تھی جو میرے کمرے میں موجود تھا۔ میں اور کیا کرتی۔ میں نہیں جانتی تھی۔ وہ میرے لیے ایک کوڑا دان لے کر آیا جس کی آٹھوں اطراف میں چینی نارنگی لگی تھیں۔ پھر وہ میرے لیے کرسی پر رکھنے والا نرم کُشن بھی لایا۔ میں اس کے اس روّیے کے آگے خاموش رہتی اور خود کو ادنیٰ محسوس کرتی۔ مجھے اصل میں اس پر افسوس نہیں تھا بل کہ میں اس کے اس روّیے پر ردِّعمل دینے سے قاصر تھی۔ وہ خود بھی یہ جانتا تھا کہ میری یہ برداشت اس کے تحائف کے مرہونِ منت ہے۔ اسے میرے روّیے سے نفرت بھی ہوگئی ہوگی۔

آج اِسے میرے دفتر آئے کافی وقت ہو چکا تھا تو اس نے مجھے اپنے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ مجھے اپنی زندگی کے بارے میں اس لیے بتا رہا ہے کہ میں

اس کے بارے میں لکھوں گی۔ یقیناً اس نے بہت سے لوگوں کو اپنی زندگی کے بارے میں بغیر کسی وجہ کے بتایا ہوگا۔ مگر میرے معاملے میں اس کو اشد ضرورت معلوم ہوتی تھی۔ اس کی زندگی ہر آدمی کی طرح آزمائشوں سے بھری تھی۔ اس نے اپنے قابل بھروسہ لوگوں سے مایوسی کا سامنا کیا تھا۔ اسے ان لوگوں نے مدد کرنے سے انکار کیا تھا جن پر اسے بھروسہ تھا۔ اسے ان لوگوں نے ہی دھوکہ دیا تھا جن پر وہ کبھی مہربان رہا تھا اور اس نے ان کی مالی مدد بھی کی تھی۔ باقی عام اور اجنبی لوگوں نے بھی اسے اذیت دی تھی۔ مختلف موقعوں پر اسے جان کا خطرہ رہا تھا۔ مزید اس کی بیوی بھی اس کے لیے پریشان کن تھی۔ وہ بیمار تھی۔ اس کا مزاج غیر یقینی تھا۔ وہ کیا کرے؟ اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا تم دیکھ رہی ہو کہ سب کیسا ہے۔ میں ساکن رہی۔ اس نے میری طرف ہاں میں سر ہلانے کی امید سے دیکھا۔

میں اپنے پنجوں کے بل سیڑھیاں چڑھتی تھی۔ بغیر کسی شور کے چابی نکالنے کی کوشش کرتی تھی۔ بلاشبہ یہ بے وقوفی تھی کیوں کہ میں اپنا رائپ رائٹر تو نہیں چھپا سکتی تھی۔ میں نے ٹائپ رائٹر کی بجائے ہاتھ سے لکھنے کا بھی سوچا اور بارہا یہ خواہش کی کہ اس ہڈیوں کے ڈاکٹر کی طرح میرے کمرے سے بھی آواز باہر نہ جائے۔ میں نے اپنے شوہر کو اس پریشانی کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا یہ تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اس نے کہا ''اسے کہہ دیا کرو کہ تم مصروف ہو''۔ سچ تو یہ تھا کہ ہر بار جب وہ میرے دروازے پر آیا اور کوئی تحفہ لایا اور مجھ سے پوچھا یہ کیسا ہے۔ ہمیشہ میں اسے کہتی آج میں مصروف ہوں۔ مگر وہ دروازے سے داخل ہوتے ہوئے کہتا کہ وہ میرا زیادہ وقت نہیں لے گا۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا وہ یہ جانتا تھا کہ میرے دماغ میں کیا چل رہا ہے اور یہ کہ میں اس سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔ یہ جاننے کے باوجود بھی وہ پروانہ کرتا تھا۔

ایک شام جب میں گھر کے لیے نکل آئی تو مجھے یاد آیا کہ میں ایک خط جو مجھے پوسٹ کرنا تھا دفتر چھوڑ آئی ہوں میں اسے لینے واپس گئی۔ باہر گلی سے میں نے دیکھا کہ میرے دفتر کی لائٹ جل رہی تھی۔ پھر میں نے اسے اپنی میز پر جُھکا ہوا دیکھا۔ جو میں نے لکھا تھا وہ اسے پڑھنے آیا ہوگا۔ اس نے دروازے پر میری آہٹ سن لی اور میں جب آئی تو وہ کوڑا دان سے یہ کہتے ہوئے کوڑا اٹھانے لگا کہ میں یہ سمجھوں وہ میرے کمرے کی صفائی کرنے آیا ہے۔ وہ فوراً باہر چلا گیا۔ میں نے کچھ نہ کہا مگر میں غصے سے کانپ رہی تھی۔ اس کا فوراً ایک معقول وجہ تلاش کر لینا میرے لیے حیرت انگیز اور ناقابل برداشت تھا۔

اگلی مرتبہ جب وہ میرے دروازے پر آیا تو میں نے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ میں جانتی تھی کہ یہ اس کے قدموں کی آہٹ ہے اور وہ دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔ میں ایک لمحے کے لیے رکی اور پھر لکھنے میں مصروف ہوگئی تا کہ وہ جان لے میں اس کی آمد سے باخبر ہوں۔ اس نے میرا نام پکارا جیسے میں مذاق میں دروازہ بند کیے بیٹھی ہوں، میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمیشہ کی طرح بلاوجہ مجھے شرمندگی ہوئی مگر میں نے اپنا کام جاری رکھا۔ اس دن میں نے دیکھا کہ پودے کی جڑیں خشک ہوگئی ہیں مگر میں نے اسے ایسے ہی رہنے دیا۔

اس کے بعد جو ہوا میں اس کے لیے تیار نہ تھی۔ میں نے اپنے دروازے پر ایک نوٹس لگا دیکھا جس پر لکھا تھا کہ مسٹر میلے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں فوراً چلی گئی۔ وہ اپنے اختیارات مجھ پر واضح کرتا اپنے دفتر میں براجمان تھا۔ اس نے ایک فاصلے سے مجھے دیکھا۔ اس مرتبہ وہ مجھے ایک نئے افسوس ناک انداز سے دیکھ رہا تھا۔ یہ شرمندگی اسے اپنے آپ سے نہیں بل کہ میرے لیے تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا کہ جب اس نے مجھے دفتر دیا تو اسے معلوم تھا کہ میں ایک لکھاری ہوں۔

''میں نے فن کاروں اور لکھاریوں کے بارے جو سنا تھا وہ بہت اچھا نہیں تھا۔ مگر میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ تم جانتی ہو میں کیا کہنا چاہتا ہوں''۔

یہ کچھ مختلف رویہ لگ رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا آگے کیا ہوگا۔

''جب تم میرے پاس آئی اور کہا مسٹر مَیلے مجھے لکھنے کے لیے جگہ چاہیے تو میں نے تمھارا یقین کیا اور تمھیں دفتر سونپ دیا۔ میں نے کوئی سوال نہیں پوچھا۔ میں اسی طرح کا شخص ہوں۔ تم جانتی ہو کہ جتنا میں اس بارے میں سوچتا ہوں میری پریشانی بڑھتی ہے''۔

''کیسی پریشانی''؟ میں نے کہا۔

''تمھارا رویہ بھی میرے ذہن کو اُلجھا رہا ہے۔ اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لینا اور دروازے پر دستک کا جواب نہ دینا ایک عام انسان کا غیر معمولی رویہ ہے۔ خاص طور پر جب چھپانے کے لیے بھی کچھ نہ ہو۔ ایک نوجوان عورت جب یہ کہے کہ اس کا شوہر اور بچے ہیں اور وہ اپنا وقت ٹائپ رائٹر پر گزارنا چاہتی ہے یہ تو یقیناً غیر معمولی ہے''۔

''مگر میرا نہیں خیال کہ......''

اس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش کرا دیا ''میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ

تم میرے ساتھ کھل کر بات کرو۔ میرے خیال میں مجھے اس کا استحقاق ہے۔ اگر تم اس دفتر کو کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرتی ہو اور اپنے دوست یا کسی کو ملنے کے لیے بلاتی ہو تو تم یہ کر سکتی ہو مگر مجھے اس بارے میں بتا دو''۔

''میں نہیں جانتی آپ کیا کہہ رہے ہیں''۔

''ایک بات اور تم نے کہا کہ تم لکھاری ہو۔ خیر میں نے کافی پڑھا ہے تمھاری کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری۔ تم شاید کسی اور نام سے لکھتی ہو''؟

''نہیں'' میں نے جواب دیا۔

اس نے کہا ''خیر اس میں شک نہیں میں نے بہت سے لکھاریوں کا نام سنا نہ ان کو پڑھا۔ اس بات کو چھوڑو مجھ سے وعدہ کرو کہ مجھے دھوکہ نہ دو گی اور غیر معمولی رویہ چھوڑ دو گی''۔

میرا غصہ اس کی احمقانہ بے اعتباری سے دب گیا۔ میں اٹھی ہال سے باہر نکل آئی اس کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی میں نے دروازہ بند کر لیا۔ میں نے سوچا مجھے چلے جانا چاہیے لیکن جب میں اپنے کمرے میں بیٹھی تھی اپنے کام پر دھیان دے رہی تھی میں سوچ رہی تھی کہ کمرا مجھے کتنا پسند تھا۔ میں نے اس میں اپنا کام کیا تھا تو میں نے سوچا میں یہ کمرا نہیں چھوڑوں گی۔ آخر میں نے سوچا ہماری جو بحث ہونا تھی ہو چکی، میں دروازہ کھولنے، اس کی طرف سے جاری کردہ نوٹس پڑھنے اور جب بھی ہم ملیں تو اسے بات کرنے سے منع کر سکتی تھی۔ میں اپنا کرایہ بھی ادا کر چکی تھی۔ کمرا چھوڑنے کی صورت یہ رقم واپس نہ ملنے والی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں اب کوئی پروا نہیں کروں گی۔ میں ہر شام اپنا مسوّدہ ساتھ گھر لے آتی تا کہ وہ اسے پڑھ نہ سکے۔ اب ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ احتیاط بھی ضروری نہیں تھی اس سے کیا فرق پڑتا، اگر وہ اسے پڑھ لیتا تو یہ اندھیرے میں چوہوں کے کترنے سے تو بہتر تھا۔

اس کے بعد بھی کئی بار میں نے دفتر کے باہر نوٹس چسپے دیکھے۔ میں انھیں نہ پڑھنے کے ارادے کے باوجود پڑھ لیتی تھی۔ اس کے الزامات مخصوص ہوتے گئے۔ اس نے میرے کمرے سے آوازیں سنی تھیں۔ میرا رویہ اس کی بیوی کو پریشان کر رہا تھا وغیرہ وغیرہ۔

مجھے اس مہروں کے ڈاکٹر کے بارے اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ مسٹر میلے دوسروں کے بارے میں کیسے کیسے افسانے بنتا تھا۔ جوں جوں ان نوٹس میں اضافہ ہوتا گیا ہماری ملاقات کم ہوتی گئی۔ ایک دو مرتبہ میں نے اسے جھکا ہوا دیکھا جب میں ہال میں داخل ہوئی اسے غائب پایا۔ رفتہ

رفتہ ہمارا تعلق محض تصور میں بدل گیا۔ اب کی بار اس نے اپنے نوٹس میں مجھ پر دفتر کے قریب کافی کی دکان کے ملازمین کے ساتھ تعلق رکھنے کا الزام لگایا جو کہ مکمل طور پر فرضی تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے؟ نوٹس آتے جائیں اور ان میں لکھا گیا مواد عجیب سے عجیب تر ہوتا جائے۔ یہ مجھ پر مزید اثر انداز نہیں ہوسکتے۔

اتوار کی صبح قریباً گیارہ بجے اس نے میرے دروازے پر دستک دی۔ میں نے ابھی آ کر اپنا کوٹ اُتارا ہی تھا اور چولہے پر کیتلی رکھی تھی۔

اس مرتبہ اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا جو اس کے لیے میری غلطیوں کا ثبوت مل جانے کی وجہ سے تھا۔

''اس نے جذباتی لہجے میں کہا'' کیا تم ذرا میرے ساتھ ہال سے نیچے آؤ گی''؟

میں اس کے پیچھے گئی واش روم کی لائٹ جل رہی تھی۔ یہ واش روش میں استعمال کرتی تھی۔ اس کی چابی میرے پاس نہ تھی یہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ اس نے واش روم کا دروازہ کھولا، گہرا سانس لیتے ہوئے اندر دیکھا۔ افسردہ آواز میں کہا'' اب یہ کس کا کام ہے''؟

فلش اور واش بیسن سے اوپر کی دیواریں مختلف قسم کے جملوں اور خاکوں سے بھری تھیں جو آپ کو ساحل سمندر پر بنے عوامی بیت الخلا میں نظر آتے ہیں۔ یہ سرخی سے بنائے گئے تھے۔ میں نے سوچا یقیناً پچھلی رات یہاں کوئی آیا ہوگا۔ شاید کوئی ایسا گروہ جو شاپنگ سنٹر میں گھس کر ایسے کام کرتا ہے۔

خود کو اس صورت حال سے بچانے کے لیے میں نے ٹھنڈی اور پختہ آواز میں کہا ''اسے تالا لگا ہونا چاہیے تھا یہ بہت خراب ہو گیا ہے''۔

''میرے مطابق یہ بہت غلیظ ہے۔ تمھارے دوستوں کے لیے مذاق ہوسکتا ہے میرے لیے ہرگز نہیں۔ میں ان خاکوں کی بات نہیں کر رہا۔ صبح جب آپ اپنے گھر میں واش روم کا دروازہ کھولو تو ایسا ہی کچھ لکھا دیکھ کر کیسا محسوس کرو گی''؟

میں نے کہا'' مجھے یقین ہے سرخی کے نشان دُھل جائیں گے''۔

مجھے خوشی ہے کہ میری بیوی نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا۔ ایک تربیت یافتہ خاتون کے لیے یہ سب پریشانی کا باعث ہوسکتا ہے۔ اب تم دوستوں سے یہ کیوں نہیں کہتی کہ وہ اپنی بالٹیاں اور برش لے کر آئیں اور اسے صاف کریں۔ میں ایسے لوگوں کے تاثرات دیکھنا چاہوں گا''۔

میں وہاں سے جانے کو مڑی اور وہ میرے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''اس بارے میں کچھ بتانا چاہو گی کہ یہ سب کیسے ہوا ہے''؟

میں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا ''اگر تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ اس سارے کام میں میرا عمل دخل ہے تو تم یقیناً پاگل ہو''۔

''یہ سب کچھ پھر یہاں کیسے آیا؟ یہ کس کا واش روم ہے، تم مجھے بتاؤ''؟

''اس کی کوئی چابی نہیں ہے کوئی بھی یہاں آ جا سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے میرے جانے کے بعد گزشتہ رات گلی کے بچے یہاں آئے ہوں اور یہ ان کی حرکت ہو، مجھے کچھ معلوم نہیں ہے''۔

''یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ جو غلطی بڑے کریں ان کا الزام بچوں پر لگا دیا جائے۔ تمھیں اس بارے میں سوچنا چاہیے۔ یہ غیر مہذب رویہ ہے جو تمھارے جواب سے ظاہر ہوتا ہے''۔

یہ پہلی بار تھا کہ خود پر قابو رکھنے کے لیے میں نے گہرے سانس لیے تھے۔ میں اس کا قتل کر دینا چاہتی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ بند آنکھوں کے ساتھ نتھنے پھیلائے اس کا چہرہ مکروہ دکھائی دے رہا تھا۔ جو جیت کے نشے سے سرشار تھا۔ اگر یہ بیوقوفانہ عمل سرزد نہ ہوا ہوتا تو وہ کبھی نہ جیت پاتا، مگر وہ جیت چکا تھا۔ اس نے میرے چہرے پر کچھ ایسا دیکھا جس نے اسے بے چین کر دیا۔ وہ دیوار سے پیچھے ہٹا اور بولا مجھے نہیں لگتا یہ سب کچھ تم نے کیا ہے لیکن تمھارے دوستوں سے ہوسکتا ہے۔ میں اپنے کمرے میں آئی اور زور سے دروازہ بند کر دیا۔

کیتلی میں موجود پانی قریباً خشک ہو گیا تھا اور اس میں سے بہت عجیب آواز آ رہی تھی۔ میں غصے سے پھنکار رہی تھی۔ میں نے کیتلی کو چولہے سے اُتارا اور سوئچ نکال کر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد میرا غصہ کم ہوا اور میں نے وہ کیا جو کرنا چاہیے تھا۔ اپنا ٹائپ رائٹر اور کاغذات کرسی پر رکھے اور لکھنے والی میز سمیٹی۔ فوراً تیار ہونے والی کافی کے جار کا ڈھکن زور سے بند کیا۔ اپنا پیلا مگ اور چائے کا چمچ اپنے بیگ میں رکھا جو ابھی تک شیلف میں پڑا تھا۔ میرے دل میں بچگانہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اپنا غصہ مسٹر مَیلے کے تحفہ میں دیے گئے پودے، چینک، کوڑے دان، کُشن اور ایک چھوٹے پلاسٹک کے پنسل تراش پر نکال دوں۔

جب میں اپنی چیزیں نیچے گاڑی میں رکھنے جا رہی تھی تو مسز مَیلے باہر کھڑی تھی۔ پہلی ملاقات کے بعد میں نے انھیں بہت کم دیکھا تھا۔ وہ پریشان کم اور حقیقت پسند زیادہ نظر آئی۔

اس نے کہا ''وہ نیچے ہے مگر جیسا وہ نظر آتا ہے ویسا نہیں ہے''۔

اس نے کافی اور مگ والا بیگ میرے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ وہ اتنی سا کن تھی کہ میرا غصہ ختم ہو کر ذہنی تناؤ میں بدل گیا۔

مجھے ابھی تک نیا دفتر نہیں ملا تھا۔ میں نے سوچا میں اس بارے میں پھر کبھی سوچوں گی، ابھی میرا ذہن نہیں ہے۔ میں نے اپنے ذہن میں اس واضح تصویر کے دُھندلا ہونے کا انتظار کیا جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ مسٹر مَیلے تھا جس کے ہاتھ میں برش اور سرف کی بالٹی تھی۔ اپنے اناڑی انداز میں مشکل سے ٹوائلٹ کی دیواریں صاف کر رہا تھا اور شاید دکھ بھری آہیں بھرتے ہوئے، اپنے دماغ میں سوچ رہا تھا کہ اسے اس بار پھر کسی نے دھوکہ دیا ہے۔ میں نے اس لمحے اپنے ذہن میں یہ خیال ترتیب دیا کہ ایسے شخص سے جان چھڑانا ہی میرے حق میں بہتر ہے۔

مرہم

میرا والد شراب پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ اس کا شوقین نہ تھا۔ مجھے یاد ہے جب ساتویں جماعت میں باقی لوگوں کے ساتھ میں نے بھی شراب نوشی نہ کرنے کا عہد کیا تو میری ماں نے کہا ''اس عمر کے بچوں کے لیے یہ فضول چیز ہے''۔ میرا والد شدید گرم دن میں ایک بیئر (شراب کی قسم) پی لیتا تھا، میری ماں اس کا ساتھ نہ دیتی میرے والد کو یہ گھر سے باہر جا کر ہی پینا پڑتی تھی۔ اس چھوٹے سے قصبے میں جہاں ہم رہتے تھے اکثر لوگ ہم جیسے ہی تھے۔ مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے مگر یہ صورت حال مجھے پریشان کرتی تھی اور اس پریشانی کی وجہ میری اپنی غیر معمولی فطرت تھی۔ ایسی ہی غیر معمولی فطرت میری ماں کی بھی تھی جس کی وجہ سے مجھے میرے کالج یا کسی خوشی کے موقع پر ڈانس کے لیے جاتا دیکھ کر سوچ میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر میرے لیے شدید مایوسی کے تاثرات تھے جیسے وہ مجھ سے اس کی توقع نہیں کر رہی تھی میں نے اسے اپنے ساتھ جانے کا نہیں کہا تھا۔ باقی لڑکیوں نے اپنی ماؤں سے بولا تھا ایسے موقع پر اس کی دوستوں کی بیٹیاں ایسا کرسکتی تھیں مگر میرے لیے یہ معاملہ مختلف تھا۔ وہ صرف میرے لیے کچھ بھی برا نہ ہونے کی امید رکھتی تھی۔

میری ماں نے کہا جہالت یا معصومیت ہمیشہ اتنی اچھی چیز نہیں ہوتی جتنی لوگ اسے سمجھتے ہیں تم جیسی لڑکی کے لیے یہ بہت خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اپنی بات پر زور دینے کے لیے عادتاً اس نے ایک عجیب حوالہ دیا جس پر میں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی یہ جانتے ہوئے کہ یہ مسٹر بیری مین پر اثر انداز ہوتا ہوگا۔

یہ اپریل کی ایک شام تھی میں، بیری مین خاندان کے بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ ستمبر کے پہلے ہفتے سے میں ایک لڑکے کی محبت میں گرفتار تھی، اس کا نام مارٹن کولنگ ووڈ تھا۔ وہ اسکول اسمبلی کے دوران میری طرف پسندیدگی بھری غیر معمولی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی وہ میری کس بات سے متاثر ہوا تھا۔ میں ہمیشہ عام سی دکھتی تھی، میرا لباس پرانا اور گھر بھی معمولی تھا۔ کچھ ہفتوں بعد وہ پہلی مرتبہ مجھے تاریک پورچ کی طرف لے کر گیا جہاں اس نے میرا بوسہ لیا۔ یہ میرا پہلا تجربہ تھا اور میں نے اس رات نہ ہی اس سے اگلی صبح اپنا منہ دھویا تھا

تا کہ اس کا نشان اور احساس باقی رہے۔ دو مہینے بعد اپنی ہوس پورے کرنے کے بعد اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اب وہ اُس لڑکی کو پسند کرنے لگا تھا جس نے اس کے ساتھ اسکول کے ایک ڈرامے میں کام کیا تھا۔

میں نے کہا میرا اس ڈرامے سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور اپنی جگہ میک اپ کرنے کا کام کسی دوسری لڑکی کو دے دیا۔ میں نے ڈرامہ تو چھوڑ دیا مگر اس کے ساتھ ہی میں اپنی دوست جوائنس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ جب میں نے سفید ریشمی واسکٹ میں ڈراسی (مارٹن کے ڈرامے کا کردار) کو دیکھا تو میں نے دل میں عجیب درد محسوس کیا۔ اس وقت میری دوست نے میرا ہاتھ دبایا۔ میں ڈارسی میں اپنے مارٹن کو ہی دیکھ رہی تھی۔ لڑکیاں ڈارسی کی دیوانی ہوتی تھیں اور یہ کردار نبھاتا مارٹن میری نظروں میں مردانہ وجاہت کا ایک شاہ کار لگ رہا تھا۔ اس لمحے میں یہ بالکل بھول گئی یہ وہی میرے ہائی اسکول کا سینئر لڑکا تھا جو دِکھنے میں اچھا اور غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا (ڈرامہ کلب اور دوسری سرگرمیوں میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کی پڑھائی متاثر ہوئی تھی کہ وہ میری زندگی میں آنے والا، مجھ میں دل چسپی لینے والا پہلا لڑکا تھا۔ ڈرامہ کے اختتام پر اس نے الزبتھ (ہیروئن کا کردار نبھانے والی مَیری بشپ بھورے رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی لڑکی) کو گلے لگایا، اس منظر کو دیکھ کر میں نے اپنے ناخن سختی سے جوائس کی ہتھیلی میں گاڑ دیے۔

وہ رات میرے لیے بہت کٹھن تھی، حقیقت کا سامنا کرنا بھی مشکل تھا۔ اپنے مضحکہ خیز جذبات سے بھرے ماضی کو، دہرانا کیوں ضروری ہے جو ستم ظریف اور اذیت ناک بھی ہو،؟ مگر شاید ہم محبت کی باتیں کرنے، نوعمری کی محبت یاد کرنے اور ڈھلتی شاموں میں درد کے ان لمحوں کو یاد کرنے میں خوش رہنے والے لوگ ہیں۔ میں اس سب سے بدتر بھی کچھ محسوس کر رہی تھی۔ میں اپنی احمقانہ شرم ناک حرکتوں پر (جیسی محبت میں مبتلا لوگ عموماً کرتے ہیں) بالکل حیران نہیں تھی۔ میں ان جگہوں پر جاتی جہاں وہ جا سکتا تھا۔ پھر یوں ظاہر کرتی جیسے میں نے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔ میں گفتگو میں بہانے سے اس کا ذکر کرتی اور سارا دن بس اس کے خواب دیکھتی۔ اگر آپ حساب لگانا چاہیں تو میں نے مارٹن کولنگ ووڈ کو سوچنے میں باقی کاموں کی نسبت دس گنا زیادہ وقت گزارا ہوگا۔ اس کے ساتھ گزرا وقت، اپنے ساتھ اس کا تعلق اور روّیہ میرے ذہن پر سوار ہو گیا تھا، میں اسے سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر کسی وقت میں اس کو نہ سوچتی تو مجھے خوشی کا احساس ہوتا اس کو سوچتے رہنے سے میرے اچھے دن بھی خراب ہو گئے تھے اور میرے دل کو تسلی بھی نہ ہوتی تھی۔ جب میں

ریاضی کے سوال حل کر رہی ہوتی تو مجھے مارٹن کا بوسہ لینا یاد آ جاتا اور میں اذیت میں چلی جاتی۔ مجھے ہر بات یاد تھی۔ایک دن مجھے باتھ روم میں پڑی اسپرین کی تمام گولیاں کھا کر مرنے کا خیال آیا مگر چھ گولیاں کھانے کے بعد میں رُک گئی۔

میری ماں کو کچھ گڑ بڑ کا احساس ہوا تو اس نے مجھے دوائی دے دی۔اس نے مجھ سے پوچھا''کیا تمھارے اسکول میں سب ٹھیک چل رہا ہے''؟ جب میں نے ان کو اسکول میں اپنے اور مارٹن کے تعلق کے ختم ہونے کے بارے میں بتایا تو انھوں نے صرف یہ کہا''خیر یہ اچھی بات ہے میں نے کبھی کسی لڑکے کو اتنا خود پسند نہیں دیکھا''۔ میں نے روتے ہوئے جواب دیا''مارٹن جیسے شان دار انسان کو غرور جچتا ہے''۔ یہ کہہ کر میں اوپر چلی گئی۔

ہفتہ کی رات میں بیری مین کے گھر گئی۔اکثر ہفتہ کی رات جب وہ بیلی ول تک جاتے تو میں ہی ان کے بچوں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ بیلی ول ہمارے ٹاؤن سے کافی بڑا اور زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور ٹاؤن تھا۔ یہ تقریباً بیس میل دور تھا۔ بیری مین فیملی وہاں رات کا کھانا کھانے اور شو دیکھنے جاتی تھی۔ان لوگوں کو ہمارے ٹاؤن میں آئے دو یا تین سال ہوئے تھے۔مسٹر بیری مین ایک دروازے بنانے والی فیکٹری میں پلانٹ منیجر کے طور پر یہاں آیا تھا میرا خیال ہے اس نے اپنی مرضی سے یہاں قیام پذیر ہونا پسند کیا تھا۔اس کے اکثر دوست اس کی طرح جوان تھے جو شہر سے باہر پہاڑی پر دیہاتی طرز کے گھروں میں رہتے تھے۔اس ہفتے کی رات بیلی ول نے کسی نئے کلب کا افتتاح کرنے جانا تھا، جانے سے پہلے انھوں نے دو جوڑوں کے ساتھ مل کر مشروبات بھی پیے تھے۔ وہ سب بہت خوش تھے۔ میں نے کچن میں خود کو لاطینی زبان پڑھتے ہوئے ظاہر کیا۔گزشتہ رات ہائی اسکول میں بہار کی آمد کی خوشی میں رقص تھا جس میں میں نہیں گئی اس کی واحد وجہ وہ لڑکا تھا جس نے مجھے اپنے ساتھ جانے کی دعوت دی تھی اس کا نام ملرڈ کرومپٹن تھا۔ وہ کلاس کی ہر لڑکی سے دوستی کرنے کا پوچھ چکا تھا۔اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ حروف تہجی کے مطابق سب کے ساتھ تعلق بناتا رہتا ہے۔ یہ رقص آرمریز میں تھا جو ہمارے گھر سے کچھ فاصلے پر تھا۔ میں لڑکوں کو گہرے رنگ کے اور لڑکیوں کو کوٹ کے نیچے پیلے رنگ کے لباس میں سڑک سے گزرتے دیکھ سکتی تھی۔ میں موسیقی بھی سُن سکتی تھی اور مجھے کبھی نہیں بھول سکتا انھوں نے''بالرینا'' چلایا تھا یہ گانا سُن کر میرا دل تکلیف میں آ گیا تھا۔ جوالئس نے صبح مجھے فون کر کے سست لہجے میں بتایا تھا (جیسے ہم کسی نا قابل علاج بیماری کے بارے میں بات کر رہی ہوں) کہ مارٹن اس رقص

میں بیری بشپ کے ساتھ گیا تھا اور مَیری نے کسی پرانے کپڑے سے بنا لباس پہن رکھا تھا جس پر لگی لیس لٹک رہی تھی۔

جب بیری مین اور اس کے دوست چلے گئے تو میں کمرے میں جا کر رسالہ پڑھنے لگی۔ میں حد سے زیادہ ذہنی دباؤ کا شکار تھی۔ یہ بڑا اور دھیمی روشنی والا کمرا جس میں سبز اور بھورے رنگوں کا امتزاج تھا، میرے جذبات کو مزید اداس کر رہا تھا۔ ویسے گھر میں کپڑے استری کرتے، گھر کا پھیلاوا اور بچوں کے کھلونے سمیٹتے ہوئے میرے جذبات مدھم ہو جاتے تھے۔

میں نے اٹھ کر گانے کی ایک کیسٹ ڈھونڈی اس کو ریکارڈ پلیئر پر چلایا اور کمرے کی لائٹس بجھا دیں۔ پردے گرے ہوئے تھے اور ان میں سے سنہری روشنی کمرے میں چھن رہی تھی۔ بہار کی میٹھی ٹھنڈی ہوا میں درخت لہلہا رہے تھے۔ یہ گہری رات تھی جب برف پگھل رہی تھی جیسے موسم کی آخری برف ہو۔ ایک سال پہلے تک یہ ہوا، موسیقی، اندھیرا اور جھومتے درخت مجھے بہت زیادہ خوشی دیا کرتے تھے مگر اب ایسا کچھ نہیں تھا۔ اب یہ سب میرے لیے تھکا دینے والا بل کہ تکلیف دہ تھا۔ مجھے اپنا آپ کسی مُردے کی طرح بے جان محسوس ہوتا تھا۔ میں نے کچن میں جا کر شراب پینے کا فیصلہ کیا۔

میں کچن میں کوک یا اسی طرح کا کوئی اور مشروب پینے گئی تھی۔ وہاں سامنے کاؤنٹر پر مجھے تین خوب صورت لمبی بوتلیں دکھائی دیں۔ ان کو غور سے دیکھنے کے بعد بھی میں ان کو پینا نہیں چاہتی تھی۔ میں شراب کے نشے میں مدہوش نہیں ہونا چاہتی تھی لہٰذا میں نے صرف ایک جام لینے کے بارے میں سوچا۔

یہیں میں نے کم عقلی کا مظاہرہ کیا۔ یہ حقیقت ہے میں نے بیری مین اور ان کے دوستوں کو ایسے ہی پیتے دیکھا تھا جیسے میں کوک پیتی تھی مگر میں پینا نہیں چاہتی تھی۔ پھر میں نے شراب کو ایسے ہی پینے کا سوچا۔ غم گین ہوتے ہوئے اور سنک کی کھڑکی کے اوپر لگے کالے شیشے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے میں نے ہر بوتل میں سے کچھ شراب اپنے گلاس میں ڈالی (میرے خیال میں یہ دو مختلف اقسام کی شراب تھی) اور گلاس بھر لیا۔ میں نے کبھی کسی کو شراب انڈیلتے نہیں دیکھا تھا اس لیے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس میں پانی یا سوڈا وغیرہ ملا کر پیا جاتا ہے میں نے بیری مین کے دوستوں کو شراب پیتے دیکھا تھا جب ان کے گلاس بھرے ہوتے تھے۔

میں نے جلدی سے گلاس ختم کر کے نیچے رکھا اور پھر کھڑکی میں خود کو دیکھا۔ میں یہ امید

کررہی تھی کہ شراب پینے سے شاید کچھ بدل گیا ہومگر مجھے گلے میں جلن کے علاوہ کچھ اور محسوس نہیں ہوا۔ میرے لیے یہ بہت مایوس کن تھا، میں نے پھر کوشش کرنے کا سوچا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر گلاس بھرا اور شراب کی بوتلوں کو دوبارہ اس سطح تک پانی سے بھر دیا جہاں تک وہ میرے پینے سے پہلے تھیں۔ دوسرے گلاس کو میں نے پہلے گلاس سے کم رفتار میں پیا۔ میں نے خالی گلاس بہت احتیاط سے کاؤنٹر پر رکھا کیوں کہ میں اپنے حواس کم ہوتے محسوس کررہی تھی۔ میں کمرے میں جا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ ذرا سا اوپر اٹھ کر میں نے کرسی کے ساتھ موجود لیمپ جلایا تو مجھے محسوس ہوا جیسے کمرے کی چھت مجھ پر آن گری ہو۔

میں غیر معمولی نتائج کی توقع ضرور کررہی تھی مگر اس قسم کا نتیجہ میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ درحقیقت میں نے اپنے جذبات میں تبدیلی، کچھ جوش، لاپروائی، تکلیف سے فرار، غنودگی اور شاید اونچی آواز میں ہنسنے کے بارے میں سوچا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ پنکھا اتنی شدت سے گھومنے لگے گا جیسے کسی نے اسے میری طرف پھینک دیا ہو نہ ہی کرسیوں کا بڑا لگنا، ایک دسرے میں ضم ہونا اور میرے ساتھ جیسے کوئی کھیل کھیلنا وغیرہ۔ میرا سر گھومنے لگا میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر فوراً ان کو کھولا۔ کھڑا ہونے کی کوشش میں، میں کرسی سے گری اور گرتی پڑتی نیچے ہال میں پہنچ گئی۔ بالآخر کسی پتھر کی طرح بار بار گرتی ہوئی بیماروں کی طرح میں بیری مین کے باتھ روم میں پہنچ گئی۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میرے ذہن میں واضح نہیں ہے۔ یہ ایک یا دو گھنٹوں کی یادیں دُھندلی اور بے یقین تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں باتھ روم کے فرش پر لیٹی اس میں لگی سفید رنگ کی قابل ستائش ٹائلوں کو دیکھ رہی تھی جو اَب میرے اُلٹی کرنے سے بھدی ہوگئی تھیں۔ پھر مجھے یاد ہے کہ میں ہال میں موجود فون کے سامنے اسٹول پر بیٹھی جوائس کا نمبر مانگ رہی تھی۔ میری آواز کمزور تھی۔ مجھے جوائس کی ماں نے بتایا کہ جوائس گھر نہیں ہے۔ وہ سٹرنگر کے گھر گئی ہے۔ مجھے اس کا نمبر معلوم نہیں تھا لہٰذا میں نے آپریٹر سے اس کا نمبر پوچھا مجھ میں ٹیلی فون ڈکشنری کو دیکھ کر نمبر ڈھونڈنے کی سکت نہیں تھی۔

کے سٹرنگر میری نہیں بل کہ جوائس کی ایک نئی دوست تھی۔ وہ اپنے لمبے بالوں، جنونی پن، عجیب مگر قدرتی پیلے، بھورے بالوں کی وجہ سے مشہور تھی۔ وہ مارٹن کولنگ ووڈ سے بھی زیادہ پر جوش لڑکوں کو جانتی تھی جن میں سے کچھ اسکول چھوڑ چکے تھے اور کچھ دوسرے شہروں سے ہاکی کھیلنے

آتے تھے۔ وہ اور جوائس ان لڑکوں کے ساتھ ان کی گاڑیوں میں گھومتی تھیں اور بعض اوقات اپنی ماؤں سے جھوٹ بول کر ان لڑکوں کے ساتھ شہر کے شمال میں ہائی وے پر بنے ڈانس ہال میں جاتی تھیں۔

میں نے جوائس سے رابطہ کیا وہ بہت تکلّف سے بات کر رہی تھی جیسے وہ ہمیشہ لڑکوں کی موجودگی میں کیا کرتی تھی۔ وہ شاید توجہ سے میری بات بھی نہیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا ''میں آج رات نہیں آسکتی۔ یہاں میرے ساتھ کچھ دوست ہیں اور ہم تاش کھیلنے لگے ہیں۔ کیا تم بل کلائن کو جانتی ہو؟ وہ بھی ہمارے ساتھ ہے''۔

میں نے واضح آواز میں بات کرنے کی کوشش کی مگر آواز بہ مشکل میرے حلق سے نکلی اور میں نے کہا، ''میں بیمار ہوں جوائس، میں نشے کی حالت میں ہوں''۔ اس کے ساتھ ہی میں اسٹول سے گر گئی، میرے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ میں نے مایوسی سے دیوار کے ساتھ اپنا سر لگا لیا۔

میں نے جوائس کو نہیں بتایا تھا کہ میں کہاں تھی لہٰذا اس نے کچھ لمحے سوچنے کے بعد میری ماں کو فون کیا اور کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میرا پتا پوچھ لیا۔ وہ، کے سٹرنگر اور تین لڑکے ڈانس پارٹی سے یہ بہانہ بنا کر نکلے کہ وہ کے سٹرنگر کی ماں سے ملنے جا رہے ہیں۔ وہ سب گاڑی میں بیٹھے اور میرے پاس آ گئے۔ جب وہ آئے تو انھوں نے مجھے ہال میں قالین پر پڑا ہوا پایا۔ میری طبیعت پھر خراب ہو گئی تھی اس بار میں باتھ روم تک بھی نہ پہنچ سکی تھی کہ قالین پر ہی اُلٹی کر دی۔

میں نے محسوس کیا کے سٹرنگر، جو اس جگہ میرے پاس حادثاتی طور پر آئی تھی، بالکل ایسی شخصیت تھی جس کی مجھے ایسے وقت میں ضرورت تھی۔ وہ ایسی صورت حال (جیسی اب بن چکی تھی) سے لطف اندوز ہوتی تھی جو اتنی بُری ہو کہ اسے دوسروں سے چھپانا پڑے۔ وہ مجھے اس حال میں دیکھ کر پر جوش اور متحرک ہو گئی۔ وہ ایک عظیم خاتون کی طرح پرسکون انداز میں مجھے حوصلہ دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے اس کی آواز گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی جو مجھے پریشان نہ ہونے کا، جوائس کو کافی بنانے کا اور لڑکوں سے مجھے اُٹھا کر صوفہ پر لٹانے کا کہہ رہی تھی، جیسے دور کہیں سے اس کی آواز آ رہی ہو وہ صفائی کرنے کا کہہ رہی تھی۔

اس کے بعد میں کپڑے سے ڈھکے صوفہ پر لیٹی تھی۔ یہ کپڑا اُن کو باتھ روم سے ملا تھا۔

میں اپنا سر اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ پورے گھر میں کافی کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ جوائس گھبرائی ہوئی آئی اور کہا، بیری مین کے بچے جاگ گئے ہیں، اس نے اُن کو بسکٹ دے کر واپس سونے کا کہہ دیا ہے۔ اس کو یقین تھا وہ اس بات کو بھول جائیں گے۔ اس نے بتایا وہ اور کے سٹرنگر باتھ روم اور ہال کی صفائی کر چکے ہیں مگر مجھے ڈر تھا قالین پر اُلٹی کا داغ رہ گیا ہوگا۔ کافی تیار ہو چکی تھی۔ مجھے کچھ بھی صحیح سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ لڑکے ریڈیو چلانے کے ساتھ بیری مین کی کیسٹیں فرش پر ڈھیر کیے ان کا معائنہ کر رہے تھے۔ مجھے یہ عجیب محسوس ہوا مگر میں کچھ کہنے سے قاصر تھی۔

کے سٹرنگر میرے لیے ایک کافی سے بھرا مگ لے آئی۔

میں نے شکریہ کہا ''مجھے معلوم نہیں میں کیا کر رہی تھی۔''

''بیٹھ جاؤ'' اس نے تیز لہجے میں کہا، جیسے میں کوئی خاص نہیں تھی بل کہ شرابیوں سے نمٹنا اس کا روز کا کام ہو۔ میں نے اس آواز کو برسوں بعد زچگی کی وارڈ میں سنا اور فوراً پہچان لیا تھا ''اب اسے پیو'' اس نے کہا۔ کافی پیتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ میں صرف اپنا زیر لباس پہنے ہوئے تھی۔ کے سٹرنگر اور جوائس نے میرا لباس اُتار کر اسے دھو کر باتھ روم میں ہی سوکھنے کے لیے لٹکا دیا تھا۔ میں نے اپنے بازو کے نیچے دبا ہوا کپڑا کھینچ کر نکالا اور اسے خود پر پھیلا لیا۔ کے سٹرنگر یہ دیکھ کر ہنسنے لگی۔ اس نے سب کے لیے کافی بنائی۔ اس کی ہدایات کے پیش نظر جوائس کافی والا برتن لے آئی اور جیسے ہی میں اپنا کپ خالی کرتی وہ اسے پھر سے بھر دیتی۔ کسی نے دل چسپی بھرے لہجے میں مجھ سے کہا ''تم یقیناً ساری کافی پینا چاہتی ہوگی''۔

میں نے کافی پیتے ہوئے قدرے غصے سے جواب دیا ''نہیں، میں نے بس دو جام پیے تھے''۔ وہ ہنسی اور کہا، ''پھر تو میں یہی کہوں گی کہ یہ تمھیں زیادہ مدہوش کر گئی ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ مسز اور مسٹر بیری مین کب تک واپس آ جائیں گے''؟

''کافی دیر سے، شاید رات ایک بجے کے بعد'' میں نے کہا۔

''تب تک تمھیں بالکل ٹھیک حالت میں آ جانا چاہیے۔ مزید کافی پیو''۔

کے سٹرنگر اور ایک لڑکا ریڈیو کے گانے پر ناچنے لگے۔ کے سٹرنگر بہت دل فریب انداز میں ناچ رہی تھی مگر اب اس کے چہرے کے تاثرات بہت نرم اور پُرسکون تھے جو مجھے کافی پینے کا کہتے ہوئے بہت سخت ہو جاتے تھے۔ لڑکا اس کے کان میں کچھ سرگوشی کر رہا تھا جس کے جواب میں وہ مسکراتی ہوئی سر ہلا رہی تھی۔ جوائس نے کہا اسے بھوک لگی ہے، وہ کچن میں کچھ کھانے کا ہلکا

پھلکا سامان ڈھونڈ نے گئی کچھ ایسا جو کھانے کا کسی کو علم نہ ہو۔ بل کلائن میرے پاس آ کر صوفہ پر بیٹھ گیا اور کپڑے سے میری ٹانگیں تھپتھپانے لگا۔ اس نے تھپکی دینے کے علاوہ کچھ نہ کہا اور میری طرف عجیب احمقانہ اور تشویش ناک تاثرات کے ساتھ دیکھنے لگا۔ اس کے اس طرح دیکھنے سے مجھے بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اس بات پر حیران تھی کہ اس طرح کے تاثرات لیے میری ٹانگیں تھپتھپاتا بل کلائن ایک دم سے مجھے اچھا کیوں لگ رہا تھا۔ میں نے گھبرا کر اپنی ٹانگیں پیچھے کر لیں، اس نے مجھے ہمدردانہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے صوفہ سے خود کو گھسیٹا، کپڑا خود پر لپیٹتے ہوئے باتھ روم میں جانے لگی تا کہ یہ دیکھ سکوں میرا لباس خشک ہو گیا ہے کہ نہیں۔ چلنے سے پہلے میں لڑکھڑا گئی اور پھر بل کلائن پر واضح کرنے کے لیے کہ اس کی موجودگی سے میں بالکل گھبراہٹ محسوس نہیں کر رہی میں نے بڑھا چڑھا کر بات کرنے کی کوشش کی اور اسے آواز دے کر کہا ''دیکھو میں بالکل سیدھا چل رہی ہوں''۔ میں لڑکھڑائی، ٹھوکر کھا کر گر گئی اور ہال کی طرف جاتے ہوئے سب کو قہقہے لگاتے دیکھا۔ میں ہال اور کمرے کے درمیان بنے محراب کے پاس کھڑی تھی۔ جب داخلی دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا اور میرے پیچھے سوائے ریڈیو کے سب کچھ ساکت ہو گیا۔ کروشیے سے بنا کپڑا لڑھک کر میرے قدموں میں گر گیا۔ یہ بہت پریشان کن لمحہ تھا۔ مسٹر اور مسز بیری مین چہرے پر بھیانک تاثرات لیے کھڑے تھے۔ یقیناً اس طرح کے تاثرات وہ فوراً نہیں لا سکتے تھے۔ جب وہ گاڑی سے اُترے ہوں گے اس وقت ہی انھوں نے ہماری آوازیں سن لی ہوں گی اور ان بلند آوازوں کی وجہ سے ہی ہمیں ان کے آنے کا علم نہیں ہوا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کس وجہ سے جلدی گھر آ گئے تھے۔ شاید سر درد کوئی بحث یا لڑائی وجہ بنی ہو گی مگر فی الوقت میں کچھ بھی پوچھنے کی جرأت نہیں رکھتی تھی۔

مسٹر بیری مین مجھے گھر چھوڑنے لے گئی۔ مجھے یاد نہیں میں نے کس طرح کپڑے پہنے، مسز بیری مین کو خدا حافظ کہا یا نہیں کس طرح گاڑی میں جا کر بیٹھی۔ یہ بھی یاد نہیں کہ میرے دوستوں کے ساتھ کیا بیتی مگر میں تصور کر سکتی تھی کہ وہ بدنامی سے بچنے کے لیے اپنے کوٹ اٹھا کر بھاگ گئے ہوں گے۔ میری یادداشت میں تھا جوائس ہاتھ میں کھانے والی چیزیں پکڑے کہہ رہی تھی ''میں شاید رات کے کھانے کی وجہ سے شدید بیمار ہو گئی تھی اور میں نے اسے مدد کے لیے بلایا تھا''۔ میرے پوچھنے پر اس نے کہا ''اب اس بات کا کوئی فائدہ نہیں، تم سے شدید بدبو آ رہی تھی''

مجھے یہ بھی یاد تھا وہ کہہ رہی تھی ''ارے نہیں مسٹر بیری مین میں آپ سے التجا کرتی ہوں، میری ماں بہت حساس ہے نہ جانے اس خبر سے اسے کتنا دھچکا پہنچے گا۔ اگر آپ کہیں تو میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر آپ سے معافی مانگ لوں گی مگر آپ میری ماں کو فون مت کریں''۔ یہ کہتے ہوئے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی، یہ منظر میرے ذہن میں دھندلا سا تھا، مسٹر بیری مین نے اس کے بعد جوائس کی ماں کو فون نہیں کیا۔

مسٹر بیری مین نے مجھ سے کہا ''تمھارا آج کا رویہ نہایت غیر مناسب تھا''۔ اس کی آواز سے ایسا محسوس ہوا جیسے میں ایک مجرم ہوں جسے سزا ہونے والی ہے۔ اس نے کہا ''اس حرکت کو نظر انداز کرنا آسان نہ ہوگا''۔ میرے خیال میں مجھ پر غصہ ہونے کے ساتھ وہ مجھے اس حالت میں میرے سخت طبیعت والدین کے سامنے لے جانے پر پریشان بھی تھے۔ میرے والدین کو ہمیشہ یہ بات ناگوار گزرتی تھی کہ میں ان کے گھر شراب دیکھتی تھی۔ بہت سے متوسط طبقے کے لوگ مسٹر بیری مین کو اس واقعے کا ذمہ دار ٹھہراتے، یہ ٹاؤن متوسط طبقے سے بھرا تھا۔ کاروباری فائدے کے پیشِ نظر شہر کے لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات اس کے لیے بہت ضروری تھے۔

انہوں نے کہا ''میرے خیال میں یہ حرکت تم نے پہلی مرتبہ نہیں کی۔ اگر یہ پہلی مرتبہ ہوتا تو کیا ایک لڑکی اتنی چالاک ہوسکتی ہے کہ وہ اُن تینوں بوتلوں کو پانی سے بھر دے؟ خیر اس معاملے میں تم نے ہوشیاری دکھائی مگر یہ تمھاری بے وقوفی تھی، تم نے سوچا مجھے علم نہیں ہوگا۔ اس بارے میں تم کیا کہنا چاہو گی''؟ میں نے جواب دینے کے لیے اپنا منہ کھولا اور اگرچہ مجھے لگ رہا تھا کہ میرا نشہ اُتر چکا ہے، میں صرف کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ انھوں نے میرے گھر کے سامنے گاڑی روکی اور کہا ''گھر کی روشنی جل رہی ہے۔ اب جاؤ اور جا کر اپنے والدین کو سب کچھ سچ بتا دو۔ اگر تم نہیں بتاؤ گی تو یاد رکھنا میں بتا دوں گا''۔ مسٹر بیری مین نے اس رات ان کے بچوں کی دیکھ بھال کا معاوضہ دینے کی بات کی اور نہ یہ بات میرے ذہن میں آئی۔

میں گھر میں داخل ہوئی اور سیڑھیاں چڑھ کر سیدھی اوپر جانے لگی مگر میری ماں نے مجھے آواز دی۔ وہ سامنے والے ہال میں آئی جہاں میں نے روشنی بجھا رکھی تھی۔ یقیناً اس نے مجھ سے آتی بدبو سونگھ لی ہوگی اور وہ فوراً حیرانی سے چلاتی ہوئی میری طرف بھاگی جیسے اس نے کسی کو گرتے دیکھ لیا ہو۔ اس نے مجھے کندھوں سے تھاما، میں گرنے ہی والی تھی۔ نشے میں مدہوش میں نے

شروع سے لے کر آخر تک، مارٹن کا نام اور اسپرین کی گولیاں کھانے سمیت، سب کچھ بتا دیا اور یہ بھی مانا کہ یہ ایک غلطی تھی۔

سوموار صبح میری ماں بس پر سوار ہو کر بیلی ول گئی اور شراب خانہ ڈھونڈ کر وہسکی کی بوتل خریدی۔ واپسی کے لیے بس کا انتظار کرتے ہوئے وہ اپنی جان پہچان کے کچھ لوگوں سے ملی۔ بوتل کو پرس میں چھپانا ممکن نہ تھا۔ مناسب سائز کا بیگ نہ ہونے کی وجہ سے اسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ واپس آئی، دوپہر کا کھانا کھائے بغیر سیدھی بیری مین کے گھر چلی گئی۔ مسٹر بیری مین ابھی فیکٹری کے لیے نکلنے ہی والے تھے۔ میری ماں ان کے گھر داخل ہوئی اور ان دونوں پر اپنا شاندار تاثر چھوڑنے والی گفتگو کی۔ مسٹر بیری مین میری ماں کو واپس گھر چھوڑ گئے۔ میری ماں نے اُن دونوں سے سیدھے اور صاف لہجے میں بات کی، ایسا مائیں عام طور پر نہیں کرتیں اس نے ان کو بتایا کہ میں پڑھائی کے معاملہ میں بہت اچھی تھی مگر میری جذباتی نشوونما بہت پسماندہ تھی۔ میں تصور کر سکتی تھی میرے روّیے کی یہ وضاحت مسٹر بیری مین کو متاثر کر گئی ہوگی کیوں کہ وہ اس موضوع پر لکھی کتابیں پڑھنے کے شائق تھے۔ جب میری ماں نے میری مشکلات میں سے مارٹن اور اس سے منسلک واقعہ کا ذکر کیا تب ان کے درمیان کچھ کشیدگی پیدا ہوگئی۔

کچھ ہی دنوں میں یہ بات پورے شہر میں پھیل گئی کہ میں نے مارٹن سے تعلق ختم ہو جانے پر خودکشی کی کوشش کی ہے اور یہ بات بھی اسکول اور شہر بھر میں جنگل میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی ''ہفتے کی رات مسٹر اور مسز بیری مین نے مجھے شراب پیے، لڑکھڑاتے، زیرجامہ پہنے اور بل کلائن سمیت تین لڑکوں کے ہمراہ ایک کمرے میں پایا تھا''۔ میری ماں نے کہا تھا کہ بیری مین کے گھر لے جانے والی بوتل کے پیسے مجھے دوسروں کے بچوں کی دیکھ بھال کر کے ملنے والی رقم سے ادا کرنے ہوں گے مگر میری خدمات حاصل کرنے والے لوگ گرمیوں میں پگھل جانے والی برف کی طرح کم ہو رہے تھے اور یہ پیسے تب تک ادا نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ ٹاؤن میں کچھ نئے لوگ نہ آ جاتے جن کو اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے میری ضرورت ہوتی وہ بھی جب تک وہ اپنے ہمسایوں سے میرا یہ واقعہ نہ سُن لیتے۔

میری ماں نے یہ بھی کہا کہ لڑکوں کے ساتھ جانے کی اجازت دینا اس کی بہت بڑی غلطی تھی اور مزید یہ کہ اپنی سولہویں سال گرہ تک میں کسی لڑکے کے ساتھ تعلق نہیں بنا سکتی۔ یہ مشکل

ثابت نہ ہوا کیوں کہ مجھے کسی لڑکے نے تب تک ساتھ جانے کا نہیں پوچھا۔ اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ بیری مین کے گھر میں کیے اس ایڈونچر کے بعد میں مشہور ہو گئی ہوں گی اور لوگ مجھے تعلق بنانے کے لیے منانے لگے ہوں گے تو آپ بہت غلط سوچ رہے ہیں۔ اس غیر معمولی تشہیر نے مجھے ایک بدقسمت لڑکی بنا دیا تھا۔ کسی ایسی لڑکی کی طرح جس کی ناجائز اولاد ہو۔ کوئی ایسی لڑکی سے واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔ بہرحال میرے پاس ایک فون تھا جو ہمیشہ خاموش ہی رہتا اور اس کے ساتھ ہائی اسکول کی سب سے بدنام لڑکی ہونے کی شہرت بھی تھی۔ یہ سب سال بھر رہا تب تک اگلی خزاں میں دسویں جماعت کی ایک موٹی سنہرے بالوں والی لڑکی ایک شادی شدہ مرد کے ساتھ بھاگ گئی اور دو مہینوں بعد غلط سرگرمیوں میں مبتلا ڈھونڈ لی گئی اب وہ اس شخص کے ساتھ بھی نہیں تھی جس کے ساتھ بھاگی تھی۔ اس کے بعد سب اس کی باتیں کرنے لگے اور میرے بارے میں بھول گئے۔

اس سب کے ساتھ ساتھ کچھ مثبت، اس واقعہ کا ایک شان دار نتیجہ بھی سامنے آیا۔ میں مکمل طور پر مارٹن کولنگ ووڈ کے سحر سے باہر آ گئی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ سب کے سامنے کہا کہ وہ مجھے ہمیشہ ایک بے وقوف سمجھا کرتا تھا اور اسے اب لگتا تھا کہ مجھ میں کوئی شرم باقی نہیں۔ وہ کیا چیز تھی جو مجھے واپس حقیقی دنیا میں لے آئی تھی؟ یہ میرے اس تباہ کن عمل کے بعد میرے سامنے آنے والی تلخ حقیقت تھی۔ ایسا نہیں کہ یہ سب خوش گوار تھا، میں اب خود پر بھروسہ کرنے والی ایک لڑکی تھی۔ اس واقعہ نے میری شخصیت پر منفی اثر چھوڑا تھا۔ مگر ہفتے کی رات ہونے والے اس واقعہ میں جو چیز مجھے متاثر کن لگی وہ یہ کہ اس بے ہودہ واقعہ نے مجھے زندگی کی حقیقت سے آشکار کر دیا تھا جس سے میں نظریں نہیں چرا سکتی تھی۔

اس سال جون میں مارٹن نے اپنا میٹرک مکمل کیا اور ٹاؤن سے دور شہر میں کسی دوسرے سکول سے مُردہ خانے سے متعلق کوئی کورس کرنے چلا گیا۔ واپس آنے کے بعد اس نے اپنے انکل کے کاروبار میں شمولیت اختیار کر لی۔ ہم ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے، ایک دوسرے سے متعلق باتیں سنا کرتے تھے مگر کبھی ہمارا سامنا نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی ہم نے ایک دوسرے کو کبھی دیکھا تھا۔ کبھی کبھی دور سے نظر پڑ جاتی تھی۔ میں اس لڑکی کی دعوت پر گئی جس سے اس کی شادی ہونا تھی یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی ہر کوئی دوسروں کی دعوت پر جاتا ہے۔ میرا نہیں خیال میں نے اسے دوبارہ کبھی دیکھا ہو سوائے ایک بار جب میں اپنی شادی کے کئی سال بعد ایک رشتہ دار کے جنازے میں

شرکت کے لیے آئی تھی، تب میں نے اسے دیکھا تھا وہ سیاہ لباس میں ڈارسی تو نہیں مگر بہت دل کش لگ رہا تھا۔ میں نے چہرے پر انسیت بھری مسکراہٹ سجائے، جو اس موقع کے لحاظ سے غیر مناسب تھی، اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے محسوس کیا جیسے وہ مجھے پہچان گیا ہو اور مجھے معلوم تھا کہ اسے اس وقت میری بے تحاشا محبت اور ایک پرانی تباہ کن ہفتے کی رات یاد آ گئی ہو گی۔ میں نے جواباً ایک ہلکی غیر سنجیدہ نظر سے اسے دیکھا۔ میں اب وہ جذباتی لڑکی نہیں بل کہ ایک سمجھ دار بالغ عورت ہوں۔ یہ ہی بہتر ہو گا کہ وہ میرے لیے پیدا کی گئی اپنی مصیبتوں کو اب بھلا دے۔

دمِ رُخصت

لیونا پیری اپنے کمرے کی لائٹ بند کر کے اردگرد کمبل لپیٹے صوفے پر لیٹی تھی، کمرے میں لائٹ بند تھی، کچن کافی گرم تھا مگر خواتین مزید لکڑیاں جلا رہی تھیں۔ لیونا نے کھانا نہ کھایا صرف چائے پی۔ اس نے پرزور آواز میں کہا مجھے گھر سے باہر نکلے اور تمھاری طرف آئے بیس منٹ بھی نہیں ہوئے۔ ایلی نے سوچا یہ کم از کم پینتالیس منٹ باہر رہی ہے مگر اس نے لیونا کو جواب میں کچھ نہ کہا۔ اسے یہ یاد تھا کیوں کہ وہ اپنے معمول کے تین سیریل جو وہ ہر روز سنتی تھی، سن رہی تھی۔ ابھی آدھے ہی سنے ہوں گے کہ لیونا کچن میں آ گئی۔ پیٹریشیا کے بارے میں بات کرنے لگی۔ لیونا ایلی کی مشین پر پیٹریشیا کے لیے کپڑے سی رہی تھی۔ اس نے تیزی سے مشین گھمائی دھاگہ پیچھے کرنے کی بجائے اسے توڑنے کے لیے زور سے کھینچا۔ ایلی نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا ایسا کرنے سے سوئی ٹوٹ جائے گی۔ پیٹریشیا کو رات کو یہ لباس تیار چاہیے تھا، وہ گانا گانے کنسرٹ میں جانے والی تھی۔ پیٹریشیا میٹ لینڈ ویلی انٹرٹینرز جو پورے ملک میں کنسرٹ پر موسیقی کا اہتمام کرتے تھے، پیٹریشیا ان کے ساتھ گاتی تھی۔ وہ چھوٹی سی بھورے بالوں والی بلند آواز گائیک تھی۔ ایک بچی ہونے کے باوجود اس کی آواز بہت بلند تھی۔ وہ تین سال کی بچی تھی جب اس نے گانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک دم سے آگے جھکتے ہوئے کہا،" گانا اس کے لیے عام بات ہے وہ گانے سے کبھی نہیں گھبرائی"۔ اس کے سرمئی گلابی لباس سے اس کا جسم صاف نظر آ رہا تھا۔ چاہے اسے انگلینڈ کا بادشاہ ہی کیوں نہ دیکھ رہا ہوا سے اس کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ اٹھ کر گانے لگتی ہے اور جب گاتی ہے تو بیٹھ جاتی ہے وہ ایسی ہی ہے اور اس کا نام پیٹریشیا پیری بھی ایک گائیک کے لیے مناسب ہے۔ ایسا نہیں لگتا جیسے یہ نام گونج رہا ہو؟ ایک اور اہم بات اس کے قدرتی سنہری بال ہیں۔ مجھے اس کی زندگی میں ہر رات ان کو بنانا پڑتا مگر قدرتی ہونے کی وجہ سے یہ بہت نایاب ہیں۔ میرے بال زیادہ گہرے رنگ کے نہیں ہیں۔ میری فیملی میں ایسے سنہری بال عام ہیں تمھیں میں نے اپنے کزن کے بارے میں بتایا تھا جو ۱۹۳۶ء میں مقابلۂ حسن جیتی تھی اور میری آنٹی بھی ایسی ہی تھی جو اَب مر چکی ہے۔

ایلی کچھ نہ بولی کہا اور لیونا نے پھولی ہوئی سانس میں کہا بیس منٹ ہی ہوئے ہوں گے اور آخری بات جو میں نے دروازے سے نکلتے ہوئے اس سے کہی وہ یہ تھی کہ تم بچوں پر نظر رکھنا جب کہ وہ خود ۹ سال کی ہے۔ میں سڑک کی دوسری جانب تمھارا لباس سلوانے جا رہی ہوں تب تک تم بچوں کا خیال رکھو۔ میں سیڑھیوں سے اُتر کر دروازے کی طرف آئی جیسے ہی دروازے کی جانب بڑھی کچھ سوچ کر رُک گئی۔ مجھے کچھ گڑ بڑ محسوس ہوئی، یہ کیا ہو سکتا ہے میں نے خود سے پوچھا۔ میں وہیں رُکی اور آس پاس نظر دوڑائی تو میں نے دیکھا کہ وہاں گوبھی اور مکئی پڑی تھی جو ہم نے اس سال نہیں خریدی تھی۔ میں نے منڈے فیملی کے گھر کے سامنے ان کا شکاری کتا بھی بندھا دیکھا۔ باہر گاڑیاں چل رہی تھیں نہ بچے کھیل رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ ہفتے کی صبح نہیں ہے بل کہ کوئی خاص دن ہے جس کے بارے میں، میں بھول گئی ہوں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ شاید برف باری ہے ہو رہی ہے اور تم جانتی ہو جب برف باری ہوتی ہے تو سردی کتنی بڑھ جاتی ہے اور سڑکیں برف کی لپیٹ میں آ جاتی ہیں۔ مگر ابھی تک برف باری بھی نہیں ہوئی۔ میں نے بھاگ کر سڑک عبور کی اور تمھارے گھر آ گئی۔ ایلی نے پوچھا تمھیں کیا ہوا ہے؟ تم بہت سفید لگ رہی ہو، مگر وہ بولتی رہی۔

ایلی سننے لگی اور خاموش رہی اس نے بات کاٹنا بہتر نہ سمجھا۔ لیونا جیسے جیسے بول رہی تھی اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی اور اب وہ کسی بھی وقت چلانا شروع کر سکتی تھی۔ اس لڑکی کو میرے قریب مت آنے دو، میں اسے دیکھنا نہیں چاہتی، اس کو مجھ سے دور رکھو۔ کچن سے کچھ عورتیں باہر آئیں اور اس کے گرد جھرمٹ بنالیا۔ اس دھیمی روشنی میں ان کے سائے بڑے لگ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ہمدردی بھرے تاثرات تھے۔ انھوں نے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا لیٹ جاؤ لیونا، لیٹ جاؤ وہ یہاں نہیں ہے، سب ٹھیک ہے۔

مذہبی تنظیم سے تعلق رکھنے والی ایک لڑکی نے اپنی دھیمی آواز میں کہا مسز پیری آپ کو اُسے معاف کر دینا چاہیے وہ ابھی صرف بچی ہے۔ کبھی کوئی لڑکی کہتی یہ خدا کی مرضی ہے جسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے عمر میں کچھ بڑی عورت نے کہا ''یہ بچے جنت کے باغ کے پھول ہیں، خدا کو ایک اور پھول کی ضرورت تھی اس لیے وہ تمھارا بچہ لے گیا۔ تمھیں خوش ہونا چاہیے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے''۔

باقی عورتیں بے چین ہو رہی تھیں اور ان کے چہرے سنجیدگی بھرے تھے۔ انھوں نے

چائے بنائی اور کھانے کی چیزیں میز پر سجا دیں۔ کسی نے کچھ نہ کھایا تھا کیوں کہ لیونا نے ابھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ مذہبی تنظیم کی دوعورتوں کے سوا باقی عورتیں رورہی تھیں۔ ایلی جس کے خود کے بچے نہیں تھے، رورہی تھی۔ لیونا گھٹنوں پر کمبل لیے کبھی سر گرائے تو کبھی اٹھائے، روتے ہوئے ہل رہی تھی۔ جب وہ جھکتی تو اس کی گردن پر بدنما جھریاں سی نظر آئیں جن کو کچھ عورتیں برا محسوس کر رہی تھیں۔ پھر وہ خاموش ہوگئی اور حیران کن انداز میں کہا ''میں نے اسے دس مہینے تک دودھ پلایا تھا وہ اچھا بچہ تھا تم اس سے نہیں ملی تم نہیں جان سکتی۔ میں ہمیشہ کہتی تھی یہ میرا سب سے پیارا بچہ تھا''۔

تاریک اور گرم کچن میں عورتوں نے لیونا کے دکھ کو محسوس کیا۔ جب مرد حضرات...... والد، کزن، ہمسائے لکڑیاں اٹھائے اندر آئے اور ہچکچاتے ہوئے کچھ کھانے کو مانگنے لگے...... انھیں فوراً احساس ہوا۔ وہ خاموش ہو گئے اور باہر آ کر دوسرے مردوں سے کہنے لگے وہ ابھی بھی اسی حال میں ہے بچے کا باپ جس نے شراب پی رکھی تھی، وہ رو نہیں سکتا تھا، اس نے کہا اس سے بنی تو واپس نہیں آ سکتا مگر یہ اپنی آنکھیں سوجھا لیں گی۔

آئرین اور جارج کیٹلاگ میں بنی چیزوں کو کاٹ کر اُن سے کھیل رہے تھے۔ انھوں نے کیٹلاگ میں سے ایک فیملی کی تصویر کاٹی۔ پیٹریشیا نے انھیں کاٹتے دیکھا تو کہا، بچو یہ تم نے کس طرح کاٹا ہے، دیکھو ان کے اردگرد کنارے سفید ہیں۔ تم نے مناسب انداز میں ان کو نہیں کاٹا۔ اس نے قینچی پکڑی اور ہونٹ چبائے، سر کو ایک طرف جھکا کر کناروں کو نفاست سے کاٹنے لگی۔ وہ کسی بڑے سمجھدار شخص کی طرح یہ کر رہی تھی۔ وہ گلوکارہ ہونے کا دکھاوا بھی نہیں کرتی تھی۔ بے شک وہ بڑی ہو کر فلموں یا ریڈیو پر گانے والی تھی۔ وہ مووی میگزین اور ان میں بنی گھروں اور کپڑوں کی چیزیں پسند کرتی تھی۔ وہ کھڑکی سے باہر گھروں کو دیکھنا بھی پسند کرتی تھی۔

بنی صوفے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کیٹلاگ چھیننے کی کوشش کی تو آئرین نے اس کے ہاتھ پر مارا۔ وہ سسکیاں لینے لگا۔ پیٹریشیا نے اسے اٹھایا اور کھڑکی کے قریب لے گئی۔ اس نے اسے ایک کرسی پر کھڑا کیا اور باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگی بنی وہ دیکھو! باؤ واؤ......سڑک پر منڈے فیملی کا کتا نظر آ رہا تھا۔

بنی نے اپنا ہاتھ کھڑکی پر رکھ کر نیچے جھکتے ہوئے پوچھا، باؤ واؤ...... یہ دیکھنے کے لیے کہ کتا کہاں چلا گیا۔ بنی اٹھارہ ماہ کا تھا اور وہ صرف باؤ واؤ اور برام کہنا جانتا تھا۔ برام اصل میں برانڈن تھا جو کبھی کبھی سڑک پر دکھائی دیتا تھا۔ بنی کو وہ یاد رہتا اور وہ جب بھی آتا یہ اسے بھاگ کر

ملتا۔ باقی ۱۳،۱۴ مہینے کے بچے بنی سے زیادہ الفاظ بولنے کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کر سکتے تھے جیسے ہاتھ ہلا کر بائے کرنا، تالیاں بجانا وغیرہ۔ ان میں سے اکثر کو دیکھ کر پیار آتا تھا۔ بنی ایک دُبلا، پتلا کمزور بچہ تھا۔ اس کا چہرہ پیلا، خاموش اور کچھ عجیب دکھائی دیتا تھا۔ مگر وہ ایک اچھا بچہ تھا۔ وہ گھنٹوں صرف باؤ واؤ کہنے کھڑکی میں کھڑا رہتا تھا۔ کبھی فجائیہ لہجے میں تو کبھی کھڑکی پر اپنے ہاتھ مارتے ہوئے۔ وہ ایک چھوٹا بچہ تھا جسے خود کو اٹھایا جانا پسند تھا اور وہ لیٹے چھت کی طرف دیکھتے مسکراتا رہتا۔ پیٹریشیا جانتی تھی کہ وہ بے وقوف ہے۔ اُسے احمقانہ چیزوں سے نفرت تھی۔ یہ وہ واحد احمق تھا جس سے اُسے نفرت نہ تھی۔ وہ اس کے پاس جاتی، اس کی بہتی ناک صاف کرتی، اُسے بلانے کی کوشش کرتی اس کو اپنے پیچھے بولنے کے لیے کہتی، وہ اپنا چہرہ اس کے چہرے کے پاس کرتی اور کہتی بنی ادھر میری طرف دیکھو اور وہ معصومانہ انداز میں اس کی طرف صرف دیکھ کر مسکراتا۔ اپنے پیچھے الفاظ کو دُہراتا نہ دیکھ کر وہ تھکن بھری اُداسی محسوس کرتی اور اسے اکیلا چھوڑ کر مووی میگزین دیکھنے لگتی۔

پیٹریشیا نے ناشتے میں چائے اور بَن لیا تھا اب اسے پھر بھوک لگ گئی تھی۔ اس نے کچن کی میز پر موجود گندے برتنوں اور کھچڑی کی طرف نظر دوڑائی، اس نے ایک بَن اٹھایا مگر وہ دودھ میں بھیگا تھا، اس نے اسے غصے میں واپس رکھ دیا۔

اس نے کہا اس جگہ سے بدبو آرہی ہے۔ آئرین اور جارج نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے کھچڑی جو جم چکی تھی اس پر پاؤں سے ٹھوکر ماری، اِدھر دیکھو یہاں ہمیشہ گند کیوں پڑا رہتا ہے۔ وہ اِدھر اُدھر پڑی چیزوں کو ٹھوکریں مارنے لگی۔ پھر اس نے سِنک کے نیچے سے دھونے والی بالٹی اور پانی ڈالنے والا ڈبہ نکالا، وہ چولہے کے پاس کھڑا پانی نکالنے لگی۔

پیٹریشیا نے کہا یہ جگہ میں صاف کرتی ہوں اسے کبھی صاف نہیں کیا گیا۔ سب سے پہلے میں یہ فرش دھوؤں گی اور تم بچوں کو میری مدد کرنا ہوگی۔ اس نے گرم ہونے کے لیے پانی چولہے پر رکھا۔

آئرین نے کہا ''پانی گرم ہوگیا ہے''۔ پیٹریشیا نے جواب دیا ''ابھی اتنا گرم نہیں ہوا یہ اُبلتا ہوا گرم ہونا چاہیے میں نے مسز ایلی میک گی کو ان کا فرش دھوتے دیکھا ہے''۔

تمام لوگ رات بھر مسز میک گی کے گھر رُکے جب سے ایمبولینس آئی تھی وہ وہیں تھے۔ انھوں نے لیونا اور مسز میک گی کو دیکھا اور باقی ہمسائیوں نے بنی کے کپڑے کھینچنا شروع کیے۔ ایسا

لگتا تھا جیسے اس کی جلد بھی ساتھ اُتر رہی ہو۔ بنی کے رونے کی آواز عام رونے جیسی نہیں تھی بل کہ زخمی کُتے کے چیخنے کی آواز سے بھی زیادہ دردناک آواز تھی۔مسز میک گی اور چلائی، چلے جاؤ یہاں سے، میرے گھر چلے جاؤ وہ چیخی۔ جب ایمبولینس آئی اور بنی کو ہسپتال لے گئی تو مسز میک گی آئی اور بچوں کو بتایا کہ بنی کو ہسپتال لے گئے ہیں اور ان سب کو آج اس کے گھر رُکنا ہوگا۔اس نے انھیں کچھ کھانے کو دیا۔

جس بستر میں وہ بچے سوئے اس کی چادریں صاف، کمبل نرم اور خوش بودار تھے۔ان کے علاوہ ایک کمبل تھا جس پر بیت اللحم کا ستارہ بنا تھا۔ وہ اس کا نام اس لیے جانتی تھی کہ جب پیٹریشیا سونے لگی تو پیٹریشیا نے کہا تھا واہ کتنا خوب صورت کمبل ہے اور مسز میک گی نے حیران ہونے کی بجائے قدرے پریشانی سے کہا، ارے ہاں یہ بیت اللحم کا ستارہ ہے۔

مسز میک گی کے گھر میں پیٹریشیا بہت مہذب نظر آرہی تھی۔مسز میک گی کا گھر بہت شان دار نہیں تھا، جیسے شہر کے بالائی حصے میں گھر تھے مگر یہ قدرے بہتر تھا۔مسٹر میک گی باقی مردوں کی طرح مِل کی بجائے ایک سٹور میں کام کرتے تھے۔

جارج اور آئرین اس گھر میں شرمیلے سے رہتے جب ان کو بلایا جاتا تو وہ خاموش ہو جاتے، بہت کم بولتے۔

صبح وہ بہت جلدی اٹھ گئے۔ نئے دُھلے ہوئے بستر پر سیدھے لیٹے کمرے میں آنے والی روشنی کو دیکھتے رہے۔کمرے میں کاسنی رنگ کے ریشمی پردے تھے۔دیواروں پر کاسنی اور پیلے رنگ کے پھول بنے تھے۔ یہ مہمان خانہ تھا۔پیٹریشیا نے کہا، ہم مہمان خانے میں سوئے تھے۔

جارج نے کہا مجھے واش روم جانا ہے۔

پیٹریشیا نے کہا، یہ ہال کے نیچے ہے آؤ میں تمھیں لے چلوں۔

جارج نیچے واش روم نہیں جانا چاہتا تھا، اسے نیچے واش روم جانا پسند نہ تھا، پیٹریشیا نے اسے منانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔

آئرین نے کہا دیکھو بیڈ کے نیچے کوئی برتن ہے۔پیٹریشیا نے غصے سے جواب دیا یہاں ان کے پاس برتن نہیں واش روم ہیں، وہ یہاں گندا بدبودار برتن کیوں رکھیں گے؟ جارج نے ہٹ دھرمی سے جواب دیا کہ وہ بھی نیچے نہیں جائے گا۔

پیٹریشیا اٹھی، پنجوں کے بل چلتی ایک بڑا اگُل دان اٹھا لائی۔ جب جارج نے اس میں

پیشاب کرلیا تو پیٹریشیا نے احتیاط سے کھڑکی کھولی، گل خالی کیا اور آئرین کے زیر جامہ سے اسے خشک کر کے وہیں رکھ دیا۔

پیٹریشیا نے بچوں سے کہا اب تم خاموشی سے لیٹے رہو اور بات کرنا مقصود ہو تو سرگوشی کر سکتے ہو۔

جارج نے سرگوشی کی، کیا بنی ابھی بھی ہسپتال میں ہی ہے۔

پیٹریشیا نے مختصراً کہا ''ہاں''۔

''وہ مر تو نہیں جائے گا''؟ جارج نے مزید پوچھا۔

پیٹریشیا نے کہا میں تمھیں ہزار دفعہ کہہ چکی ہوں ''وہ نہیں مرے گا''۔

کیا وہ جل گیا ہے؟

نہیں اس کی جلد جلی ہے وہ ٹھیک ہو جائے گا، اسے کچھ نہیں ہوگا، بھلا کیا وہ صرف جلد کے جل جانے سے مر سکتا ہے؟ اونچی آواز میں بات مت کرو، پیٹریشیا نے کہا۔

آئرین نے اپنا منہ تکیے میں چھپالیا۔

پیٹریشیا نے پوچھا، کیا بات ہے؟

آئرین نے اپنا چہرہ تکیے میں چھپائے کہا، بنی بہت بُری طرح سے رو رہا تھا۔

ہاں اسے تکلیف تھی اس لیے وہ رو رہا تھا۔ جب وہ ہسپتال پہنچے گا تو ڈاکٹر دوا دے کر اسے ٹھیک کر دیں گے، اس کی تکلیف ختم کر دیں گے، پیٹریشیا نے کہا۔

جارج نے کہا، تم کیسے کہہ سکتی ہو؟

میں جانتی ہوں۔

کچھ وقت خاموش رہنے کے بعد پیٹریشیا نے کہا میں نے اپنی زندگی میں جلد کے جل جانے سے کسی کے مرنے کا کبھی نہیں سنا۔ مکمل جلد جل جائے تو بھی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تو نئی آجاتی ہے۔ آئرین رونا بند کرو ورنہ میں تمھیں ماروں گی۔

پیٹریشیا مسٹر میک گی کے مہمان خانے میں کاسنی رنگ کے ریشمی پردوں کی طرف رُخ کیے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بے حس و حرکت لیٹی تھی۔ ناشتے میں انھوں نے گریپ فروٹ، کارن فلیکس، ٹوسٹ اور جیم کھائے۔ پیٹریشیا نے جارج اور آئرین کی طرف دیکھا اور کہا براہ مہربانی کھانے کا شکریہ ادا کرو۔ اس نے مسٹر اور مسز میک گی سے کہا، آج کتنا ٹھنڈا دن ہے۔ اگر

آج برف باری ہوئی تو میں بالکل حیران نہیں ہوں گی، کیا آپ ہوں گے؟

ان دونوں نے کوئی جواب نہ دیا۔مسز میک گی کا چہرہ سوجھا ہوا تھا۔ناشتے کے بعد اس نے کہا بیٹھے رہو بچو اور میری بات سنو تمھارا چھوٹا بھائی......!!!

آئرین اور جارج رونے لگے۔ جارج نے سسکیاں لیتے ہوئے پیٹریشیا کی طرف دیکھا اور کہا، تو وہ مر گیا، وہ مر گیا۔ پیٹریشیا نے جواب نہ دیا۔ جارج نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا یہ اس کی غلطی ہے اور مسز میک گی نے اسے پچکارا ارے نہیں نہیں۔ مگر پیٹریشیا ساکن چہرے پر تاثرات لیے بیٹھی رہی جب تک رونے کی آواز رک نہ گئی اور مسز میک گی آہ بھر کر میز سے برتن اٹھانے لگی تب تک وہ کچھ نہ بولی۔اس کے بعد پیٹریشیا نے برتن دُھلوانے کی آفر کی۔

مسز میک گی ان سب کو جنازے میں پہننے کے لیے نئے جوتے دلوانے نیچے قصبے میں لے گئی۔ پیٹریشیا جنازے میں نہیں جانے والی تھی کیوں کہ لیونا نے کہا تھا جب تک وہ زندہ ہے دوبارہ پیٹریشیا کو نہیں دیکھنا چاہتی، مگر وہ اسے بھی ساتھ لے گئی کیوں کہ وہ اسے گھر پر اکیلے چھوڑنا مناسب نہ سمجھتی تھی۔

مسز میک گی نے انھیں دکان پر بٹھایا اور دکان کے مالک کو ساری صورت حال بتائی۔ وہ دونوں سرگوشی میں افسوس کا اظہار کرتے رہے۔ دکان دار نے بچوں کو اپنے جوتے اور جرابیں اُتارنے کا کہا۔ جارج اور آئرین نے اپنے جوتے اُتار کر مٹی بھرے پاؤں باہر نکالے۔ پیٹریشیا نے مسز میک گی کے کان میں سرگوشی کی کہ اسے واش روم جانا ہے۔مسز میک گی نے اسے بتایا کہ یہ دکان کے عقب میں ہے۔

پیٹریشیا وہاں گئی اپنے جوتے اور جرابیں اُتاریں اور ٹھنڈے پانی سے جس قدر پاؤں دھو سکتی تھی، دھو کر آ گئی۔ واپسی پر اس نے مسز میک گی اور دکان دار کو سرگوشی نما انداز میں کہتے سنا ''تم اس بستر کی حالت دیکھتے جن پر میں نے انھیں سلایا تھا''۔ پیٹریشیا ان کے پاس سے ایسے گزر گئی جیسے اس نے ان کی کوئی بات نہ سنی ہو۔

آئرین اور جارج نے بند جوتے خریدے۔ پیٹریشیا نے اپنی مرضی کا پٹی والا جوتا خریدا اور شیشے میں اسے دیکھا۔ وہ آگے پیچھے چل کر اسے دیکھتی رہی جب تک کہ مسز میک گی نے کہہ نہ دیا ''پیٹریشیا جوتا بالکل ٹھیک ہے''۔ساتھ ہی اس نے مدھم آواز میں دکان سے باہر نکلتے ہوئے دکان دار سے کہا ''کیا آپ یقین کریں گے''؟

جنازے کے بعد وہ اپنے گھر چلے گئے ،عورتوں نے گھر کی صفائی کر دی اور بنی کی چیزیں ہٹا دی تھیں ۔ان کا والد جنازے کے بعد کثرتِ شراب نوشی کے باعث بیمار ہوکر گھر سے دور عقبی شیڈ میں پڑا تھا۔ان کی ماں کو زبردستی سُلایا گیا تھا۔وہ تین دن کمرے میں پڑی رہی اور بچوں کی پھوپھونے اُن کے گھر کی دیکھ بھال کی۔

لیونا نے ان سے کہا وہ پیٹریشیا کو اس کے کمرے کے قریب پھٹکنے نہ دے۔اس نے چلاتے ہوئے کہا اسے اوپر مت آنے دینا میں اسے دیکھنا نہیں چاہتی۔میں ابھی تک اپنے بیٹے کو بھولی نہیں۔

پیٹریشیا نے اوپر جانے کی کوشش نہیں کی۔اس نے کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کی۔وہ اپنے بالوں کو سنوار کر میگزین کی طرف دیکھتی رہی۔اگر کوئی رو رہا ہوتا تو وہ غور نہ کرتی۔اس کے لیے تو ایسے تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

میٹ لینڈ ویلی انٹرٹینمنٹ کا منیجر لیونا سے ملنے آیا اور اسے بتایا کہ وہ ایک بہت بڑا کنسرٹ کرنے جا رہے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ پیٹریشیا بھی اس میں گانا گائے،اگر وہ مناسب سمجھے۔لیونا نے کہا وہ اس بارے میں سوچ کر بتائے گی۔وہ بستر سے اُٹھی اور سیڑھیوں سے نیچے گئی۔پیٹریشیا سر جھکائے ہاتھ میں میگزین پکڑے صوفہ پر بیٹھی تھی۔

لیونا نے کہا تمھارے بال بس ٹھیک ہی بنے ہیں۔مجھے لگتا ہے تم خود ہی کوشش کرتی رہی ہو۔جاؤ کنگھی لے کر آؤ میں تمھارے بال بنا دوں۔

اس نے پیٹریشیا کی پھوپھو سے کہا،زندگی کیا ہے؟ آپ کو گزارنا پڑتی ہے۔

وہ نیچے قصبے میں گئی اور کچھ گانوں کے البم خرید کر لائی۔دو گانوں کا البم۔اس نے پیٹریشیا سے ان دکھی گانوں کو یاد کرنے کا کہا۔پھر پیٹریشیا نے یہی گانے کنسرٹ میں بھی گائے۔ سامعین نے آپس میں سرگوشیاں شروع کر دیں کیوں کہ وہ اخبار میں بنی کے بارے میں بھی پڑھ چکے تھے انھوں نے لیونا کی طرف اشارہ کیا جس نے بہترین لباس پہن رکھا تھا اور سر جھکائے رو رہی تھی۔شائقین میں سے بھی کچھ رونے لگے۔مگر پیٹریشیا نہیں روئی۔

نومبر کے پہلے ہفتے میں ابھی برف باری نہیں ہوئی تھی۔ایک آدمی اپنا چھکڑا لیے ہائی وے کی جانب سے چلتا آ رہا تھا۔صحن میں کھیلتے بچوں نے اس کے آنے کی آواز سنی۔ابھی وہ سڑک سے کافی دور تھا مگر اس کی سوگوار آواز یہاں سن رہی تھی۔یہ اتنی عجیب تھی کہ اگر ان کو یہ پتا ہوتا کہ یہ

کون ہے تو وہ سمجھتے کوئی دیوانہ کھو گیا ہے۔ اس نے وہی دھبوں والا کوٹ اور وہی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ وہ آیا اور آواز دینے لگا۔ بچے اپنے گھروں میں چھریاں اور قینچیاں لینے بھاگے، کچھ گرم جوشی سے بھاگے، بوڑھا براؤن، بوڑھا براؤن (یہ اس کا نام تھا)۔

اسی وقت پیری کے صحن میں پیٹریشیا نے چلانا شروع کر دیا ''مجھے اس بوڑھے آدمی سے نفرت ہے، میں اس سے نفرت کرتی ہوں'' وہ چلاتی ہوئی بار بار دُہرا رہی تھی۔ چلاتے ہوئے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا یہ لرزہ خیز چیخیں سن کر لیونا اور ہمسائے بھاگے چلے آئے اور اسے گھر کے اندر لے گئے۔ وہ چیختی جا رہی تھی۔ وہ اس سے نہ پوچھ سکے کہ کیا معاملہ ہے۔ انھوں نے سوچا اسے کسی قسم کا دورہ پڑا ہے۔

اس کی آنکھیں کھینچی ہوئی، منہ کھلا ہوا اور دانت پیستے ہوئے، غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ کسی جانور کی طرح نظر آ رہی تھی۔ انھوں نے اسے بلانے کی کوشش کی، اس کے منہ پر ہلکے ہلکے طمانچے لگائے، اس کے چہرے پر ٹھنڈا پانی پھینکا آخر اسے وہسکی بھرا سیرپ دینا پڑا تا کہ وہ پُر سکون ہو جائے اور اسے بستر پر لٹا دیا۔

گھر واپس جاتے ہوئے رستے میں ہمسایوں نے آپس میں کہا یہ لیونا کی انعام یافتہ گلوکارہ لڑکی ہے۔ کیوں کہ چیزیں دوبارہ نارمل ہو چکی تھیں اور وہ لیونا کو پھر سے پہلے کی طرح ناپسند کرتے تھے۔ وہ افسردگی بھرے لہجے سے ہنسے اور کہا'' ہاں مستقبل کی مووی اسٹار کو صحن میں چلاتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے''۔

یہ گھر اور باقی لکڑیوں کے بنے گھر جن پر کبھی رنگ نہیں کیا گیا تھا، ڈھلوانی چھتوں والے تھے۔ ان کی چمنیوں سے دھواں باہر آ رہا تھا اور بچوں کے چہرے دُھندلے دُھندلے نظر آ رہے تھے۔ ان گھروں کے عقب میں زمین کی ایک پٹی تھی جہاں کہیں کہیں ہل چلایا گیا تھا۔ یہ پتھریلی تھی۔ اس کے پیچھے صنوبر کے درخت تھے۔ ان گھروں کے سامنے صحن اور باغیچے تھے جہاں سے ہائی وے قصبے کی طرف جاتی تھی۔ ہلکی ہلکی برف باری شروع ہو گئی۔ برف کے یہ گولے بڑے سے چھوٹے اور پھر مزید چھوٹے ہوتے گئے۔ جو سخت پتھریلی زمین پر پگھلتے نہیں۔

احساسِ دوستی

مائرہ سیلا میری اسکول کی کلاس میں دو یا تین سال سے نظر آ رہی تھی مگر مجھے نہیں معلوم وہ اس قصبے میں کب آئی تھی۔ مجھے وہ تب سے یاد ہے جب اس کا بھائی پہلی کلاس میں پچھلے سال اسکول میں داخل ہوا۔جمی سیلا چھٹی کلاس میں آ کر اپنی بہن مائرہ کا پوچھتا جو اسے باتھ روم لے کر جاتی۔ وہ اکثر کلاس روم نہ پہنچ پاتا کہ اس کی پینٹ پر ایک گہرا دھبہ نظر آنے لگتا۔ تب مائرہ ٹیچر کے پاس جا کر پوچھتی،''میرے بھائی نے اپنے کپڑے خراب کر لیے ہیں کیا میں اسے گھر لے جا سکتی ہوں''؟

یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا جب اس نے یہ بات کہی۔ اگرچہ اس کی آواز دھیمی تھی مگر پہلی قطار میں موجود ہر ایک نے اسے سنا اور زیرِلب مسکرانے لگا جس سے باقی ساری کلاس بھی متوجہ ہوگئی۔ ہماری ٹیچر، باریک فریم والا چشمہ پہنے کسی زرافے کی طرح سیدھی کھڑی تھی۔ اس نے کاغذ پر کچھ لکھ کر مائرہ کو دیا جسے اس نے دہرایا''ٹیچر میرے بھائی کے ساتھ ایمرجنسی ہوگئی ہے''۔ ہر کوئی جیمی سیلا کے بارے میں جانتا تھا۔تفریح کے وقت وہ باہر گراؤنڈ میں جانے سے کتراتا جہاں باقی بچے اس کا مذاق اڑانے اور تنگ کرنے کے لیے موجود ہوتے۔ اسے مائرہ کے ساتھ رہنا پڑتا۔ اسکول میں لڑکے اور لڑکیوں کا الگ الگ بلاک تھا کوئی ایک دوسرے کے بلاک میں نہیں جا سکتا تھا۔ نہ جمی مائرہ کے بلاک میں، نہ مائرہ جمی کے بلاک میں۔ سوائے برف باری اور بارش کے دنوں میں۔ کوئی طالب علم تفریح کے دوران کلاس روم میں بھی نہیں رک سکتا تھا۔ گراؤنڈ میں سب کی حاضری ضروری ہوتی تھی۔ لہٰذا جمی اور مائرہ ہر روز تفریح کا وقت گراؤند جانے کی بجائے دونوں بلاک کی مشترکہ ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر گزارتے تھے۔ وہ دوسروں کو بیس بال کھیلتے دیکھا کرتے تھے۔ کبھی ان دونوں بہن بھائیوں کو اچھلتے کودتے یا برف کے ساتھ کھیلتے نہ دیکھا تھا۔ جب کبھی ان پر نظر پڑی، ان کے چہرے جھکے ہوئے اور وجود ساکن نظر آتے تھے۔ وہ لمبے، بیضوی، اداس چہرے والے دو بہن بھائی تھے، جو اسکول میں سب بچوں سے الگ نظر آتے تھے۔ جمی کے بال لمبے تھے

جو گھر پر تراشے گئے تھے۔ مائرہ کے بالوں کی چوٹیاں اس طرح نظر آتیں جیسے کسی نے اپنے سر پر خود سے بڑی پگڑیاں بنا رکھی ہوں۔ ان دونوں کی نظریں ہمیشہ جھکی رہتیں۔ وہ پرانے زمانے کی پینٹنگ میں نظر آنے والے بچے دکھائی دیتے تھے یا وہ جادو کے لیے تراشے گئے بُت نظر آتے جن کے چہرے بے تاثر ہوتے ہیں۔ ہمارے اسکول میں استانیاں لمبے عرصے سے پڑھا رہی تھیں۔ وہ تفریح کے وقت بچوں کو گراؤنڈ میں چھوڑ کر خود اسٹاف روم کا رُخ کرتی تھیں۔ مگر ہماری ٹیچر نوجوان تھی اس نے سنہرے فریم والی عینک لگائی ہوتی۔ وہ ہمیں کھڑکی سے دیکھتی اور بعض اوقات پریشان ہو کر چھوٹی بچیوں کے درمیان لڑائی ختم کرانے یا بڑے بچوں کے دوران کھیل شروع کرانے آجاتی تھی۔ ایک دن وہ باہر آئی اور کہا ''چھٹی کلاس کی لڑکیو میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں''۔ وہ مسکرائی اور اس کے دانت چمکنے لگے۔ اس نے کہا، چھٹی کلاس میں ایک لڑکی مائرہ سیلا ہے۔ وہ تمھاری کلاس فیلو ہے ناں؟ ہم سرگوشیاں کرنے لگے۔ گلیڈ یز بیلے نے کہا، ''جی ہاں مس ڈارلنگ''۔

''اچھا وہ کبھی تمھارے ساتھ کھیلتی نظر نہیں آئی؟ ہر روز وہ ڈیوڑھی میں کھڑی نظر آتی ہے۔ کیا تمھیں لگتا ہے اسے وہاں کھڑے رہنے میں خوشی محسوس ہوتی ہے؟ کیا تمھیں لگتا ہے اگر تم میں سے کسی کو وہاں اکیلا چھوڑ دیا جائے تو تمھیں کیسا لگے گا''؟

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہمیں مس ڈارلنگ کا یہ سوال کچھ غیر اہم لگا۔ گلیڈ یز بیلے نے کہا ''مس ڈارلنگ مائرہ کو اپنے چھوٹے بھائی کی دیکھ بھال کرنا ہوتی ہے۔ اس لیے وہ ہمارے ساتھ نہیں آسکتی''۔ مس ڈارلنگ نے افسوس سے کہا ''اوہ خیر......! پھر بھی تمھیں اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا چاہیے۔ تم سمجھ رہی ہو؟ تم سب میری بات مانو گی؟ کیا تم سب اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ گی؟ مجھے معلوم ہے تم میری بات پر عمل کرو گی''۔ بیچاری مس ڈارلنگ کی کوشش کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔

جب وہ چلی گئی گلیڈ یز بیلے نے کہا، ''کیا تم اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کی کوشش نہیں کرو گی؟ مجھے معلوم ہے تم کرو گی۔ مجھے اس سے فرق نہیں پڑے گا بارش ہو یا شدید ٹھنڈ، اس نے چیختے ہوئے کہا۔ اس نے اپنی خوب صورت سکرٹ کو لہراتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔ مسٹر بیلے گلیڈ یز بیلے کا باپ تھا اس کا زنانہ لباس کا کاروبار تھا اور اس کی بیٹی ہماری کلاس کی لیڈر تھی۔ وہ ہمیشہ خوب صورت لباس پہنتی۔ وہ نوجوانی میں قدم رکھ رہی تھی جس کی وجہ سے وہ مزید پُر کشش نظر

آتی تھی۔ ہم سب مس ڈارلنگ کی نقل اُتارنے لگے۔

ہم نے اس سے پہلے کبھی مائزہ کی طرف توجہ نہ دی تھی۔ مگر اب یہ ہمارے لیے کھیل بن چکی تھی۔ ہم ہمیشہ مذاق میں کہتے ''مائزہ کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا''۔ پھر ہم تین یا چار کا گروپ بنا کر اس کے پاس جاتے اور ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہوئے کہتے، ''ہیلو مائزہ ہیلو مائزہ'' ''تم نے اپنے بال کس سے دھوئے ہیں؟ مائزہ یہ بہت چمک رہے ہیں''۔ اوہ......! اس نے اپنے بال مچھلی کے تیل سے دھوئے ہیں، ایسا ہی ہے ناں مائزہ، تمھیں اس کی بو سے اندازہ نہیں ہوتا''۔

یہ سچ تھا کہ مائزہ سے عجیب گلے سڑے پھلوں کی بو آتی تھی۔ اصل میں سیلا خاندان کا پھلوں کا اسٹور تھا۔ اس کا باپ سارا دن کھڑکی کے پاس اپنے بڑے پیٹ پر کھلی شرٹ پہنے بیٹھا رہتا۔ وہ لہسن چباتا رہتا۔ جب آپ اُن کے اسٹور پر جائیں تو بال پیچھے باندھے، ہونٹوں پر کھلی مسکراہٹ سجائے، مسز سیلا گاہکوں کو خوش آمدید کہتی۔ اپنی تیز آواز میں چیزوں کی قیمت بتاتی۔ گاہک کے بحث نہ کرنے پر اسے پھلوں کا تھیلا دے دیتی۔

سردیوں کی ایک صبح میں اسکول کے لیے جا رہی تھی۔ قصبے میں کسی نے مجھے اسکول تک چھوڑ دیا۔ قصبے سے کوئی آدھا میل دور ایک فارم پر میری رہائش تھی۔ میں قصبے کے اسکول میں داخل ہونے سے قبل گھر کے قریب ایک چھوٹے اسکول جاتی تھی جہاں ہم آدھ درجن طلبا تھے اور صرف ایک اُستانی ہمیں پڑھایا کرتی تھی۔ میری ماں ایک بلند ہمت خاتون تھی۔ اس نے قصبے کے اسکول میں داخلے کے لیے درخواست دی اور میرے باپ سے فیس بھرنے کا کہا جو کچھ زیادہ تھی۔ اس طرح میں چھوٹے اسکول سے قصبے والے بڑے اسکول میں داخل ہوگئی۔ میں کلاس کی واحد لڑکی تھی جو کھانے کے لیے لنچ بوکس میں سینڈوچ لے کر آتی اور بہار کے موسم میں بھی جب سڑکیں کیچڑ آلود ہوتیں مجھے ربڑ کے جوتے پہننا پڑتے تھے۔ اس کی وجہ سے میری عجیب سی کیفیت ہوتی جسے اب بتانا ممکن نہیں ہے۔

پہاڑی پر اپنے سے کچھ قدم آگے اسکول کی طرف جاتے ہوئے میں نے جمی اور مائزہ کو دیکھا۔ وہ بہت جلدی صبح سویرے اسکول روانہ ہو جاتے تھے۔ بعض اوقات اتنا جلدی اسکول پہنچ جاتے کہ گیٹ کیپر کے آنے سے پہلے گیٹ کھلنے کا انتظار کرتے اور اسکول کے باہر کھڑے رہتے۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ مائزہ آدھی گھوم گئی۔ میں اکثر اسی رستے سے جاتی تھی اور اپنے پیچھے آنے والی لڑکی کے ساتھ مل کر جانا پسند کرتی تھی مگر مجھے ایسا کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔

آج مجھے محسوس ہوا کہ مائرہ بھی اسی کش مکش میں ہے وہ بھی میرے ساتھ چلنا چاہ رہی ہے۔مگر ہمت کرنے سے قاصر ہے۔ میں نہیں جانتی تھی ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا۔ میں اس کے ساتھ چلنا چاہتی تھی نہ چلنے کی متحمل ہوسکتی تھی مگر اس کے پرامید انداز میں پیچھے کی طرف گھوم کر دیکھنے سے میرا دل نرم ہوگیا تھا۔ میرے لیے ایسی صورت حال پیدا ہوگئی تھی جسے پورا کرنے سے خود کو روکنا میرے بس میں نہیں تھا۔ میں نے اپنے دل میں کسی کی خیر خواہی کا ایک خوش گوار احساس محسوس کیا تھا۔ اِس سے پہلے میں سمجھ سکتی کہ میں کیا کر رہی ہوں میں نے پکارا ''سنو مائرہ میرا انتظار کرو، میرے پاس مکئی کے بھنے ہوئے دانے ہیں''۔ جیسے ہی وہ رُکی میں جلدی سے اُس کی طرف لپکی۔

مائرہ میری طرف دیکھے بغیر ٹھہر گئی جیسا ہم نے اسے ہمیشہ سے دیکھا تھا۔ وہ سرد مہری سے میرا انتظار کرنے لگی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ میں اُس کے ساتھ مذاق کر رہی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے وہ سوچ رہی ہو میں اس کے منہ پر بُھنے ہوئے دانوں کا خالی پیکٹ پھینک کر بھاگ جاؤں گی۔ میں نے پیکٹ کھولا اور اس کے آگے پیش کر دیا۔ اس نے تھوڑے سے دانے لیے۔ جمی نے اُس کے کوٹ کے پیچھے سے جھانکا۔ میں نے اسے بھی دانوں کی پیش کش کی مگر اس نے ان میں سے کچھ نہ لیا۔

میں نے کہا'' یہ بہت شرمیلا ہے۔ اس عمر میں بچے شرمیلے ہوتے ہیں یہ کسی دن بڑا ہو جائے گا''۔

''ہاں''۔ مائرہ نے کہا۔

میں نے دل رکھنے کے لیے کہا'' میرا بھی ایک بھائی بہت شرمیلا ہے۔ تم کچھ اور دانے لو۔ میں یہ ہمیشہ کھاتی رہتی تھی مگر اب زیادہ نہیں کھاتی۔ میرا خیال ہے ان کو زیادہ کھانے سے رنگت خراب ہوسکتی ہے''۔

ایک گہری خاموشی کے بعد مائرہ نے دھیمے لہجے میں کہا'' کیا تمھیں آرٹ پسند ہے''؟

''نہیں مجھے معاشرتی علوم، املا، ہجے کرنا اور ہیلتھ جیسے مضامین میں دل چسپی ہے''۔

'' مجھے آرٹ اور ریاضی پسند ہے''۔ مائرہ نے کہا۔ مائرہ ہماری کلاس میں کسی کے بھی مقابلے میں زیادہ تیزی سے جمع تفریق کر سکتی تھی۔

میں نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا'' کاش میں ریاضی میں تمھارے جیسی

ہوتی......!''

مائرہ نے جواب دیا مگر میں املا اور ہجوں میں اچھی نہیں ہوں۔سب سے زیادہ غلطیاں میں ہی کرتی ہوں،شاید میں فیل ہو جاؤں۔یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں ہلکی ہلکی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔وہ مجھے دیکھنے کی بجائے وکٹوریہ اسٹریٹ کے ساتھ ساتھ جمی ہوئی گندی برف کو دیکھتی جا رہی تھی۔جب وہ بات کر رہی تھی تو اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر انھیں تر کر رہی تھی۔

میں نے کہا'تم ریاضی میں بہت اچھی ہو۔تم فیل نہیں ہو سکتی۔تم بڑی ہو کر کیا بننا چاہتی ہو''؟

وہ کچھ پریشان ہو گئی اور اس نے کہا''میں اپنی ماں کی مدد کروں گی اور اسٹور میں کام کروں گی''۔

میں نے کہا''خیر میں ایئر ہوسٹس بنوں گی۔مگر کسی سے اس بارے بات میں مت کرنا میں نے اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا''۔

مائرہ نے جواب دیا''نہیں، میں نہیں بتاؤں گی۔کیا تم اخبار میں اسٹیو کینن کو پڑھتی ہو''؟

''ہاں''۔''کیا تم رِپ ،کر بے کو پڑھتی ہو''؟ یہ سوچنا ہی عجیب تھا کہ مائزہ بھی کچھ پڑھتی ہے یا اسکول جانے کے علاوہ بھی کچھ اور کرتی ہے۔

''کیا تم اورفن عینی کو پڑھتی ہو''؟

''کیا تم بیٹسی اور دی بوائز کو پڑھتی ہو''؟

میں نے کہا''تم بالکل دانے نہیں لے رہی، کچھ تو مٹھی بھر لو''۔

مائرہ نے پیکٹ کے اندر جھانکا اور کہا''اس کے اندر ایک انعام ہے''۔اس نے اسے باہر نکالا یہ چھوٹا سنہرے رنگ کا مختلف نگینے جڑا، تتلی کی شکل کا ایک بروچ تھا۔اس نے مسکراتے ہوئے آہستہ سے اپنی سانولی ہتھیلی پر اُسے رکھا۔

میں نے پوچھا''کیا تمھیں یہ پسند ہے''؟

مائرہ نے جواب دیا''مجھے یہ نیلے پتھر پسند ہیں۔یہ نیلم ہوتے ہیں''۔

''میں جانتی ہوں، نیلم تاریخ پیدائش کے حساب سے میرا موافق پتھر ہے۔تمھارا کون سا پتھر ہے''؟

''میں نہیں جانتی''۔

''تمھاری سال گرہ کب ہے''؟

''جولائی''۔

''پھر تمھارا پتھر تو روبی ہے''۔

مائرہ نے کہا ''مجھے نیلم، تمھارا پتھر پسند ہے''۔اس نے بروچ مجھے دیتے ہوئے کہا۔

میں نے کہا ''تم اسے رکھ لو، جو جسے مل گیا وہ اسی کا ہوتا ہے''۔

مائرہ نے نہ سمجھتے ہوئے اسے پکڑ لیا ''جسے مل گیا وہ اسی کا ہوتا ہے''۔ میں نے دہرایا۔

مائرہ نے ڈرے اور ٹھنڈے لہجے میں کہا ''یہ تمھارا پیکٹ تھا، اسے تم نے خریدا تھا''۔

''خیر اسے ڈھونڈا تم نے ہے''۔

''نہیں'' مائرہ نے کہا۔

میں نے بروچ دوبارہ اسے تھماتے ہوئے کہا ''جانے بھی دو، میں یہ تمھیں دے رہی ہوں''۔

ہم دونوں حیران تھے۔ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ مجھے تھوڑی جھجک محسوس ہوئی۔ میں نے یہ احساس اس کی اُنگلیوں کو چُھوتے ہوئے محسوس کیا۔ میں کچھ گھبرا بھی رہی تھی مگر کوئی بات نہیں۔ میں نے سوچا، میں باقی دنوں میں بھی صبح جلدی آ کر اس کے ساتھ چل سکتی ہوں۔ میں تفریح میں بھی اس کے ساتھ بات کر سکتی ہوں۔ کیا میں نہیں کر سکتی؟

مائرہ نے بروچ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا ''میں اسے اپنے بہترین لباس پر لگاؤں گی جو نیلے رنگ کا ہے''۔

میں جانتی تھی کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ مائرہ نے اپنا بہترین لباس اسکول میں پہنا، ابھی سردی کا موسم درمیان میں تھا۔ سب لوگوں نے اونی کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ نیلے رنگ کے قدرے باریک لباس میں اُداس نظر آ رہی تھی۔ میں خوش تھی کہ اس نے بروچ نہیں لگایا تھا۔ اگر کسی کے پوچھنے پر وہ بتا دیتی کہ وہ اُسے میں نے دیا ہے تو میں سب کو کیا جواب دیتی۔

اس سے اگلے دن اور پورا ہفتہ مائرہ اسکول نہیں آئی۔ وہ اکثر گھر پر اپنی ماں کی مدد کرتی تھی۔ اس بار وہ واپس نہیں آئی۔ پہلے ایک ہفتہ، پھر دو ہفتے، اس کی جگہ خالی رہی پھر ایک دن اسکول میں اس کے ڈیسک سے کتابیں اُٹھا کر الماری میں سجا دی گئیں اور مِس ڈارلنگ نے کہا

''جب وہ واپس آئے گی تو ہم اس کے لیے جگہ بنا لیں گے''۔ پھر حاضری کے وقت انھوں نے مائرہ کا نام پکارنا بند کر دیا۔ جمی سیلا بھی اس کے بعد اسکول میں نظر نہیں آیا۔ شاید اس لیے کہ اب اسے کوئی باتھ روم لے جانے والا نہیں تھا۔ مائرہ کو گئے چار یا پانچ ہفتے ہوئے ہوں گے کہ ایک دن گلیڈ یز ہیلے اسکول آئی اور کہا ''کیا آپ جانتی ہیں مائزہ سیلا ہسپتال میں داخل ہے''۔

یہ سچ تھا گلیڈ یز ہیلے کی آنٹی ایک نرس تھی۔ گلیڈ یز نے املا کے دوران اپنا ہاتھ روک کر مِس ڈارلنگ سے کہا ''میں نے سوچا آپ اس بارے میں جاننا چاہیں گی''؟ مس ڈارلنگ نے جواب میں کہا ''اوہ ہاں، مجھے معلوم ہے''۔

ہم نے گلیڈ یز سے پوچھا ''اسے کیا ہوا ہے''؟

جس کے جواب میں گلیڈ یز نے کہا ''خون کی کمی، جس کی وجہ سے اسے خون کی بوتلیں لگ رہی ہیں''۔ اس نے مس ڈارلنگ کو بتایا کہ ''میری آنٹی ایک نرس ہے''۔

مس ڈارلنگ نے پوری کلاس سے مائرہ کو ایک خط لکھنے کا کہا جس میں ہر ایک نے لکھا ''پیاری مائرہ، ہم سب تمھیں خط لکھ رہے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں تم جلد ٹھیک ہو کر واپس اسکول آؤ گی، تمھاری خیر خواہ''۔

پھر مس ڈارلنگ نے کہا ''میں کچھ سوچ رہی ہوں، کون کون ۲۰ مارچ کو سال گرہ منانے اور ہسپتال مائرہ سے ملنے جانا پسند کرے گا''؟

میں نے کہا ''اس کی سال گرہ تو جولائی میں ہے''۔

مِس ڈارلنگ نے جواب دیا ''میں جانتی ہوں یہ ۲۰ جولائی کو ہے، مگر اس مرتبہ ہم ۲۰ مارچ کو ہی منا لیں گے کیوں کہ وہ بیمار ہے''۔

میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا ''مگر اس کی سال گرہ تو جولائی میں ہے۔''

مس ڈارلنگ نے قدرے تنبیہی لہجے میں کہا ''کیوں کہ وہ بیمار ہے......! ہسپتال کا باورچی کیک بنا دے گا اور تم سب اسے ۲۵ سینٹ یا کوئی تحفہ دے سکتے ہو؟ ہمیں دو سے چار بجے کے درمیان جانا ہوگا، کیوں کہ اس دوران میں مریض سے ملنے کی اجازت ہوتی ہے۔ ہم سب نہیں جا سکتے کیوں کہ ہم زیادہ ہیں تو بتاؤ کون جانا چاہتا ہے اور کون یہاں رُک کر پڑھنا چاہتا ہے''؟

ہم سب نے ہاتھ لہرائے۔ مس ڈارلنگ نے ہمارے املا کی کارکردگی کے مطابق پہلے ۱۵ بچے چُنے جن میں ۱۲ لڑکیاں اور ۳ لڑکے شامل تھے۔ ان تین لڑکوں نے جانے سے انکار کر دیا تو

اگلی تین لڑکیاں چُنی گئیں۔ میں نہیں جانتی کہ یہ کب ہوا مگر میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ مائرہ سیلا کی سال گرہ کی دعوت اہم موقع بن گئی ہے۔

یہ شاید اس وجہ سے تھا کہ گلیڈ یز ہیلے کی آنٹی نرس تھی یا پھر کسی بیار کو ہسپتال میں ملنے کا جوش وخروش تھا، ایک حقیقت تھی کہ مائرہ ہماری طرح فی الوقت تمام اصولوں اور شرطوں سے آزاد تھی۔ ہم اس کے بارے میں بات کرنے لگے جیسے ہم پر اس کا کوئی قرض ہو اور یہ سال گرہ اس کی ادائیگی کا بہانہ ہے۔ ہم نے تفریح کے وقت اس بارے میں بات کی اور فیصلہ کیا کہ ۲۵ سینٹ تو بہت کم ہیں۔

ایک شام جب برف پگھل رہی تھی ہم سب اپنے والدین کے ساتھ ہسپتال گئے ایک نرس ہال کے اَدھ کھلے دروازے سے آہستہ آہستہ بولتی ہاتھ میں ایک فائل پکڑے ہمیں ساتھ لیے اوپر آ گئی۔ وہ اور مِس ڈارلنگ ہمیں بار بار کہتے ''شش، شش''۔ ہم اپنے پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ ہسپتال میں ہمارا برتاؤ بہترین تھا۔

اس ہسپتال میں چھوٹے بچوں کے لیے کوئی وارڈ نہیں تھی۔ مائرہ بالکل بچی نہیں تھی۔ انھوں نے اسے دو بوڑھی عورتوں کے ساتھ رکھا تھا۔ جب ہم آئے تو ایک نرس ان کے اردگرد پردے لگا رہی تھی۔

مائرہ ہسپتال کا ڈھیلا سا لباس پہنے بستر پر بیٹھی تھی۔ اس کے بال اور چوٹیاں اس کے کندھوں پر لٹک رہی تھیں مگر اس کے چہرے کے تاثرات برقرار تھے۔ مِس ڈارلنگ کا کہنا تھا کہ مائرہ کو دعوت کے بارے میں بتا دیا جائے گا تا کہ ہمارا اچانک جانا اسے پریشان نہ کرے۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے اس بات کا یقین نہیں تھا یا وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔ وہ ہمیں ایسے ہی دیکھ رہی تھی جیسے کبھی اسکول کے گراؤنڈ میں کھیلتے دیکھا کرتی تھی۔

مِس ڈارلنگ نے کہا، دیکھو ہم آئے ہیں''۔

ہم ایک ساتھ پکارے سال گرہ مبارک ہو مائرہ۔ سال گرہ مبارک ہو۔ جواباً مائرہ نے کہا ''میری سال گرہ جولائی میں ہوتی ہے''۔ اس کی آواز پہلے سے زیادہ دھیمی اور بے تاثر تھی۔

مِس ڈارلنگ نے کہا ''اس بات کو بھول جاؤ کہ یہ حقیقت میں کب ہے، اسے آج ہی سمجھ لو۔ مائرہ تم کتنے سال کی ہو گئی ہو''؟ مائرہ نے کہا ''گیارہ سال کی، جولائی میں ہو جاؤں گی''۔

پھر ہم سب نے اپنے کوٹ اُتارے اور پھولوں سے سجے تحائف مائرہ کے بستر پر رکھ

دیے۔ کچھ بچوں کی ماؤں نے رِبن سے خوب صورت گرہ لگائے، کچھ نے نقلی گلاب اور چنبیلی کے پھولوں کے گل دستے پیش کیے۔ہم نے کہا،''یہاں ادھر دیکھو مائرہ، سال گرہ مبارک ہو''۔ مائرہ نے ہماری طرف دھیان نہ دیا وہ ان چمکتے گلابی اور نیلے رِبن کی طرف دیکھ رہی تھی یا ان چھوٹے چھوٹے پھولوں کے گل دستوں کی طرف جو اسے خوش کر رہے تھے۔ جیسے اُس تتلی کے بروچ نے اسے خوش کیا تھا۔اس کے چہرے پر ایک ادھوری معصوم سی مسکراہٹ اُبھری۔

مس ڈارلنگ نے کہا''انھیں کھولو مائرہ یہ تمھارے لیے ہیں''۔

مائرہ نے اپنے اردگرد اُن تحفوں کو اکٹھا کیا۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے انھیں چھو کر دیکھا اور ایک غیر متوقع فخر محسوس کیا اور کہا،''ہفتے کو میں لندن کے سینٹ جوزف ہسپتال جا رہی ہوں''۔

کسی کی طرف سے آواز آئی''وہاں پر میری ماں بھی ہے۔ہم اس سے ملنے گئے تھے۔ وہاں سب راہبائیں ہیں''۔

مائرہ نے پرسکون لہجے میں کہا''میری پھوپھی بھی ایک راہبہ ہے''۔

اس نے ایک ٹھنڈی گہری سانس لی اور ان تحفوں کو کھولنا شروع کیا۔ جس میں کچھ کتابیں، پہیلیاں اور کچھ تراشی ہوئی چیزیں تھیں جیسے اس نے کوئی انعام جیتا ہو۔مس ڈارلنگ نے کہا کہ اسے ہر تحفہ کھولتے ہوئے تحفہ دینے والے کا نام پکارتے ہوئے شکریہ ادا کرنا چاہیے تاکہ وہ جان سکے اسے کون سا تحفہ کس نے دیا ہے۔لہٰذا مائرہ نے تحفہ دینے والے کا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ میرے تحفے کو کھولنے لگی تو اس نے کہا''بہت شکریہ ہیلن''۔ ہر کسی نے اسے اپنے تحفے کے بارے میں پر جوش لہجے میں بتایا، پھر ایک کیک لایا گیا جس پر گلابی اور سفید رنگ سے ''سال گرہ مبارک ہو مائرہ'' لکھا گیا تھا اور گیارہ موم بتیاں لگائی گئی تھیں۔مس ڈارلنگ نے ان موم بتیوں کو جلایا۔ہم سب نے اس کے لیے سال گرہ کا گانا گایا اور کہا''مائرہ کوئی خواہش کرو، کوئی دعا مانگو''۔ مائرہ نے وہ تمام موم بتیاں بجھا دیں۔ہم سب نے کیک اور اسٹرابری آئس کریم کھائی۔

چار بجے ملاقات کا وقت ختم ہونے پر گھنٹی بج گئی۔ نرس بچا ہوا کیک اور برتن اٹھائے چلی گئی۔ہم نے گھر جانے کے لیے اپنے کوٹ پہن لیے۔سب نے کہا''خدا حافظ مائرہ''۔ مائرہ بیڈ پر بیٹھے ہمیں جاتے دیکھتی رہی۔ وہ کمر سیدھی کیے بغیر کسی تکیے کا سہارا لیے، اپنے تحفے ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی مگر دروازے سے نکلتے ہوئے میں نے اسے اپنا نام پکارتے سنا''ہیلن'' جسے میرے

علاوہ چند اور لوگوں نے بھی سنا۔مس ڈارلنگ نے نہیں سنا وہ باہر جا چکی تھی۔ میں واپس اس کی طرف لوٹی۔

مائرہ نے کہا''مجھے بہت سے تحائف ملے ہیں ان میں سے کوئی چیز تم رکھ لو''۔

میں نے جواب دیا''یہ کیا کہہ رہی ہو؟ یہ سب تمھارے لیے ہیں۔سال گرہ کے تحفے زیادہ ہی ہوتے ہیں''۔

مائرہ نے اصرار کیا''مگر تم کچھ لے لو''۔اس نے چمڑے سے بنا ایک پاؤچ اٹھایا جس میں ایک شیشہ، ایک کنگھی، ایک ناخن تراش، ایک سرخی اور ایک چھوٹا رومال تھا۔اس کے کناروں پر سنہرے رنگ کی کڑھائی کی گئی تھی۔میری نظر اس پر پہلے بھی پڑی تھی۔اس نے کہا''یہ تم رکھ لو''۔

''کیا تمھیں نہیں چاہیے''؟

''تم رکھ لو ناں''۔اس نے یہ میرے ہاتھ پر رکھا اور ہماری انگلیاں پھر سے ٹکرائیں۔

مائرہ نے کہا''جب میں لندن سے واپس آ جاؤں گی تو تم اسکول کے بعد میرے گھر آ کر میرے ساتھ کھیل سکتی ہو''۔

''ٹھیک ہے''میں نے کہا۔ہسپتال کی کھڑکی سے باہر گلی میں کسی کے برف سے کھیلنے کی آوازیں سنی جا سکتی تھیں جسے سن کر مائرہ کو خوشی اور اپنی جیت کا احساس ہو رہا تھا، سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے مستقبل میں میرے لیے اپنے پاس جگہ بنا لی تھی۔اسے میری شکل میں ایک دوست دکھائی دیتی تھی۔وہ مستقبل جو مجھے تاریک لگ رہا تھا۔بستر پر پڑے تمام تحفے مجھے اس تاریکی میں ڈوبتے نظر آ رہے تھے جن کا تبادلہ کرتے میں ڈر رہی تھی۔ میں یہ تحائف لینا بھی نہیں چاہتی تھی مگر مجھے کوئی بہانہ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے سوچا میں یہ کسی کو دے دوں گی۔ میں اس سے کبھی نہیں کھیلوں گی۔ میں اسے اپنے چھوٹے بھائی کو دے دوں گی تا کہ وہ اسے خراب کر دے۔

نرس چاکلیٹ والے دودھ کا گلاس لیے واپس آئی اور کہا''کیا مسئلہ ہے، کیا تم نے گھنٹی کی آواز نہیں سنی''؟

میں مائرہ کی ایک ان جانی، فخریہ مسکراہٹ سے بھرے اس وارڈ کی قید سے اور اپنے دل کی بغاوت سے یہ بات سن کر جیسے آزاد ہو رہی تھی۔ میں نے کہا''خیر بہت شکریہ، اس تحفے کا شکریہ، خدا حافظ''۔

کیا مائرہ نے کبھی خدا حافظ کہا؟ شاید نہیں۔ وہ اپنے اونچے بیڈ پر سانولی گردن جھکائے

اپنے سے بڑھے سائز کا ہسپتال کا لباس پہنے، اپنے بستر پر بیٹھی ہے۔ شاید اس کا دیا تحفہ بھلایا جا سکتا، یا کسی افسانے کی طرح خواب و خیال بن جاتا، مگر اس نے کبھی خدا حافظ نہیں کہا، کیوں کہ اسکول کے پیچھے ڈیوڑھی میں اب بھی اس کا احساس موجود ہے۔

میں ایک لڑکی ہوں

میرے والد لومڑیاں پالتے تھے۔ وہ اعلیٰ نسل کی لومڑیاں پالتے اور سردیاں آتے ہی اُن کو مار کر کھال اتارتے اور اچھے دام لگانے والے بیوپاریوں کو بیچ دیتے۔ ان بیوپاریوں کی کمپنیوں نے ہمیں بہت بڑے شان دار تصویروں والے کیلنڈر دیے تھے جو ہم نے کچن کے دروازوں پر لٹکا رکھے تھے۔ ٹھنڈے نیلے آسمان میں انگلینڈ یا فرانس کے جھنڈے لہراتے نظر آتے تھے جو یہاں دوسرے علاقوں سے آئے سیاحوں نے نصب کیے تھے۔

کرسمس آنے سے کئی ہفتے پہلے میرے والد رات کے کھانے کے بعد گھر میں کام کیا کرتے تھے۔ وہ گھر کے گودام میں کام کرتے تھے۔ یہ گودام سفید رنگ کا تھا جس میں میز پر ایک بلب لگا تھا۔ میں اور میرا بھائی لیئرڈ سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ کر اپنے والد کو کام کرتے ہوئے دیکھتے رہتے۔ وہ کھال اُتارتے تو کھال کے بغیر نیچے سے بہت چھوٹی چوہے جیسی کوئی چیز برآمد ہوتی۔ یہ اجسام اور کھالیں الگ کرنے کے بعد ان اجسام کو بوری میں بند کر کے زمین میں دفن کر دیا جاتا۔ ایک مرتبہ ان کے ملازم ہنری نے یہ بوری میری طرف کرتے ہوئے کہا ''یہ لو کرسمس کا تحفہ'' اور میری ماں کو یہ بہت ناگوار گزرا۔ اصل میں وہ یہ سب کام پسند ہی نہیں کرتی تھیں کہ لومڑیاں پال کر مارنے کے بعد ان کی کھالیں اُتاری جائیں۔ ان کی خواہش ہوتی کہ گھر کے اندر یہ کام نہ ہو کیوں کہ اس سے گھر میں بُو پھیل جاتی تھی۔ یہ کھال اُتارنے کا عمل مکمل کرنے کے بعد میرے والد نفاست سے خون کے دھبے صاف کرتے اور چربی اکٹھی کر کے اِسے ضائع کر دیتے تھے۔ لومڑیوں کے خون اور چربی کی تیز بو پورے گھر میں پھیل جاتی۔ مجھے یہ موسمی بو محسوس ہوتی جیسے ہر موسم میں کسی خاص پھل کی بُو ہوتی ہے۔

ہنری بیلے دمے کے مرض کا شکار تھا۔ وہ کھانستا ہی رہتا۔ یہاں تک کہ اس کا چہرہ سرخ اور نیلی آنکھیں پانی سے بھر جاتیں پھر وہ چولہا جلاتا اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہونے کے بعد بلغم کو سیدھا آگ میں تھوکتا۔ ہم اس کے اس کرتب، اس کے قہقہوں جن میں سیٹی بجنے اور غرارے کرنے جیسی آوازیں آتیں اور اپنے خراب سینے کی ناقص مشینری کو استعمال کرنے پر اس کی خوب

تعریف کرتے۔ یہ بتانا مشکل تھا کہ آخر وہ کس بات پر اتنا ہنستا تھا شاید وہ ہم پر ہی ہنسا کرتا تھا۔

رات بستر پر لیٹ جانے کے بعد بھی ہم لومڑی کی بُومحسوس کر سکتے اور ہنری کی ہنسی سن سکتے تھے۔ گھر میں ہم نیچے محفوظ رہتے اور سکون محسوس کرتے مگر سردیوں کی راتوں میں ہم چھت سے خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ ہمیں باہر چلتی تیز ٹھنڈی ہوا سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ باہر کی بجائے ہم گھر کے اندر موجود اس کمرے سے خوف زدہ ہوتے جس میں ہم سوتے تھے۔ اس وقت ہمارے گھر کے اوپر تعمیر مکمل نہیں ہوئی تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ اوپر کی طرف چمنی جاتی تھی۔ فرش کے درمیان میں خالی جگہ چھوڑ کر اس کے اردگرد ریلنگ تھی۔ سیڑھیوں کے ساتھ ایک طرف فالتو چیزیں رکھی تھیں جو کسی کے استعمال میں نہیں تھیں۔ میں لیئرڈ سے کہتی کہ جب تک بڑے ہو کر ہم ان چیزوں کو سمجھ سکیں گے تب تک یہاں شاید چمگادڑیں اپنا ڈیرہ جما لیں گی۔ جب بھی جیل سے کسی مجرم کے فرار ہونے کی خبر آتی میرے تصور میں آتا کہ وہ ہماری کھڑکی سے اندر آ کر یہیں کہیں چھپ گیا ہوگا۔ ہم نے اپنی حفاظت کے لیے کچھ تدابیر کر رکھی تھیں۔ روشنی جلنے کی صورت میں ہم اپنے کمرے کے اندر مکمل محفوظ تھے جب روشنی بند ہو جاتی تو واحد محفوظ جگہ ہمارا بستر ہوتا۔ مجھے جب بھی کمرے کی روشنی بجھانی ہوتی تو میں بیڈ کے آخری کونے سے لیمپ کے بٹن تک بہ مشکل پہنچ کر اسے بند کرتی۔

اندھیرے میں اپنے بستر پر لیٹے ہم چھت کی طرف سے آنے والی روشنی پر اپنی نگاہیں مرکوز کیے گانے گاتے تھے۔ لیئرڈ ''جنگل بیل'' گاتا جو کرسمس کا گانا ہے مگر وہ کرسمس کے علاوہ بھی ہر وقت گاتا رہتا۔ میں بھی گانا گاتی۔ مجھے اندھیرے میں اپنی گنگناتی آواز بہت پسند تھی۔ گانے کے کچھ بول میرے رونگٹے کھڑے کر دیتے اور میں ان کا مطلب بھی نہیں جانتی تھی۔

لیئرڈ گانا گاتے گاتے سو گیا تھا۔ میں اس کی سانسوں کی آواز سن سکتی تھی۔ یہ میرے لیے پورے دن کا سب سے بہتر وقت ہوتا تھا جب میں لحاف اوڑھے خود ساختہ کہانیاں سوچا کرتی۔ یہ کہانیاں ہر رات بدل جاتیں۔ یہ سب کہانیاں میری اپنی ذات کے متعلق ہوتی تھیں۔ میں تصور میں خود کو ہمت کے ساتھ دوسروں کی مدد کرتے دیکھتی جیسے کسی ایسی عمارت سے لوگوں کو بچا کر نکالنا جس میں بم پھٹا ہو۔ تصور میں ہی میں نے دو بھیڑیوں کا شکار کیا جو سکول میں گھس آئے تھے۔ میں گھڑ سواری کرتی اور کبھی نشانے باندھتی۔ جب کہ حقیقت میں صرف دو مرتبہ میں نے گھڑ سواری کی تھی وہ بھی بنا زین کے کیوں کہ وہ ہمارے پاس نہیں تھی۔ میں نشانہ باندھنا بھی سیکھ رہی

تھی۔ مگر میں کبھی نشانہ نہیں لگا پائی تھی۔

زندہ لومڑیوں کے لیے میرے والد نے فارم بنایا تھا۔ اس کے ارد گرد پرانے وقتوں کی باڑ لگی تھی اور اس کے دروازے کو باہر رات کے وقت تالہ لگا دیا جاتا تھا۔ گلی کے اطراف میں بڑے اور مضبوط جانوروں کے لیے باڑے بنائے گئے تھے ان کے دروازے بھی تھے اور ان میں سے بآسانی گزرا جا سکتا تھا۔ تاروں کے ساتھ ایک لکڑی کا تختہ بنا تھا جس پر لومڑیاں اٹھکھیلیاں کرتی تھیں۔ وہاں سوراخوں والا کپڑا لٹکایا گیا تھا جس میں وہ سوتی تھیں۔ کھانے اور پانی کے لیے برتن اس کے اندر رکھے گئے تھے جو باہر سے ہی خالی اور صاف کیے جا سکتے تھے۔ یہ برتن پرانے ٹن کین سے بنائے گئے تھے۔ یہ سب کچھ صاف ستھرا اور عقل مندی کا شاہ کار تھا۔ میرے والد بہت ذہین تھے اور وہ ایسے کامیاب تجربے کرتے تھے جیسا کہ پنجرہ کھولے بغیر لومڑیوں تک پانی پہنچانا وغیرہ۔ گرمیوں میں دن میں دو مرتبہ ان کو پانی پلانا میری ذمہ داری ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ صبح نو سے دس کے درمیان اور دوبارہ رات کے کھانے کے بعد تب لیئرڈ بھی میرے ساتھ آ جاتا تھا۔ وہ پانی کا برتن اتنا زیادہ بھر کر لے آتا کہ اس کے کپڑوں اور جوتوں پر گر رہا ہوتا جب کہ میں اتنا بھر کر نہیں لاتی تھی۔

تمام لومڑیوں کے نام تھے جو اُن کے پنجروں کے دروازوں پر لٹکتے برتنوں پر لکھے ہوتے تھے۔ یہ نام ان کی پیدائش پر نہیں بل کہ پہلے سال کھال اُترنے سے بچ جانے کے بعد رکھے جاتے اور ان کو مزید افزائش کے لیے الگ کر دیا جاتا۔ میرے والد نے، میں نے اور لیئرڈ نے الگ الگ لومڑیوں کے مختلف نام رکھے تھے۔

لومڑیوں کے نام رکھنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہماری گھر کی پالتو بن گئی ہیں۔ میرے والد کو دو مرتبہ کھانا دیتے وقت انھوں نے کاٹا بھی تھا اور اس سے ان کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ جب میں ان کے لیے کھانا لے کر جاتی تو وہ آگے پیچھے گھومنے لگتیں، رات کی بجائے وہ دن میں بہت کم آوازیں نکالتی تھیں۔ مگر وہ ہمیشہ اپنی چمکیلی سنہری آنکھوں سے میری طرف دیکھتی رہتیں۔ ان کی ٹانگیں دُبلی پتلی مگر دُم بہت گھنی تھی جو وہ اپنے اوپر لہرائے رکھتی تھیں۔ ان کے چہرے تیکھے تھے جس کی وجہ سے وہ چالاک دکھائی دیتی تھی۔

لومڑیوں کو پانی پلانے کے علاوہ میں اپنے والد کے ساتھ گھاس کاٹنے اور جانوروں کے باڑے میں اُگنے والی گھاس پھونس صاف کرنے میں بھی مدد کرتی تھی۔ وہ کاٹتے جاتے اور

میں ان کو اکٹھا کر کے ڈھیر بناتی جاتی۔ پھر وہ یہ سب باڑے کی چھت کے اوپر پھینک دیتے جس سے وہ ٹھنڈا رہتا اور لومڑیوں پر سایہ بھی رہتا۔ یہ گھاس بعد میں سورج کی روشنی سے سوکھ کر بھورے رنگ کی ہو جاتی تھیں۔ کام کی بات کرنے کے علاوہ میرے والد مجھ سے کوئی اور بات نہ کرتے تھے۔ اس معاملے میں وہ میری ماں سے یکسر مختلف تھے جو اگر خوش ہوتی تو ہر چھوٹی سے چھوٹی بات بھی مجھے بتاتی جیسا کہ اس کے بچپن کے پالتو کتے کا نام، جن سے اس کی دوستی رہی ان کے نام اور اپنے بہت پرانے پسندیدہ کپڑوں کے بارے میں جو اَب جانے کہاں تھے۔ میرے والد اپنے خیالات اور اپنی زندگی کے واقعات پر بات نہیں کرتے تھے اور میں جھجھک محسوس کرتے ہوئے ان سے سوال نہیں کرتی تھی۔ اس سب کے باجود میں فخر کے ساتھ اپنی مرضی سے ان کے ساتھ رہ کر کام کرتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک سیلز مین ہمارے فارم پر میرے والد سے کچھ بات کرنے آیا، میرے والد نے کہا ''میں تمھیں اپنے ساتھ کام کرنے والے فرد سے ملواتا ہوں''۔ میں جذباتی ہو کر خوشی سے سرخ چہرے کے ساتھ مڑی۔

سیلز مین نے کہا ''تم مجھے بے وقوف تو نہیں بنا رہے، میں اسے محض ایک لڑکی سمجھا تھا''۔

گھاس کاٹ لینے کے بعد میں سوچنے لگی۔ سال کافی گزر گیا تھا۔ صبح اصطبل کی طرف جاتے ہوئے میں نے سرخ ہوتے آسمان کی طرف دیکھا یہ خزاں کی آمد تھی۔ جب تک میں پانی بھر کے باہر نکل کر تالا لگا رہی تھی۔ تقریباً مکمل اندھیرا ہو چکا تھا۔ ایک رات میں نے گودام کے سامنے اپنے والدین کو کھڑے باتیں کرتے دیکھا۔ میرے والد گوشت خانے سے آئے تھے۔ ان کے لباس پر خون لگا ہوا تھا اور ہاتھ میں کٹے ہوئے گوشت کا پیالہ تھا۔

گودام میں ماں کو دیکھنا میرے لیے بہت عجیب بات تھی۔ عموماً وہ بلا ضرورت گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی سوائے دُھلے ہوئے کپڑے لٹکانے یا زمین میں آلوؤں کی پنیری لگانے کے۔ وہ یہاں کھڑی عجیب لگ رہی تھی۔ اس نے ابھی تک ایپرن باندھ رکھا تھا جو پیٹ کے اوپر گیلا تھا۔ وہ رات کے برتن دھو کر آئی تھی۔ اس نے اپنے بال باندھ رکھے تھے مگر کچھ لٹیں باہر آ رہی تھیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے بال باندھتی تھی کہ اس کے پاس ٹھیک سے بال بنانے کا وقت نہیں ہے اور یہ سچ بات تھی وہ واقعی اتنی ہی مصروف رہتی تھی۔ ان دنوں ہمارے گھر کے عقب میں ڈیوڑھی میں آڑو، انگور اور ناشپاتیاں، گھر میں اُگائے گئے پیاز، ٹماٹر اور کھیروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ان سب کی جیلی،

جیم، اچار اور چٹنیاں بنا کر گھر میں استعمال کرتی تھیں۔ کچن میں سارا دن آگ جلتی، مرتبان، گرم اُبلتے پانی میں دُھل رہے ہوتے۔ کبھی دو کرسیوں کے درمیان کپڑا باندھ کر اس میں پنیر رکھا ہوتا اور کبھی انگوروں سے جیلی بن رہی ہوتی۔ میری ذمہ داری میز پر بیٹھ کر گرم پانی میں بھگوئے آڑو چھیلنا یا پیاز کاٹنا ہوتا تھا جس سے میری آنکھیں جلتی تھیں۔ جیسے ہی میرا کام ختم ہو جاتا میں گھر سے باہر بھاگ جاتی تا کہ میری ماں مجھے کوئی اور کام نہ کہہ سکے۔ مجھے گرمیوں میں تاریک اور گرم کچن، سبز پردوں، تیل بھرے پرانے کپڑوں اور مڑے ہوئے شیشے سے نفرت تھی۔ میری ماں مجھ سے بات کرنے سے بے زار ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے اب کبھی اپنے اسکول کے دنوں میں کی گئی ڈانس پارٹیوں کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اس کا چہرہ پسینے سے بھرا ہوتا تھا، وہ بس مرتبانوں کو دیکھتی اور ان میں چینی ڈالتی جاتی۔ مجھے گھر کے یہ کام کبھی نہ ختم ہونے والے اور شدید ذہنی دباؤ کا شکار بنانے والے محسوس ہوتے تھے جب کہ اپنے والد کے ساتھ کام کرانا مجھے اہم لگتا تھا۔

میں برتن اٹھا کر گودام میں ان کی جگہ پر رکھنے گئی تو میں نے اپنی ماں کو کہتے سنا ''لیئرڈ کو تھوڑا سا بڑا ہونے دو پھر تمھیں کام میں مزید مدد مل جایا کرے گی''۔

میں نے اپنے والد کا جواب نہیں سنا مگر میں اس بات سے خوش تھی کہ میرے والد کسی اجنبی کی طرح بے دھیانی سے ان کی بات سن رہے تھے جیسے ان کو کام کے لیے دیر ہو رہی ہو۔ میں نے محسوس کیا کہ میری ماں کا یہاں کوئی کام نہیں تھا اور میں چاہتی تھی کہ میرے والد بھی یہی محسوس کریں۔ میری ماں کا لیئرڈ کے بارے میں یہ بات کرنے کا کیا مقصد تھا؟ وہ کسی کے کام نہیں آتا تھا۔ ابھی وہ کہاں تھا؟ جھولے لے رہا ہوگا، گول دائروں میں گھوم رہا ہوگا یا تتلیاں پکڑنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ وہ ایک مرتبہ بھی کام ختم ہونے تک میری مدد کے لیے نہیں رُکا تھا۔

میری ماں نے جو بھی میرے بارے میں مایوس کن لہجے میں کہا تھا اس سے میں ہمیشہ بے چین ہو جاتی تھی ''اگر ایسا ہو جائے تو میری بھی گھر کے کاموں میں مدد ہو جائے گی۔ میں نے جیسے ہی اس کی طرف پیٹھ کی، یہ بھاگ آئی۔ ایسا لگتا ہے جیسے گھر میں کوئی لڑکی ہے ہی نہیں''۔

میں گودام کے ایک کونے میں چارے کے تھیلے پر بیٹھ گئی تا کہ گفتگو کرتے ہوئے ان کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اپنی ماں پر بھروسہ نہیں کر سکتی بے شک وہ میرے والد سے زیادہ مہربان اور بھولی تھی مگر آپ اس پر انحصار نہیں کر سکتے۔ اس گفتگو کے پیچھے کیا وجہ تھی میں نہیں جانتی۔ وہ مجھ سے پیار کرتی تھی، رات گئے جاگ کر میرے لیے لباس سیا کرتی تھی بالکل

ویسا جیسا میں چاہتی تھی اسکول میں پہن سکوں مگر اس وقت وہ مجھے میری دشمن لگ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ کوئی منصوبہ بناتی رہتی اور اس مرتبہ وہ مجھے گھر کے کاموں میں اُلجھانے کا منصوبہ بنا رہی تھی وہ جانتی تھی کہ مجھے اس سے نفرت ہے۔ وہ یہ بات یقیناً جانتی تھی۔ وہ مجھے میرے باپ کے ساتھ کام کرنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے وہ یہ سب ضد میں آ کر اپنی طاقت منوانے کے لیے کر رہی تھی۔ یقیناً وہ تنہائی تو محسوس نہیں کر رہی ہوگی نہ ہی مجھے لگتا ہے کہ وہ میرے والد کے ساتھ کام کرانے پر حسد کا شکار تھی۔ کوئی بھی سمجھ دار بالغ انسان ایسا نہیں سوچ سکتا۔ میں نے چارے کے تھیلے پر ایڑھی ماری جس سے کچھ دھول اُڑی اور میں اپنی ماں کے چلے جانے تک باہر نہیں آئی۔

میں کسی بھی قیمت پر یہ توقع نہیں کرتی تھی کہ میرا والد میری ماں کی باتوں پر دھیان دے گا۔ لیئرڈ کو کام کرتے بھلا کون سوچ سکتا تھا۔ کیا لیئرڈ تالا لگانا یاد رکھ سکتا تھا؟ پانی کے برتن کو صاف کر سکتا تھا؟ یا کانپے بغیر پانی کا برتن ہی لا سکتا تھا؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میری ماں کو ہرگز ان کاموں کی نوعیت کا علم نہیں تھا۔

میں بھول چکی تھی کہ لومڑیوں نے کیا کھایا ہے۔ میرے والد کا خون بھرا لباس دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ ان لومڑیوں کو گھوڑے کا گوشت کھلایا ہے۔ اس وقت کسان گھوڑے رکھتے تھے جب کوئی گھوڑا کام کرنے کے لیے کم زور یا بوڑھا ہو جاتا یا اس کی ٹانگ ٹوٹ جاتی یا وہ کھڑا نہ ہو سکتا تو اس کا مالک میرے والد کو فون کرتا وہ ہنری کو ساتھ لے کر اس کے پاس چلے جاتے۔ اکثر وہ مالک کو پانچ سے بارہ ڈالر کے درمیان رقم دے کر وہیں گھوڑے کو ذبح کر کے گھر لے آتے۔ اگر پہلے ہی گوشت کا ذخیرہ زیادہ ہوتا تو وہ گھوڑے کو زندہ لے آتے اور گوشت کی ضرورت پڑنے تک اصطبل میں رکھتے۔ جنگ کے بعد کسانوں نے گھوڑے بیچنے اور ٹریکٹر خریدنے شروع کر دیے تو کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہمیں بالکل صحت مند گھوڑا مل جاتا جس کی اس کے مالک کو ضرورت نہ ہوتی تھی۔ ایسا اگر سردیوں میں ہوتا تو بہار آنے تک ہم اسے اصطبل میں رکھتے کیوں کہ زیادہ برف باری کے دنوں جب سڑکیں صاف نہ ہوتیں تو ہمیں شہر جانے کے لیے گھوڑے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

ان سردیوں میں میری عمر گیارہ سال تھی اور ہمارے پاس دو گھوڑے تھے۔ ان کے نام نا جانے کیا تھے۔ جب وہ ہمارے پاس آئے ہم نے ان کے نام میک اور فلورا رکھ دیے تھے۔ میک ایک بوڑھا سیاہ رنگ کا گھوڑا تھا جب کہ فلورا ایک گاڑی کھینچنے والی گھوڑی تھی۔ ہم دونوں گھوڑا اور

گھوڑی سواری کے لیے استعمال کرتے تھے۔ میک آہستہ چلتا تھا اور اسے سنبھالنا آسان تھا جب کہ فلورا غصے والی تھی جو دوسرے گھوڑوں اور گاڑیوں کو دیکھ کر بدک جاتی تھی، ہم اسے اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے ہی پسند کرتے تھے۔ ہفتے کو جب ہم اصطبل میں گئے اور دروازہ کھولا، بدبو سے بھرے اس تاریک کمرے میں فلورا نے سر اٹھایا، آنکھیں گھمائیں اور خود کو چھڑوانے کے لیے ہنہنائی۔اس کے پاس جانا خطرے سے خالی نہ تھا وہ لات مار سکتی تھی۔

اس سال سردیوں میں، میں نے پھر گودام کے باہر ماں کو میرے بارے میں عجیب باتیں کرتے سنا تھا، تب سے میں خود کو غیر محفوظ سمجھ رہی تھی۔ میرے آس پاس لوگوں کے ذہن میں جو مضبوط خیال تھا اسے وہ بدلنا نہیں چاہتے تھے خاص طور پر لڑکیوں کے موضوع پر، لفظ ''لڑکی'' میرے لیے ایک معصوم لفظ تھا جو کسی پر بوجھ نہ تھا ایک بچے کی طرح لیکن اب مجھ پر واضح ہوا کہ یہ ایک عام بات نہیں تھی۔لڑکی ہونا ویسا نہیں تھا جیسا میں سمجھتی تھی۔ یہ ایسا تھا کہ میں ہمیشہ بات کرتے ہوئے لعنت و ملامت اور مایوسی سے دوچار ہوتی تھی۔ یہ میرے لیے مضحکہ خیز تھا۔ایک مرتبہ میں اور لیئرڈ لڑ رہے تھے اور پہلی مرتبہ مجھے اس کے خلاف پوری طاقت لگا کر مقابلہ کرنا پڑا اس کے باوجود اُس نے مجھے بازو سے پکڑ کر دبوچ لیا جس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ ہنری یہ دیکھ کر ہنسنے لگا اس نے کہا ''اب کسی دن تمھیں لیئرڈ اپنی پوری طاقت کا مظاہرہ دکھائے گا''۔ اگرچہ لیئرڈ بڑا ہو رہا تھا، میں بھی بڑی ہو رہی تھی۔

میری نانی کچھ ہفتے ہمارے پاس رہنے آئی تب بھی میں نے مزید ایسی باتیں سنیں ''لڑکیاں اس طرح زور سے دروازہ بند نہیں کرتیں۔لڑکیاں بیٹھتے ہوئے اپنے گھٹنے جوڑ کر بیٹھتی ہیں'' اس سب سے بدتر یہ کہ میرے کسی سوال کے جواب میں وہ کہتی، ''یہ لڑکیوں کے کام کی بات نہیں ہے''۔ مگر میں نے دروازہ زور سے بند کرنا، بدتہذیبی سے بیٹھنا جاری رکھا کیوں کہ مجھے اس طرح آزادی کا احساس ہوتا تھا۔

بہار آنے پر ہم نے گھوڑوں کو گودام کے صحن میں چھوڑ دیا۔ میک دیوار کے ساتھ اپنی گردن اونچی کیے کچھ کھرچنے لگا جب کہ فلورا باڑ کے ساتھ اوپر نیچے گھومتی اور اپنے کھروں کو جھنجھوڑتی۔ برف پگھل چکی تھی جس سے بھوری مٹی والی زمین اب واضح ہو رہی تھی۔ یہ ایک پرسکون منظر تھا۔اب ہمیں اپنے جوتوں کے اوپر صرف ربڑ پہننا پڑتی تھی جس سے ہمارے پاؤں سکون محسوس کرتے تھے۔ ہفتے کو جب ہم اصطبل گئے تو ہم نے دیکھا کہ اس کے تمام دروازے

کھلے ہیں جس سے تازہ ہوا اور سورج کی روشنی اس میں داخل ہو رہی تھی۔ ہنری اِدھر اُدھر گھومتا اپنے کیلنڈر ڈھونڈ رہا تھا جو اُس نے میری ماں سے چھپا کر اصطبل میں رکھے تھے۔

ہنری نے کہا ''لیئرڈ اِدھر آؤ۔ اپنے پرانے دوست میک کو خدا حافظ نہیں کہو گے؟ لو اس کو کچھ جَو کھلاؤ''۔ اس نے کچھ جَو لیئرڈ کی ہتھیلی پر رکھے اور وہ انھیں میک کو کھلانے چلا گیا۔ میک کے دانت خراب ہو چکے تھے وہ بہت آہستہ، اپنے منہ میں جَو گھماتا ان کو کھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہنری نے غم گین ہوتے ہوئے کہا ''بے چارہ میک۔ جب ایک گھوڑے کے دانت خراب ہو جائیں تو وہ کسی کام کا نہیں رہتا''۔

میں نے پوچھا ''کیا تم آج میک کو ذبح کر دو گے''؟ میک اور فلورا کو اب اصطبل میں اتنا عرصہ ہو گیا تھا کہ میں یہ بھول گئی تھی ایک دن ان کو ذبح کرنا ہے۔

ہنری نے مجھے جواب نہ دیا، وہ اداس آواز میں گنگنانے لگا۔ میک اپنی سیاہی مائل زبان لیئرڈ کے ہاتھ پر پھیر رہا تھا۔ میں گانا ختم ہونے سے پہلے اونچی جگہ پر بیٹھ گئی۔

میں نے کبھی گھوڑے کو گولی سے مارتے نہیں دیکھا تھا مگر میں وہ جگہ جانتی تھی جہاں یہ کام ہوتا تھا۔ پچھلی گرمیوں میں لیئرڈ اور میں نے گھوڑے کی انتڑیاں ایک جگہ پڑی دیکھی تھیں جس کو ابھی مٹی میں دفن نہیں کیا گیا تھا۔ ہمیں لگا یہ ایک بڑا اور سیاہ سانپ ہے جو سورج کی روشنی میں سمٹا پڑا ہے۔ یہ انتڑیاں گودام کے پیچھے کھیتوں میں پڑی تھیں۔ میں نے سوچا اگر میں گودام جا کر کوئی سوراخ ڈھونڈ لوں تو ہم اس گھوڑے کو گولی سے مرتا دیکھ سکتے ہیں۔ ایسا نہیں تھا کہ میں بس یہ دیکھنا چاہتی تھی۔ مجھے یہ لگتا تھا کہ مجھے یہ جان لینا چاہیے، گھوڑا گولی سے کیسے مرتا ہے۔

میرے والد بندوق لینے گھر آئے انھوں نے ہم سے پوچھا ''تم یہاں کیا کر رہے ہو''؟ میں نے جواب دیا ''کچھ بھی نہیں''۔ انھوں نے کہا ''جاؤ اور گھر جا کر کھیلو''۔

انھوں نے لیئرڈ کو بھی اصطبل سے باہر بھیج دیا۔ میں نے اس سے پوچھا ''کیا تم میک کو گولی لگتا دیکھنا چاہتے ہو''؟ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر میں اسے گودام کے داخلی دروازے تک لے گئی، اسے آرام سے کھول کر ہم اندر چلے گئے۔ میں نے کہا ''خاموش رہنا ورنہ وہ ہماری آواز سن لیں گے''۔ ہم اصطبل میں اپنے والد اور ہنری کو باتیں کرتے سن رہے تھے۔ پھر ہم نے میک کے آنے کی آواز سنی۔

یہاں ٹھنڈا اور اندھیرا تھا۔ دراڑ میں سے سورج کی روشنی آ رہی تھی۔ گھاس ہلکی تھی جو

ہمارے پاؤں کے نیچے سے پھسل رہی تھی۔تقریباً چار فٹ اوپر سوراخ تھے۔ہم نے ایک کونے میں گھاس کے ڈھیر لگائے۔میں نے اسے آگے بڑھایا اور خود کے لیے جگہ ڈھونڈنے لگی۔دراڑ بہت بڑی نہیں تھی۔ہم دیوار سے ہاتھ چپکائے اوپر کورینگ رہے تھے۔وہاں بہت سے سوراخ تھے اور بالآخر مجھے ایک ایسا سوراخ مل گیا جہاں سے مجھے یہ منظر واضح دکھائی دے رہا تھا۔لیئرڈ کو سوراخ نہ ملا اور وہ شکایت کر رہا تھا۔

میں نے اسے دو تختوں کے درمیان قدرے وسیع دراڑ دکھائی اور کہا ''خاموشی سے انتظار کرو، اگر انھوں نے ہماری آواز سن لی تو ہم مصیبت میں آجائیں گے''۔

میں نے اپنے والد کو بندوق لے کر آتے دیکھا۔ہنری میک کو لیے آرہا تھا۔اس نے رسی چھوڑی اور سگریٹ نکال کر میرے باپ کو دیا خود بھی سلگایا۔اس دوران میک باڑ کے ساتھ لگی مُردہ گھاس میں سر دیے ہوئے کھڑا تھا۔میرے باپ نے دروازہ کھولا اور میک کو لے کر باہر آئے۔ہنری میک کو رستے سے دور خالی زمین کی طرف لے گیا۔وہ اور میرا والد آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔میک پھر سے کھانے کے لیے تازہ گھاس ڈھونڈ رہا تھا جو اسے نہیں ملی۔میرا والد اس سے کچھ مناسب فاصلے پر جا کر کھڑے ہو گیا۔ہنری میک سے دور ہو رہا تھا مگر اس کے ہاتھ میں اب بھی میک کی رسی تھی۔میرے والد نے بندوق اٹھائی، ساتھ ہی میک نے بھی سر اٹھا لیا جیسے اسے کچھ محسوس ہو گیا تھا پھر میرے والد نے گولی چلا دی۔

میک لہراتا، لڑکھڑاتا ہوا گر پڑا۔اس نے کچھ لمحے ہوا میں ٹانگیں چلائیں جسے دیکھ کر ہنری ہنسنے لگا جیسے یہ کوئی کرتب ہو رہا ہو۔لیئرڈ جو حیران کن نظروں کے ساتھ دم سادھے کھڑا تھا، گولی چلنے کے بعد چلایا ''یہ ابھی مرا نہیں ہے''میں نے بھی محسوس کیا شاید یہ سچ تھا مگر اس کی ٹانگیں ساکت ہو گئیں اور وہ پھر سے کروٹ لے کر لیٹ گیا۔اس کے جسم میں کسی بھی قسم کی حرکت بند ہو گئی تھی۔وہ دونوں چل کر اس کے پاس گئے، جھکے اور اس کا ماتھا دیکھنے لگے جہاں گولی لگی تھی۔اب مجھے بھوری گھاس پر میک کا خون نظر آیا۔

میں نے کہا ''چلو چلتے ہیں۔اب یہ اس کی کھال اُتارنے کے بعد اس کا گوشت بنائیں گے''۔میری ٹانگیں ہلکی، ہلکی کانپ رہی تھیں، میں گھاس سے اُتری۔میں نے اسے کہا ''اب تم نے دیکھا کہ گھوڑے کو گولی کیسے ماری جاتی ہے۔چلو آؤ دیکھتے ہیں گھاس میں کسی بلی نے بچے دیے ہوں گے''۔لیئرڈ میری بات مانتا ہوا فوراً نیچے اُترا۔ایک دم سے مجھے یاد آیا کہ جب وہ چھوٹا

تھا تو کس طرح میں اسے گودام میں لائی تھی اور اسے سیڑھی چڑھنا سکھایا تھا۔ وہ بھی گرمیوں ہی کی بات تھی۔ اس نے بھورے اور سفید رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا جو میرے کوٹ کے کپڑے سے بنایا گیا تھا۔ لیئرڈ میری بات مانتا سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر جا کر بیٹھ گیا۔ اس سے نیچے ایک طرف گھاس، دوسری طرف کچھ پرانی مشینیں اور نیچے فرش تھا۔ میں چلاتی ہوئی اپنے والد کے پاس گئی ''لیئرڈ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلا گیا ہے''۔ میری ماں اور باپ بھاگے آئے۔ میرے والد خاموشی سے اوپر چڑھے اور دھیرے سے لیئرڈ کو بازوؤں میں بھر لیا۔ میری ماں یہ دیکھتے ہوئے سیڑھی کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور رونے لگی۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا ''تم نے اس پر دھیان کیوں نہیں دیا''؟ کسی کو بھی حقیقت کا علم نہ ہوا اور لیئرڈ کو کچھ یاد نہ تھا کہ وہ بتا سکتا۔ جب بھی میں اس کوٹ کو کپڑوں کے ڈھیر کے نیچے پڑا دیکھتی ہوں تو مجھے عجیب قسم کا احساس گھیر لیتا۔

میں نے لیئرڈ کی طرف دیکھا جسے یہ واقعہ یاد نہ تھا اور میں ایسا چاہتی بھی نہ تھی۔ وہ ڈرا ہوا یا پریشان نہیں تھا بل کہ میری غیر معمولی دوستانہ آواز کی طرف متوجہ تھا۔ میں نے کہا ''سنو، تم اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے''؟ اس نے حاضر دماغی سے جواب دیا، ''اچھا''۔ میں نے پھر پوچھا ''وعدہ''؟ اس نے وعدہ کر لیا اور میں نے اپنی تسلی کی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ پھر بھی اگر کبھی وہ یہ بات کرتا تو میں کہہ دیتی کہ اس نے شاید کوئی برا خواب دیکھا ہوگا۔ میں نے اس کے ذہن سے یہ بات بھلانے کے لیے بہت کوشش کی۔ ویسے بھی وہ ایک وقت میں بہت سی باتیں یاد نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں نے اپنی جمع کی ہوئی رقم نکالی اور شام میں اس کے ساتھ ایک مزاحیہ شو دیکھنے چلی گئی جسے دیکھتے ہوئے ہم خوب ہنسے اور اب میں مطمئن تھی کہ وہ یہ بات بھول گیا ہوگا۔

میں جانتی تھی کہ دو ہفتے بعد وہ فلورا کو بھی گولی مار دیں گے۔ میں نے رات اپنی ماں کو اپنے والد سے کہتے سنا تھا ''کیا گھاس مناسب تھی''؟ جس کے جواب میں میرے والد نے کہا ''کل کے بعد صرف گائے ہوگی اور ہمیں مزید ایک ہفتہ اسے یہ کھلانا ہوگا''۔ میں جان گئی کہ صبح وہ فلورا کو مارنے والے ہیں۔

اس مرتبہ میرے ذہن میں یہ سب دیکھنے کا خیال نہیں آیا۔ یہ ایک بار دیکھنا کافی تھا۔ اس کے بعد میں نے اس بارے میں زیادہ نہیں سوچا تھا مگر بعض اوقات اسکول میں کوئی کام کرتے ہوئے یا شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر یہ سوچتے ہوئے کہ بڑی ہو کر میں حسین لگوں گی یا نہیں، یہ منظر میری نظروں کے سامنے آجاتا جب میرے والد نے گولی چلائی، ہنری ہنسنے لگا اور میک ہوا

میں ٹانگیں مار رہا تھا۔ میں خوف زدہ نہیں تھی، اکثر ایسے موقع پر بچے ہو جاتے ہیں۔ بہت سے جانوروں کی موت دیکھنے کے بعد میں عجیب شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔ میرا اپنے والد اور ان کے کام کے ساتھ رویہ بدل گیا تھا۔ ایک دن ہم سردیوں میں صحن میں ٹوٹ کر بکھری درختوں کی شاخیں اکٹھی کر رہے تھے۔ ہم نے فلورا کو ہنہناتے، اپنے والد اور ہنری دونوں کو چلاتے سنا۔ ہم بھاگ کر دیکھنے گئے کہ کیا معاملہ ہے۔

اصطبل کا دروازہ کھلا تھا۔ ہنری فلورا کو باہر لایا تھا اور وہ اس سے رسی چھڑا کر بھاگ گئی تھی۔ وہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک پورے صحن میں بھاگ رہی تھی۔ ہم باڑ پر چڑھ گئے۔ اس کو بھاگتے اور ہنہناتے دیکھنا بہت دل چسپ لگ رہا تھا۔ وہ اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑی کسی لڑاکے گھوڑے کی طرح لگ رہی تھی، درحقیقت وہ صرف ایک بوڑھی گھوڑی تھی۔ دونوں اس کو پکڑنے کے لیے بھاگے۔ انھوں نے اسے ایک کونے میں لے جانے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب ہو گئے مگر وہ پھر ان کے درمیان سے نکل کر گودام کے ایک کونے میں چلی گئی۔ ہم نے باڑ کی طرف آتے ہوئے اس کے پاؤں کی آواز سنی تب ہنری چلایا ''وہ اب کھیتوں میں چلی گئی ہے''۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ اس کھیت میں تھی جو گھر کے پاس تھا۔ اگر وہ درمیان میں پہنچ جاتی اور سیدھی دوڑتی رہتی تو گھر سے دور باہر نکل جاتی کیوں کہ دروازہ کھلا تھا۔ ٹرک بھی صبح کھیت میں کھڑا کیا گیا تھا۔ میرا والد میری طرف دیکھ کر چلایا ''جاؤ اور دروازہ بند کرو''۔ میں اس کے قریب ہی باڑ کی دوسری طرف کھڑی تھی۔

میری دوڑنے کی رفتار تیز تھی۔ میں باغ، اس کے درخت اور ہمارے جھولے سے ہوتی ہوئی ایک گڑھے کو پھلانگ کر گر گئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ مجھے فلورا کہیں دکھائی نہیں دی وہ یقیناً کھیت کی دوسری طرف نکل گئی ہوگی۔ دروازہ کافی وزنی تھا، ابھی میں نے بہ مشکل اسے آدھا بھی بند نہ کیا تھا کہ وہ مجھے تیزی سے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ بس زنجیر لگانے کا وقت تھا۔ لیئرڈ کھائی پھلانگتا میری مدد کو آیا۔

دروازہ بند کرنے کی بجائے میں نے ممکن حد تک اسے کھول دیا۔ میرا ایسا کرنے کا ارادہ ہرگز نہ تھا بس بوکھلاہٹ میں یہ ہوا۔ فلورا بغیر رُکے تیزی سے میری طرف آرہی تھی۔ لیئرڈ مجھے بار بار چھلانگ لگانے کا کہہ رہا تھا ''دروازہ بند کرو، دروازہ بند کرو''۔ مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ جب تک میرا والد اور ہنری یہ دیکھنے پہنچے کہ میں نے دروازہ بند کر دیا ہے فلورا باہر شہر کی طرف جاتی

سڑک پر بھاگ گئی۔ انھوں نے سوچا شاید میں وقت پر نہیں پہنچی ہوں گی۔

انھوں نے مجھ سے کچھ پوچھنے میں وقت ضائع نہ کیا۔ وہ گودام میں گئے، بندوق اور چاقو لے کر ان کو ٹرک میں رکھا اور ٹرک گھما کر کھیت سے ہوتے ہوئے ہماری طرف آنے لگے۔ لیئرڈ نے ان سے کہا ''مجھے بھی جانا ہے، مجھے بھی لے کر جاؤ''۔ ہنری نے ٹرک روکا اور اسے بھی ساتھ لے لیا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کر لیا۔

میں نے سوچا کہ لیئرڈ ان کو میری حرکت کے بارے میں بتا دے گا۔ میں پریشان تھی کہ میرا کیا ہوگا۔ میں نے اس سے پہلے کبھی اپنے والد کی نافرمانی نہیں کی تھی اور اب بھی میں نہیں جانتی تھی کہ میں نے ایسا کیوں کیا تھا۔ فلورا زیادہ دور نہیں جا سکتی تھی۔ وہ اسے پکڑ کر ٹرک میں لے آئیں گے اور اگر وہ ابھی اسے پکڑ کر نہ لا سکے تو شام یا کل تک کوئی نہ کوئی اسے دیکھ لے گا اور میرے والد کو فون کر دے گا۔ وہ شہر میں کہیں بھاگ نہیں سکتی صرف کھیتوں میں بھاگ سکتی تھی۔ میرے والد نے اسے خریدا تھا۔ اس کا گوشت لومڑیوں کو کھلانا ضروری تھا۔ لومڑیوں کے کاروبار سے ہی ہمارا گزر بسر ہوتا تھا۔ میں نے اپنے والد کے لیے مزید آزمائش کھڑی کر دی تھی جو پہلے ہی بہت محنت کر رہے تھے۔ جب ان کو اس بات کا علم ہوتا تو وہ دوبارہ مجھ پر بھروسہ نہ کرتے۔ وہ جان جاتے کہ میں مکمل طور پر ان کی وفادار نہ تھی، میں نے فلورا کا ساتھ دیا تھا اور اس بات کا فلورا کے سوا کسی کو فائدہ نہیں ہونا تھا۔ دوسری طرف مجھے اس بات سے پچھتاوا نہ تھا جب وہ میری طرف دوڑتی ہوئی آ رہی تھی تو سوائے دروازہ کھولنے کے میرے اختیار میں کچھ نہ تھا۔

میں گھر واپس گئی اور ماں نے پوچھا ''یہ شور شرابہ کیسا تھا''؟ میں نے ان کو بتایا کہ فلورا باڑ توڑ کر بھاگ گئی ہے۔ انھوں نے کہا ''بے چارے تمھارے والد، اب ان کو شہر بھر میں اس کے پیچھے جانا پڑے گا خیر اب ایک بجے سے پہلے کھانا بنانے کا کوئی فائدہ نہیں''۔ انھوں نے کپڑے استری کرنے والی میز نکالی۔ میں ان کو سب بتانا چاہتی تھی مگر میں نے اس بارے میں دوبارہ سوچا اور اوپر جا کر اپنے بستر میں بیٹھ گئی۔

حال ہی میں میں نے اپنے کمرے کا ایک حصہ سجانا شروع کیا تھا جس میں میں نے پرانے لیس لگے پردوں کو اپنے بستر پر بچھایا تھا، کچھ پرانے خوب صورت کپڑوں سے شیشہ لگی میز کو سجایا تھا۔ میں اپنے اور لیئرڈ کے بستر کے درمیان رکاوٹ لگانے کا بھی سوچ رہی تھی۔ دن کی روشنی میں لیس لگے پردے مٹی بھرے محسوس ہوئے۔ اب ہم رات کو گانا بھی نہیں گاتے تھے۔ ایک

رات جب میں گنگنا رہی تھی لیئرڈ نے کہا ''تم گاتی ہوئی بے وقوف لگ رہی ہو''۔ پھر بھی میں گاتی رہی مگر اگلی رات میں نے نہیں گایا۔ اس کی اب ضرورت بھی نہ تھی کیوں کہ ہم بڑے ہور ہے تھے اور خوف زدہ بھی نہ رہتے تھے۔ ہم جان گئے تھے یہاں کچھ بھی نہ تھا سوائے پرانے فرنیچر کے۔ اب ہم اپنی حفاظت کی ضرورت بھی محسوس نہ کرتے تھے۔ لیئرڈ کے سو جانے کے بعد میں جاگتی رہتی اور خود کو کہانیاں سناتی رہتی اب یہ کہانیاں بھی بدل چکی تھیں۔ ان کہانیوں میں عجیب تبدیلی آ چکی تھی۔ کہانی پرانے طریقے سے شروع ہوتی تھی جس میں لوگ خطرے کا شکار ہوتے اور میں ان کو بچانے جاتی تھی پھر کہانی کا رُخ بدل جاتا اور کوئی دوسرا شخص مجھے بچانے کی کوشش کر رہا ہوتا۔ کبھی یہ شخص اسکول میں میری کلاس کا کوئی لڑکا ہوتا تو کبھی مسٹر کیمپ بل، ہمارے استاد ہوتے جو لڑکیوں کو گدگدی کیا کرتے تھے۔ کہانی کے اس حصے میں میری توجہ اس بات پر ہوتی کہ میں کیسی دکھ رہی تھی، میرے بال کیسے دکھتے تھے اور میں نے کیسا لباس پہنا تھا۔ جب تک میں یہ سب سوچ پاتی، کہانی کا اصل جوش ختم ہو جاتا تھا۔

ایک بجے کے بعد سب ٹرک سمیت واپس آئے۔ وہ پیٹھ پر ترپال اٹھائے آئے جس کا مطلب تھا کہ اس میں گوشت ہے۔ میری ماں کو سب کے لیے دوبارہ کھانا گرم کرنا پڑا۔ ہنری اور میرے والد نے گودام میں اپنے خون آلود کپڑے تبدیل کرنے کے بعد عام کپڑے پہن لیے تھے اور وہ اپنے بازو، گردن اور چہرے کو دھونے کے بعد بال بنا کر آ گئے تھے۔ لیئرڈ نے اپنی بازو اٹھا کر اس پر خون کی لکیر دکھاتے ہوئے کہا ''ہم نے بوڑھی فلورا کو گولی ماردی اور اسے پچاس ٹکڑوں میں کاٹ ڈالا۔''

میری ماں نے کہا ''خیر میں یہ سب نہیں سننا چاہتی اور میری کھانے کی میز پر اس حالت میں آنے کی ضرورت نہیں''۔ میرے والد نے اسے خون دھونے کے بعد آنے کا کہا۔

ہم کھانا کھانے بیٹھے اور میرے والد نے کھانے کی دعا کی۔ ہنری نے ہمیشہ کی طرح کانٹے کے سرے پر چیونگم چپکائی، جب وہ اسے اُتارتا تو بننے والے ڈیزائن کی ہم سے تعریف سُننے کی امید رکھتا۔ ہم نے گرم پکی ہوئی سبزیوں کے پیالے ایک دوسرے کی طرف بڑھا دیے۔ لیئرڈ نے میز کی دوسری طرف سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''ویسے فلورا اس کی غلطی کی وجہ سے بھاگی تھی''۔

''کیا مطلب''؟ میرے والد نے پوچھا۔

''یہ دروازہ بند کر سکتی تھی مگر اس نے نہ کیا بل کہ اسے مزید کھول دیا اور فلورا باہر بھاگ گئی''۔

والد نے کہا'' کیا یہ سچ ہے''؟

میز پر بیٹھا ہر شخص میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے بہ مشکل نوالہ نگلتے ہوئے ہاں میں سر ہلایا۔ شرمندگی کے احساس سے میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

میرے والد نے ناگواری سے پوچھا'' تم نے ایسا کیوں کیا''؟

میں نے کوئی جواب نہ دیا، اپنا کھانا وہیں رکھ دیا۔ سر جھکائے بیٹھی انتظار کرنے لگی کہ کب مجھے میز سے اٹھ کر جانے کو کہہ دیا جائے۔ ایسا کچھ نہ ہوا۔ کچھ وقت کے لیے سب خاموش رہے لیئرڈ نے پھر کہا'' یہ رو رہی ہے''۔

''کوئی بات نہیں'' میرے والد نے ہتھیار ڈالتے ہوئے قدرے خوش گوار انداز میں اتنا ہی کہا'' وہ بس ایک لڑکی ہے''۔ یہ کہہ کر جیسے انھوں نے مجھے معاف کر دیا تھا۔

اس مرتبہ میرے دل نے اس بات پر کوئی احتجاج نہ کیا۔ شاید یہ ہی سچ تھا...... کہ میں بس ایک لڑکی ہوں۔

پوسٹ کارڈ

کل دوپہر میں گلی سے گزر کر ڈاک خانے کی طرف بڑھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ میں اس لمبے، ختم نہ ہونے والے، موسم سرما کی برف باری کی وجہ سے کتنی بیمار ہوگئی تھی۔ میرا اگلا شدید خراب تھا۔اس لمحے مجھے خواہش ہوئی کہ کاش میں بھی کلئیر کی طرح سامان باندھ کر فلوریڈا چلی جاتی۔ یہ بدھ کی دوپہر تھی دن کا نصف تھا۔ میں کنگ ڈیپارٹمنٹ اسٹور میں کام کرتی تھی جہاں اس کے نام کے برعکس سوائے خشک اشیا اور تیار شدہ کپڑوں کے کچھ بھی نہ ملتا تھا۔کبھی اس اسٹور میں کریانہ بھی ہوا کرتا تھا مجھے یاد ہے۔ ماں مجھے اس وقت اپنے ساتھ سودا سلف خریدنے لے جایا کرتی تھی۔ وہ مجھے وہاں ایک اونچے اسٹول پر بٹھاتی اور بوڑھے مسٹر کنگ مجھے مٹھی بھر کشمش دے کر کہتے میں یہ صرف پیاری لڑکیوں کو دیتا ہوں۔ بے چارے بوڑھے مسٹر کنگ کی وفات کے بعد کریانے کا سامان اٹھا دیا گیا اور اب یہ کنگ ڈیپارٹمنٹ اسٹور رہا بھی نہیں تھا۔اب اس کے مالک کا نام مسٹر کروبرگ تھا۔ وہ خود کبھی اسٹور نہیں آیا ہمیشہ اس کی جگہ مسٹر ہاویز آتے جو یہاں کے مینیجر تھے۔ میں اوپر بچوں کے کپڑوں کی طرف بھاگ جاتی۔ میں یہاں چودہ سال سے تھی اور مسٹر ہاویز نے آج تک مجھ سے کبھی جھگڑا نہیں کیا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ میں برداشت نہیں کروں گی۔

بدھ کی وجہ سے ڈاک خانے کا چھوٹا دروازہ بند تھا مگر میرے پاس میری ذاتی چابی تھی۔ میں نے اپنا ڈبہ کھولا اور اس میں سے اخبار، ماں کے نام آیا خط، فون کا بل اور ایک پوسٹ کارڈ، جو تقریباً میری نظر سے اوجھل ہوگیا تھا باہر نکالا۔ میں نے اس پر تصویر بنی دیکھی۔اس پر کھجور کے درخت، روشن نیلا آسمان اور ایک ہوٹل بنا ہوا تھا۔ جو میرے خیال میں رات کو روشن ہوتا ہوگا۔ ہوٹل کے آگے سنہرے بالوں والی لڑکی کی تصویر تھی جس کے ساتھ لکھا تھا ''یہاں آ کر رات گزاریے''۔ میں نے اسے پلٹا اور پڑھا۔لکھا تھا، ''میں اس کے ساتھ اس جگہ نہیں سویا، چاہے یہ بہت مہنگی جگہ تھی۔ موسم بہت حسین تھا۔ یہاں جوبلی میں سردیاں کیسی ہیں؟ امید ہے اچھی ہوں گی۔ ہمیشہ خوش رہو۔کلیر''۔ تاریخ دس دن پہلے کی تھی خیر بعض اوقات پوسٹ کارڈ بہت دیر سے ملتے ہیں مگر مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اسے بھیجنے سے پہلے وہ کچھ دن اسے جیب میں لیے پھرتا رہا

ہوگا۔ تین ہفتوں سے وہ فلوریڈا گیا تھا یہ اس کی طرف سے بھیجا گیا پہلا کارڈ تھا۔ میں یہاں جمعہ یا ہفتہ تک اس کے واپس آنے کی توقع کر رہی تھی۔ وہ ہر سال سردیوں میں اپنی بہن پور کی اور اس کے شوہر ہیرولڈ (جو ونڈسر میں رہتے تھے) کے ساتھ سیر پر جاتا تھا۔ مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ لوگ مجھے پسند نہیں کرتے مگر کلیئر کہتا کہ یہ محض میرا گمان ہے۔ جب بھی مجھے پور کی سے بات کرنی پڑتی میں کچھ نہ کچھ غیر متعلقہ بات کر دیتی اور وہ ہمیشہ اس بات کو پکڑ لیتی۔ میں بعد میں بھی اس بات کو سوچ کر کڑھتی رہتی مگر میں جانتی تھی کہ میرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے کیوں کہ میں اس کو متاثر کرنے کے لیے اپنے عام انداز سے ہٹ کر بات کرنے کی کوشش کرتی تھی حالاں کہ میری ماں ہمیشہ مجھے کہتی کہ ہم بھی ان جیسے ہی اچھے ہیں۔

میں کلیئر سے کہا کرتی تھی کہ جب بھی تم کہیں جاؤ تو مجھے خط لکھا کرو اور وہ جواباً کہتا کہ تم کیا چاہتی ہو کہ میں تمھیں کس بارے میں لکھا کروں؟ میں نے اس سے کہا کہ مجھے منظر کی خوب صورتی بتایا کرو۔ جن لوگوں سے ملا کرو ان کے بارے میں، کچھ بھی ایسا جسے سن کر میں خوشی محسوس کروں۔ مجھے بتایا کرو کیوں کہ میں خود گھر سے زیادہ دور کبھی بھی نہیں گئی تھی سیاحت کی غرض سے تو کبھی بھی نہیں، اس میں ٹرین کا سفر شامل نہیں جب میں ماں کے ساتھ رشتہ داروں سے ملنے جایا کرتی تھی۔ مگر کلیئر کہتا کہ میں اس سب کے بارے میں تمھیں واپس آ کر بھی بتا سکتا ہوں۔ لیکن وہ کبھی نہ بتاتا۔ جب وہ واپس آتا میں کہتی مجھے اپنے سفر کے بارے میں بتاؤ تو وہ کہتا تم مجھ سے کیا سننا چاہتی ہو؟ مجھے یہ سن کر غصہ آجاتا کہ میں کیسے بتا سکتی ہوں کہ مجھے کیا پوچھنا ہے؟

میں نے ماں کو بیرونی دروازے کی کھڑکی سے دیکھتے اور میرا انتظار کرتے پایا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی تو میں نے بلند آواز میں کہا ''دیکھ کر آنا یہاں پھسلن ہے ماں۔ دودھ فروش آج صبح ہی پھسلا ہے''۔

میں نے کہا ''کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے، مجھے ٹانگ ٹوٹ جانا کوئی بڑی بات نہیں لگتی''، تو ماں کہتی، ''اس طرح کی بات مت کرو یہ اپنے لیے سزا مانگنے جیسا ہے''۔

میں نے کہا ''کلیر نے آپ کو پوسٹ کارڈ بھیجا ہے؟''

انھوں نے اسے گھما کر دیکھا اور کہا ''ارے نہیں اس نے مجھے نہیں بھیجا۔ مجھے لگا ہی تھا، دیکھو تمھارا پتا لکھا ہے۔ اس بات سے مجھے فرق نہیں پڑتا کہ اس نے کس طرح کی تصویر کا انتخاب کیا ہے شاید وہاں بہت زیادہ جگہیں نہیں ہیں کہ کچھ اور انتخاب کیا جا سکتا''۔ وہ یہ کہتے ہوئے مسکرا

رہی تھیں۔

کلیئر شاید بوڑھی عورتوں کا پسندیدہ تھا۔ان کے لیے وہ اب بھی ایک اچھا کچھ موٹا بچہ تھا جو بہت مہذب تھا اور میک کیوری خاندان سے ہونے کے باوجود ان کو کسی قسم کی پریشانی نہیں دیتا تھا۔ ماں اور کلیئر درجنوں کھیل کھیلتے اور میں ان کا ساتھ کبھی نہ دے پاتی۔ ایک مرتبہ اس نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا ''شام کا سلام میڈم! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جسمانی نشو ونما کے ایک کورس میں آپ کی توجہ مبذول کرا سکوں جو میں کالج کے اخراجات پورے کرنے کے لیے بیچ رہا ہوں'' اور ماں چہرے کے تاثرات ساکن رکھتے ہوئے کہتی ''دیکھو نوجوان کیا مجھے دیکھ کر لگتا ہے کہ مجھے جسمانی نشو ونما کے کورس کی ضرورت ہے''؟ یا کبھی وہ غم گین ہو کر کہتا ''میڈم، میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ مجھے آپ کی روح کی پرواہے''۔ ماں قہقہے لگا کر ہنستے ہوئے کہتی ''تم اپنی روح کی پروا کرو''۔ پھر اسے اس کی پسندیدہ مرغی یا میٹھے سے بنی چیزیں کھلاتی۔ وہ میز پر ان کو ایسے مذاق سناتا جو مجھے لگتا تھا کہ وہ کبھی نہیں سنے گی۔''کیا آپ نے سنا کہ ایک بوڑھے آدمی نے نوجوان عورت سے شادی کر لی اور وہ ڈاکٹر کے پاس گیا۔اس نے ڈاکٹر سے کہا کہ مجھے ایک مسئلہ ہے''۔ ماں ٹوک کر کہتی ''چپ کرو''۔مگر اس کے بات مکمل کرنے کا انتظار بھی کرتی۔''تم بہت شرمندہ کرتی ہو ہیلن لوئس''۔ میں اپنے نام کے ساتھ لوئس ہر جگہ سے ہٹا چکی تھی سوائے اپنے گھر میں۔کلیئر نے یہ ماں سے سنا تھا اور میں نے اسے بتایا تھا کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس کے باوجود وہ کہتا رہتا ہے۔بعض اوقات مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میں ان دونوں کے درمیان بیٹھا ان کا بچہ ہوں۔ وہ دونوں آپس میں مذاق کرتے ہوئے کھانے سے لطف اندوز ہوتے اور مجھے کہتے کہ میں بہت سگریٹ پیتی ہوں اور اگر میں سیدھی ہو کر نہ بیٹھی تو میری کمر پکی پکی دوہری ہو جائے گی۔ کلیئر مجھ سے بارہ سال بڑا تھا اور میں نے اُسے ہمیشہ ایک آدمی کی طرح ہی دیکھا تھا۔

میں اُسے گلی میں دیکھا کرتی تھی اور وہ مجھے بوڑھا لگتا۔اسی طرح جیسے ہر بڑا آدمی بچوں کو بوڑھا لگتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو جوانی میں اپنی عمر سے بڑے اور بڑھاپے میں اپنی عمر سے چھوٹے لگتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کوئین ہوٹل کے آس پاس دکھائی دیتا۔ میک کیوری ہونے کے ناطے اسے کبھی بھی بہت زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ اس کا ایک چھوٹا سا دفتر تھا اور وہ انشورنس اور رئیل اسٹیٹ کا کام کرتا تھا۔اس کے پاس اب بھی وہی جگہ ہے اور سامنے والی کھڑکی پر ہمیشہ دھول جمی ہوتی ہے۔اس کے عقب میں گرمیوں سردیوں میں روشنی رہتی ہے جہاں تقریباً اسی

سال کی خاتون، مس میٹ لینڈ، ٹائپنگ کرتی یا اسے جو بھی کام ملا ہوتا، کرتی دکھائی دیتی۔ اگر وہ کوئینز ہوٹل میں نہ ہوتا تو پھر اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ، ہیٹر کے گرد بیٹھ کر تاش کھیلتا۔ کبھی کبھار شراب پیتا اور اکثر گپیں یا نکتا دکھائی دیتا۔ جوبلی میں ایسے کچھ خاص قسم کے مرد ہیں اور میرے خیال میں ہر چھوٹے شہر میں عوام میں ایسے پھرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ میرا مطلب مشہور آدمی نہیں ہے جو حکومت چلاتے ہوں (چاہے کلیئر یہ بھی کر سکتا تھا اگر وہ اس بارے میں سنجیدہ ہوتا) بل کہ وہ مرد ہیں جو ہمیشہ گلی محلوں میں پھرتے نظر آتے ہیں پھر ان کے چہرے سب کو یاد ہو جاتے ہیں۔ کلیئر اور اس کے دوست بھی ان میں سے ہی تھے۔

''وہ اپنی بہن کے ساتھ گھومنے گیا ہے''؟ ماں نے مجھ سے پوچھا جیسے میں نے انھیں پہلے نہیں بتایا تھا۔ وہ ہر بات بار بار پوچھتی ہیں۔ ''اس کا نام کیا تھا بھلا''؟

''پورکی'' میں نے جواب دیا۔

ہاں مجھے یاد آ گیا یہ کسی عمر رسیدہ عورت کا نام لگتا ہے۔ مجھے یاد ہے جب اس کا بپتسمہ ہوا تھا اس کا نام ازابیل تھا۔ میری اس وقت شادی نہیں ہوئی تھی۔ میں چرچ میں گایا کرتی تھی۔ تمھیں وہ عیسائیوں والا چغہ یاد ہے؟ وہ اس کے گرد لپٹا ہوا تھا''۔ ماما کے دل میں کلیئر کے لیے نرم گوشہ تھا مگر میک کیوری خاندان کے باقی لوگوں کو وہ پسند نہیں کرتی تھی۔ مجھے یاد ہے ایک یا دو سال پہلے ہم ان کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے اور انھوں نے مجھ سے کہا تھا احتیاط سے چلو۔ ان کے محل کی گھاس پر پاؤں مت رکھ دینا اور میں نے جواباً کہا تھا ''ماما، کچھ سالوں میں یہاں رہتی ہوں گی، یہ میرا گھر ہوگا، بہتر ہے کہ آپ اس لہجے میں اسے محل کہنا چھوڑ دیں''۔ ہم دونوں نے سبز رنگ سے سجے اس گھر کی طرف دیکھا جس کے برآمدے بڑے تھے اور دیواروں پر شیشے لگی کھڑکیاں تھیں جیسے یہ کوئی چرچ ہو۔ اس میں زندگی کے آثار نہ ہونے کے برابر دکھائی دیتے تھے۔ مگر سیڑھیوں سے اوپر معذور، مفلوج، بے چاری بوڑھی مسز میک کیوری لیٹی تھی اس کے جسم کا ایک حصہ کام نہیں کرتا تھا اور وہ بول بھی نہ سکتی تھی۔ دن کے وقت ان کے پاس وِلا منٹگمری جب کہ رات کو کلیئر ہوتا تھا۔ گھر میں اجنبی آوازیں اسے پریشان کرتیں جب بھی کلیئر مجھے ساتھ لے کر جاتا ہم صرف سرگوشیوں میں بات کرتے تا کہ وہ ہماری آواز نہ سن سکے اور اسے کوئی دورہ نہ پڑ جائے۔ مجھے گہری نظر سے دیکھنے کے بعد ماما نے کہا ''یہ بہت مضحکہ خیز بات ہے، میں تمھارے نام کے ساتھ میک کیوری نام کا لگنا تصور بھی نہیں کر سکتی''۔ میں نے پوچھا ''مجھے لگا تھا کلیئر آپ کو

بہت پسند ہے''۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر مجھے صرف اس کا تمھارے ساتھ ہفتے کی رات باہر لے جانا یا اتوار کی رات ہمارے گھر کھانے پر آنا مناسب لگتا ہے۔ میں نے تم دونوں کی شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا''۔

''آپ بس انتظار کریں اور دیکھیں کہ بوڑھی عورت کے مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے''۔

''کیا یہ کلیئر نے تم سے کہا ہے''؟

''یہ ظاہری بات ہے، اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہے''۔

''تم بس خیالی پلاؤ بناتی رہو'' ماما نے کہا۔

''آپ کو یہ سوچتے ہوئے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ مجھ پر کوئی احسان کر رہا ہے، میں بہت سے ایسے لوگوں کو جانتی ہوں جو اس کے برعکس سوچتے ہیں''۔

ماما نے ہلکی آواز میں کہا'' کیا میں تمھیں غصہ دلائے بغیر کوئی بات نہیں کر سکتی''؟

کلیئر اور میں ہفتے کی رات گھر کے ساتھ ایک طرف بنے دروازے سے چپکے سے گھر میں داخل ہوتے اور اس پرانی طرز پر بنے کچن میں کچھ کھانا اور کافی بناتے۔ ہم اتنی خاموشی سے گھر میں داخل ہوتے جیسے ہم دو بچے ہوں اور وہ اسکول سے واپس آئے ہوں۔ پھر ہم پنجوں کے بل چلتے پچھلی سیڑھیوں سے اوپر کلیئر کے کمرے میں آ کر ٹیلی ویژن چلا لیتے تا کہ اس کی ماں سمجھے وہ اکیلا ٹی وی دیکھ رہا ہے۔ اگر وہ کلیئر کو آواز دیتی تو میں کمرے میں ہی اکیلی ٹی وی دیکھتی یا دیوار پر آویزاں پرانی تصویریں دیکھتی۔ اگر کلیئر کو زیادہ دیر تک روک لیتی تو میں ٹی وی کی آواز کا فائدہ اٹھاتی نیچے جا کر مزید کافی بنا لیتی۔ کچن کی روشنی میں کھانے کے کمرے میں جا کر دروازہ کھول کر دیکھتی تو میں اپنے آپ کو چور لگتی۔ میں سوچتی کہ میں اس سب اور میک کیوری نام سے لطف اندوز کیوں نہیں ہوتی پھر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ میں چور ہوں؟ کلیئر نے مجھ سے کہا تھا'' مجھ سے شادی کر لو''۔ جب ہم نے ساتھ وقت گزارنا ابھی شروع ہی کیا تھا۔ میں نے جواب دیا،'' مجھے پریشان مت کرو۔ میں ابھی شادی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی''۔ اس کے بعد اس نے کہنا چھوڑ دیا تھا۔ کچھ سال بعد جب میں نے اس سے شادی کی بات کی وہ بہت خوش ہوا اور کہا'' مجھ جیسے بوڑھے شخص کو یہ موقع کم ہی ملتا ہے کہ تم جیسی حسین لڑکی اس سے شادی کی خواہش کا اظہار

کرے''۔ میں نے سوچا میں اس وقت کے انتظار میں ہوں جب شادی کے بعد میں کنگز ڈیپارٹمنٹ جاؤں گی اور بوڑھے ہاویز کو بلا وجہ اسٹور میں گھماؤں گی۔ میں اس کو مشکل وقت دینا چاہوں گی، پھر اپنی اچھی طبیعت کی وجہ سے خود کو روک لیتی۔

میں نے ماما سے کہا،''میں یہ پوسٹ کارڈ اپنے ڈبے میں رکھنے جا رہی ہوں اور ہم دونوں کو دوپہر کے وقت کچھ آرام کر لینا چاہیے۔ یہ مناسب رہے گا''۔ میں اوپر چلی گئی اور سونے کا لباس پہن لیا، یہ مجھے کلیئر نے تحفے میں دیا تھا۔ میں نے چہرے پر کریم لگائی اور ڈبہ نکالا جس میں پوسٹ کارڈ، خطوط اور دوسری قیمتی یادگار چیزیں رکھا کرتی تھی۔ میں نے فلوریڈا والے پوسٹ کارڈ کو دوسرے پوسٹ کارڈ کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر وقت گزارنے کے لیے میں اپنی اسکول کی تصویریں اور رزلٹ کارڈ دیکھنے لگی۔ اس میں اسکول کے ایک ڈرامے میں ادا کیے کردار کا سرٹیفکیٹ بھی تھا۔ مجھے یاد ہے کلیئر نے گلی میں مجھ سے ملتے ہوئے اچھا گانے پر مجھے مبارک باد دی تھی اور بتایا کہ میں اس کی طرف دل رُبائی سے دیکھتی کتنی حسین لگ رہی تھی حالاں کہ وہ بہت بوڑھا لگتا تھا۔ اس کے ساتھ دل لگی کرتے ہوئے میں بہت خوشی محسوس کرتی تھی۔ میں ہرگز حیران نہ ہوتی اگر میں جانتی کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ تب میں ٹیڈ فورجی سے نہیں ملی تھی۔

میں دیکھ کر ہی جان جاتی تھی کہ یہ اس کا خط ہے اب میں ان کو پڑھا بھی نہ کرتی تھی مگر تجسس کے ہاتھوں میں نے اسے کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا''مجھے عموماً ٹائپ رائٹر سے خط لکھنا شدید ناپسند ہے کیوں کہ اس میں جذبات ادھورے رہتے ہیں مگر آج میں بے تحاشہ تھکا ہوا تھا اور مجھے امید ہے کہ تم اس بات کے لیے مجھے معاف کر دو گی''۔ چاہے یہ خط ہاتھ سے لکھے ہوتے یا ٹائپ کیے ہوئے ہوتے مجھے محبت کا احساس ہوتا تھا۔ ٹیڈ فورجی چھ مہینوں سے جوبلی کے ریڈیو اسٹیشن میں کام کرتا تھا۔ میں اس وقت ہائی اسکول سے فارغ ہونے والی تھی۔ ماما نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے عمر میں بہت بڑا ہے (یہ بات اس نے کلیئر کے لیے کبھی نہیں کہی تھی) حالاں کہ وہ صرف چوبیس سال کا تھا۔ اس نے دو سال ٹی بی کا علاج کروایا تھا اس وجہ سے وہ اپنی عمر سے بڑا لگنے لگا تھا۔ ہم پہاڑی پر ساتھ جاتے اور وہ مجھے اپنے موت سے سامنا کرنے کے بارے میں بتاتا کہ کیسے اسے لوگوں میں رہنا پسند تھا مگر اسے صرف تنہائی ملی۔ اس نے کہا کہ وہ میری گود میں سر رکھ کر رونا چاہتا ہے مگر وہ یہ کبھی نہ کرتا تھا۔ جب وہ چلا جاتا تو میں ایسا محسوس کرتی جیسے میں نیند میں تھی۔ میں ہوش میں ہونا تب محسوس کرتی جب میں ڈاک خانے جاتی اور یہ دیکھنے کے لیے سستی سے اپنا

ڈبہ کھولتی شاید میرا کوئی خط آیا ہو۔ مگر اُس ایک خط کے بعد مجھے کوئی دوسرا خط نہ آیا۔ مجھے جگہوں سے اُلجھن ہونے لگی تھی، پہاڑی، ریڈیو اسٹیشن، کوئینز ہوٹل کی کافی کی دکان غرض ہر جگہ سے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنے گھنٹے اس دکان میں بیٹھ کر اپنی اور کلیئر کی باتوں اور اس کے چہرے کے تاثرات کو سوچا تھا یہ جانتے ہوئے کہ اس کو سوچنے سے وہ واپس نہیں آ جائے گا۔ یہیں میری کلیئر سے دوستی ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ شاید مجھے خوش ہونے کی ضرورت ہے اور پھر اس نے مجھے کچھ کہانیاں سنائیں۔ میں نے کبھی اسے اپنی مشکلوں کے بارے میں نہیں بتایا مگر جب ہم نے باقاعدہ وقت ساتھ گزارنا شروع کیا تو میں نے اس پر واضح کیا کہ یہ صرف دوستی ہے اور کچھ نہیں۔ اس نے کہا کہ وہ اس کا شکر گزار ہے اور وہ خیال رکھے گا جو اس نے ہمیشہ رکھا تھا۔

میں نے خط کو ایک مرتبہ پھر پڑھتے ہوئے سوچا کہ اس خط کو پڑھ کر کسی بے وقوف کو بھی اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے بعد مزید کوئی خط نہیں آیا ہو گا۔ مگر اس میں یہ بھی لکھا تھا ''میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں تمھاری محبت اور مجھے سمجھنے پر بہت شکر گزار ہوں''۔ لفظ محبت وہ واحد لفظ تھا جس کو سوچ کر میں پُر امید ہو جاتی تھی۔ میں سوچا کرتی تھی کہ کلیئر سے شادی کے بعد میں ان خطوط کو ضائع کر دوں گی۔ پھر میں نے اب تک کیوں نہیں کیا؟ میں نے اسے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور یہ بہت آسان تھا۔ پھر، کیوں کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ ماما کچرے کی ٹوکری میں ان کو دیکھ کر مجھ سے کچھ کہیں، میں نے اسے اپنے پرس میں رکھ لیا۔ میں اس کے بعد بستر پر لیٹ کر مختلف چیزوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ جیسا کہ اگر میری زندگی میں ٹیڈ فورجی نہ آتا تو کیا میرا کلیئر کے لیے نظریہ مختلف ہوتا؟ شاید نہیں۔ اگر میں ٹیڈ فورجی کے بارے میں نہ سوچ رہی ہوتی تو مجھے کلیئر سے بھی کوئی شکایت نہ ہوتی شاید میں یہ سب جانے دیتی اور میرا رویّہ مختلف ہوتا مگر اس بارے میں اب سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ پہلے کبھی جو ہنگامہ اس نے کیا تھا میں نے اس کے لیے افسوس کیا تھا۔ میں اس کا گول، گنجا سر دیکھتی اور اس کو سنتے ہوئے سوچتی کہ اس کے ساتھ شائستہ رویہ رکھنے کے علاوہ میں اور کیا کر سکتی ہوں؟ وہ مجھ سے اس سے زیادہ توقع نہیں کرتا تھا کہ میں بس چت لیٹ کر اسے اجازت دے دوں اور میں اس کی عادی ہو گئی تھی۔ میں نے ماضی میں جھانکا تو مجھے لگا جیسے میرے سینے میں دل نہیں جو میں بس لیٹ کر اسے خود کو پکڑنے، پیار کرنے اور محبت بھری باتیں کرنے دیتی ہوں مگر میں جواب میں کبھی اس سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتی؟ میں کبھی بھی بے حس نہیں ہونا چاہتی تھی۔ میں نے کبھی کلیئر کے ساتھ زیادتی نہیں کی تھی۔ کیا دس میں سے نو مرتبہ

میں اسے خود محبت کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی؟

مجھے ماما کے اٹھنے کی آواز آئی وہ چولہے پر کیتلی رکھنے جا رہی تھیں تا کہ چائے بنا سکیں اور اخبار پڑھ سکیں۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ چیخیں کہ مجھے لگا جیسے کوئی مر گیا ہو۔ میں نے بستر سے چھلانگ لگائی اور بھاگ کر ہال میں گئی۔ انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا ''ارے تم واپس جا کر سو جاؤ۔ معذرت میں نے تمھیں ڈرا دیا، مجھ سے غلطی ہوگئی''۔ میں واپس آ گئی میں نے انھیں اپنے کسی جاننے والے کو اخبار میں پڑھی کسی خبر کے بارے میں بتانے کے لیے فون استعمال کرتے سنا تھا۔ اس کے بعد شاید وہ سو گئی۔

میری آنکھ گاڑی رکنے اور کسی کے باہر نکل کر گھر میں داخل ہونے کی آواز سے کھلی۔ میں نے سوچا کیا یہ کلیئر ہے جو شاید جلدی واپس آ گیا ہے؟ پھر آدھی نیند میں میں نے سوچا کہ میں پہلے ہی خط پھاڑ چکی ہوں یہ اچھا ہوگا۔ مگر یہ کلیئر نہیں تھا۔ ماما نے گھنٹی بجنے سے پہلے ہی دروازہ کھول دیا اور مجھے الما اسٹون ہاؤس کی آواز سنائی دی وہ میری بہترین دوست ہے جو جوبلی ہائی اسکول میں پڑھاتی ہے۔ میں نیچے ہال میں گئی اور کہا ''ارے الما کیا تم پھر ہمارے گھر کھانا کھانے آئی ہو''؟ وہ بیلی کی جگہ پر پہنچ جایا کرتی تھی جہاں کھانا ہوا کرتا تھا اور کبھی ہمارے گھر سے میٹھے کی خوشبو محسوس کرتی تو بنا بلائے چلی آتی تھی۔

الما نے کوٹ اتارے بغیر سیڑھیوں کی طرف دیکھا اور اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ میں جان گئی کہ کچھ ہوا ہے۔ میں نے سوچا یہ ضرور اس کے شوہر کے بارے میں ہوگا کیوں کہ یہ دونوں الگ ہو چکے تھے اور وہ اسے بے ہودہ خط لکھتا تھا۔ اس نے کہا، ''ہیلو ایلن کیسی ہو؟ کیا تم جاگ گئی ہو''؟ میں نے کہا ''مجھے تمھاری گاڑی کی آواز سنائی دی مجھے ایک لمحے کو محسوس ہوا کلیئر آیا ہوگا مگر میرے خیال میں وہ ابھی کچھ دن بعد آئے گا''۔

''ہیلن کیا تم یہاں آ کر بیٹھو گی؟ اپنے کمرے میں آ جاؤ جہاں ہم بیٹھ سکتے ہیں۔ کیا تم کسی دھچکے کے لیے تیار ہو؟ کاش تمھیں یہ نہ بتانا پڑتا مگر تم خود کو سنبھال لینا''۔

میں نے اس کے پیچھے کھڑی ماما کی طرف دیکھا اور پوچھا ''ماما یہ کس قسم کا مذاق ہے''؟

الما نے کہا، کلیئر میک کیوری نے شادی کر لی ہے''۔

میں نے کہا ''تم دونوں کیا کہنا چاہ رہی ہو؟ کلیئر فلوریڈا میں ہے اور مجھے آج ہی اس کی طرف سے پوسٹ کارڈ ملا ہے۔ ماما بھی یہ بات جانتی ہے''۔

''ہیلن سکون سے میری بات سنو۔اس نے فلوریڈا میں شادی کر لی ہے''۔

''وہ وہاں شادی کیسے کر سکتا ہے جب وہ صرف چھٹیاں منانے گیا ہے''۔

''وہ لوگ ابھی جوبلی کے لیے نکل پڑے ہیں اور وہ یہیں رہنے والے ہیں''۔

''الماتم نے جو سنا سب بکواس ہے۔ مجھے ابھی اس کی طرف سے پوسٹ کارڈ ملا ہے۔ ماما بتائیں ناں''۔پھر میں نے ماما کی طرف دیکھا،وہ مجھے ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے میں آٹھ سال کی بچی تھی جسے ایک سو پانچ ڈگری بخار ہو۔وہ بولی''شاید انھیں خود احساس نہ تھا''،کہ ان کی بات میں آواز کم اور سرگوشی زیادہ تھی''۔''یہ سب یہاں اخبار میں لکھا ہے''۔

''میں اسے افواہ کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتی''میں نے کہا پھر میں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ نام میں نے پہلے کبھی نہیں سنے تھے اور کچھ کو میں جانتی تھی''۔فلوریڈا میں جوبلی کے کلیئر الیگزینڈر میک کیوری،جو مسٹر اور مسز جیمز میک کیوری کے بیٹے ہیں،کی شادی کی تقریب ہوئی جس میں مسز مارگریٹ تھورالی سن،مسٹر اور مسز ہیرولڈ جونسن جو دُلھے کے بہن اور بہنوئی ہیں انھوں نے شرکت کی۔دلھن نے سبز رنگ کا لباس گہری بھوری اور تانبے کے رنگ کی سجاوٹی چیزیں پہنی۔یہ شادی شدہ جوڑا فی الحال گاڑی سے اپنے گھر کے لیے جوبلی کی طرف روانہ ہے''۔

''کیا تمھیں اب بھی یہ افواہ لگتی ہے''؟الما نے درشتی سے پوچھا۔

میں نے کہا مجھے نہیں معلوم۔اس نے پوچھا''کیا تم ٹھیک ہو''؟''ہاں''میں نے مختصراً کہا۔

ماما نے کہا ہم نیچے جا کر چائے پیتے ہیں،اس کمرے میں بیٹھے رہنے کی بجائے کچھ کھا لیں تو بہتر ہے۔یہ ویسے بھی دوپہر کے کھانے کا وقت تھا۔ہم سب نیچے آ گئے،میں اب بھی اپنے سونے والے لباس میں ملبوس تھی۔الما اور ماما نے مل کر کھانا تیار کیا۔میری حالت اس بیمار جیسی تھی جسے کھانے سے غرض نہ ہو۔ماما نے زندگی میں پہلی بار مجھ سے کہا''اگر تم چاہو تو سگریٹ پی لو''۔ میں اور الما نے سگریٹ سُلگا لیا۔الما نے کہا''میں کچھ نیند کی گولیاں ساتھ لائی ہوں یہ میرے پرس میں ہیں اور زیادہ تیز نہیں ہیں تم ایک یا دو گولیاں لے سکتی ہو''۔میں نے انکار کرتے ہوئے کہا ''مجھے فی الحال ان کی ضرورت نہیں ہے''۔

الما نے پوچھا''وہ ہر سال فلوریڈا جاتا تھا ناں''؟،میں نے ہاں میں جواب دیا۔

''پھر میرا خیال ہے وہ اس عورت سے ملتا رہا ہوگا چاہے وہ بیوہ یا طلاق یافتہ ہو اور وہ

دونوں اس کے لیے پہلے سے تیاری کر رہے ہوں گے''۔

ماما نے کہا کہ ان کے لیے کلیئر کے بارے میں ایسا سوچنا بہت مشکل ہے۔

''میں صرف اپنی رائے دے رہی ہوں اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ اس کی بہن کی دوست ہے۔ یہ اس کی بہن کا ہی منصوبہ ہے۔ وہ اور اس کا شوہر دعوت میں شامل تھے۔ مجھے یاد ہے ہیلن میں تمھیں بتایا کرتی تھی کہ وہ تمھیں پسند نہیں کرتی''۔

''میں اسے نہیں جانتی''۔

ماما نے مجھ سے پوچھا ''ہیلن لوئس تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم دونوں بڑھیا کے مرنے کا انتظار کر رہے ہو۔ کیا کلیئر نے تم سے یہ نہیں کہا تھا''؟

الما نے بات جاری رکھتے ہوئے درشتی سے کہا ''وہ بس اس کا نام لے کر بہانہ بنا رہا تھا''۔

ماما نے کہا ''ارے وہ ایسا نہیں کرے گا۔ کلیئر کو اس طرح دیکھنا اور سمجھنا بہت مشکل ہے''۔

''مرد ہمیشہ وہ حاصل کر لیتے ہیں جو وہ چاہتے ہیں'' الما نے کہا۔ ایک خاموشی چھا گئی وہ دونوں میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں انھیں کچھ نہیں بتا سکتی تھی کہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔ میرے ذہن میں اس کے گھر آخری مرتبہ گزاری ہفتے کی رات تھی جب وہ ایک چھوٹے ننگے بچے کی طرح میرے بال اپنے چہرے پر گرائے یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے انھیں کھانے لگا ہو۔ میں نے کبھی کسی کا تھوک اپنے بالوں میں نہیں دیکھا مگر میں نے اسے نہیں روکا بس اسے دھمکایا کہ اگر اس نے انھیں کاٹا تو وہ مجھے پارلر جانے کے پیسے دے گا۔ اس رات اس کا رویہ ہرگز ایسا نہ تھا جیسے وہ میرے علاوہ کسی اور سے شادی کرنے والا ہے۔

ماما اور الما باتیں کرتی رہیں اور اندازے لگاتی رہیں جب کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں غنودگی میں ہوں۔ میں نے الما کو کہتے سنا ''اِس سے بُرا بھی ہوسکتا تھا میں نے خود چار سال جہنم میں گزارے ہیں''۔ ماما نے کہا ''وہ ہمیشہ سے مہربان تھا وہ اس سے پیار کرتا تھا''۔ میں حیران تھی مجھے غنودگی کیوں ہو رہی ہے جب کہ ابھی تو شام ہوئی ہے اور میں دوپہر میں سوئی بھی تھی۔ الما نے کہا ''یہ اچھی بات ہے کہ تمھیں نیند آ رہی ہے۔ یہ قدرت کا سکون پہنچانے کا طریقہ ہے''۔ وہ دونوں مجھے سیڑھیوں سے اوپر کمرے میں لے گئیں پھر مجھے ان کے نیچے جانے کی آواز بھی نہیں

آئی۔

میں صبح بھی جلدی نہیں جاگی۔ میں اپنے وقت پر اٹھی اور ناشتہ بنایا۔ میں نے ماں کے ہلچل کرنے کی آواز سنی مگر معمول کی طرح انھیں بیٹھے رہنے کا کہا۔ انھوں نے آواز دے کر پوچھا ''کیا تم واقعی کام پر جانا چاہتی ہو؟ میں مسٹر ہاویز کو فون کر کے کہہ دیتی ہوں کہ تم بیمار ہو''۔ میں نے جواب دیا ''میں ان کو اپنی حالت سے مطمئن ہونے کا موقع کیوں دوں''؟ میں نے ہال کے شیشے میں بنا روشنی کے میک اپ کیا اور باہر نکل گئی۔ کنگز ڈیپارٹمنٹ تک جاتے ہوئے میں نے کسی چیز پر توجہ نہ دی ویسے بھی رات بھر میں کون سا بہار آجاتی تھی۔ اسٹور میں سب میرا انتظار کر رہے تھے اور انھوں نے مجھ سے بہت نرم لہجے میں بات کی جیسے میں زمین پر گر جاؤں گی اور چلانے لگوں گی۔ مسز میک ول، بیرل ایلن اپنی منگنی کی انگوٹھی پہنے ہے، مسز کریس جنھوں نے پچیس سال پہلے کسی کو دھوکہ دے کر مسٹر کریس سے شادی کی اور وہ غائب ہو گیا۔ وہ میری طرف کیسے دیکھ سکتی ہے؟ بوڑھا ہاویز مسکراتے ہوئے اپنی زبان چبا رہا تھا۔ میں نے سب کو خوش اخلاقی سے سلام کیا اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اوپر چلی گئی کہ میرے پاس اپنا واش روم تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ یقیناً آج میرے پاس بچوں کے کپڑوں کی جانب بہت رش ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ کبھی بھی صبح کے وقت بچوں کی چیزیں خریدنے آنے والی ماؤں کا انتشار نہیں دیکھا گیا تھا۔

میں نے ماما کو فون کر کے کہا کہ میں آج دوپہر میں گھر نہیں آؤں گی۔ میں نے سوچا میں ریڈیو میں کام کرنے والے لوگوں کے ساتھ، جن کو میں بہت کم جانتی ہوں، کوئینز ہوٹل جا کر برگر کھالوں گی مگر بارہ بجنے سے کچھ وقت پہلے الما آئی اور کہا ''آج کے دن میں تمھیں اکیلے جا کر کھانے نہیں دوں گی'' لہٰذا ہم مل کر کوئینز ہوٹل گئیں۔ اس نے مجھے برگر کھانے سے روکا اور میرے لیے انڈے والا سینڈوچ اور کیک کی جگہ دودھ کا گلاس منگوانے کا بولا۔ اس نے کہا اس وقت شاید میرا ہاضمہ ٹھیک نہ ہو مگر میں نے انکار کر دیا۔ اس نے کھانا آنے کا انتظار کیا اور جب ہم کھانے لگے تو اس نے کہا ''وہ واپس آ گئے ہیں''۔

مجھے سمجھنے میں ایک منٹ کا وقت لگا کہ وہ کس کی بات کر رہی ہے۔ ''کب''؟ میں نے پوچھا۔

''کل رات، شاید دوپہر کے کھانے کے وقت۔ جب میں تمھیں یہ بتانے تمھارے گھر آ رہی تھی تو ان کے پاس سے گزری''۔

''تمھیں کس نے بتایا''؟

''بچر زفیملی میک کیوریز سے اگلے گھر میں رہتی ہے تمھیں ان کا علم ہے''؟ مسز بچر کلاس چہارم کو پڑھاتی ہے جب کہ الما تیسری کلاس کو۔''گریس نے انھیں دیکھا۔وہ پہلے ہی اخبار میں یہ خبر پڑھ چکی تھی لہٰذا وہ جان گئی کہ کون آیا ہے''۔

''وہ کیسی دکھتی ہے''؟ میں نے خلاف توقع پوچھا۔

''گریس نے بتایا کہ وہ بہت چھوٹی نہیں ہے خیر کلیئر کی عمر کے حساب سے ٹھیک ہے اور جیسا کہ میں نے تمھیں بتایا تھا وہ اس کی بہن کی دوست ہے اور وہ دکھنے میں بھی زیادہ حسین نہیں ہے بس ٹھیک ہی ہے''۔

اب میں رک نہ سکی اور مزید پوچھنے لگی''کیا وہ قد میں بڑی ہے یا چھوٹی؟ اس کا رنگ سفید ہے یا سانولا''؟

''اس نے بڑی ٹوپی پہن رکھی تھی لہٰذا گریس اس کے بالوں کا رنگ نہیں دیکھ سکی مگر اس نے اندازہ لگایا کہ وہ سیاہ ہیں۔وہ ایک بڑی عورت ہے۔شاید اس کے پاس بہت پیسا ہے''۔

''کیا یہ بھی گریس نے کہا ہے''؟

''نہیں، میں کہہ رہی ہوں۔یہ صرف میرا اندازہ ہے''۔

''کلیئر کو کسی پیسے والی عورت سے شادی کی ضرورت نہیں تھی۔اس کے پاس اپنا بہت پیسا ہے''۔

''شاید یہ ہمیں لگتا ہوا اس کو نہیں''۔

میں ساری دوپہر سوچتی رہی کہ کلیئر میرے پاس آئے گا یا کم از کم مجھے فون ضرور کرے گا پھر میں اس سے پوچھوں گی کہ یہ اس نے کیا کیا ہے۔میں نے اپنے دماغ میں کچھ عجیب وغریب وضاحتیں بھی سوچ لی تھیں جو شاید وہ مجھے دیتا جیسے کہ''اس بے چاری عورت کو کینسر ہے وہ صرف چھ مہینے زندہ رہ سکتی ہے۔وہ بہت غریب ہے اور میں بس اسے کچھ آسانی دینا چاہتا تھا''۔یا یہ کہ''وہ کچھ پیسوں کے لیے اس کے بہنوئی کو تنگ کر رہی تھی تو اس کا منہ بند کرنے کے لیے اسے اس سے شادی کرنا پڑی''۔مگر گاہکوں کے رش کی وجہ سے میں بہت زیادہ فرضی کہانیاں نہ بنا سکی۔کبھی بوڑھی عورتیں اپنی پوتے پوتیوں کے لیے کوئی سالگرہ کا تحفہ خریدنے آتیں۔شاید ہر بچے کی سالگرہ، جو یہاں جوبلی میں رہتے ہیں، مارچ میں ہی آتی ہے۔انھیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے، کیا

میں نے اِس دن کو اُن عورتوں کے لیے پر جوش نہیں بنا دیا تھا؟ یہاں تک کہ الما بھی پورے موسم سرما کی نسبت اب کچھ بہتر لگ رہی تھی۔ میں نے سوچا میں اس پر کوئی الزام نہیں لگا رہی مگر یہ سچ تھا اور کون جانتا ہے کہ میری کیفیت بھی ایسی ہی ہوتی اگر ڈون سٹون پاوس (الما کا شوہر) اپنی دھمکیوں کے مطابق آتا، اسے زیادتی کا نشانہ بناتا اور اس کے جسم پر بے تحاشا نیل چھوڑ جاتا۔ تب میں جتنا افسوس ممکن ہوتا، کرتی اور الما کی مدد کے لیے وہ سب کرتی جو میرے اختیار میں ہوتا مگر میں شاید یہ بھی سوچتی کہ یہ سب خوف ناک ہے اور موسم سرما بہت طویل ہو گیا ہے۔

یہ سوچنے کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا کہ میں رات کے کھانے کے لیے گھر نہ جاؤں، ماما کا صبر جواب دے جاتا ہے۔ وہ میری پسند کا کھانا بنائے میرا انتظار کر رہی تھی۔ کھانے کے دوران ہی آنسواس کا چہرہ بھگونے لگے۔ میں نے کہا ''مجھے لگتا ہے کہ اگر اس وقت کسی کو رونا چاہیے تو وہ میں ہوں۔ آپ کے ساتھ کیا برا ہوا ہے''؟

انھوں نے کہا ''خیر مجھے وہ بہت پسند تھا۔ وہ ایک اچھا شخص لگتا تھا۔ میری عمر کے لوگوں سے ملنے پورا ہفتہ کوئی خاص لوگ نہیں آتے''۔

میں نے کہا ''مجھے اس بات کا افسوس ہے''۔

''ایک مرتبہ اگر کسی مرد کے دل سے کسی لڑکی کے لیے عزت ختم ہو جائے تو وہ اسے چھوڑ دیتا ہے''۔

''اس بات سے آپ کا کیا مطلب ہے ماما''؟

''اگر تم نہیں جانتی تو میں تمھیں بتاؤں''؟

میں نے روتے ہوئے کہا ''آپ کو اپنی بیٹی سے اس طرح بات کرتے ہوئے سوچنا چاہیے۔ میں ہمیشہ سمجھتی تھی کہ وہ نہیں جانتی۔ وہ کبھی کلیئر کو مجرم نہ کہتی بل کہ مجھے قصوروار ٹھہراتی۔

انھوں نے روتے ہوئے بات جاری رکھی ''نہیں مجھے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں بوڑھی ضرور ہوں مگر میں جانتی ہوں کہ اگر مرد کسی عورت کی عزت نہ کرے تو وہ اس سے شادی نہیں کرتا''۔

''اگر یہ سچ ہوتا تو اس شہر میں بہ مشکل ہی کسی کی شادی ہوتی''۔

''تم نے اپنا موقع خود گنوا دیا''۔

''جب تک وہ یہاں آتا تھا آپ نے ایسا کچھ بھی مجھ سے نہیں کہا اور اب بھی میں یہ

سب نہیں سنوں گی'' میں کہتے ہوئے اوپر چلی گئی وہ میرے پیچھے نہیں آئی۔ میں بیٹھ کر گھنٹوں سگریٹ پیتی رہی، میں نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا۔ جب میں نے انھیں اوپر آ کر بستر میں جاتے سنا تو میں نیچے جا کر کچھ وقت ٹی وی دیکھتی رہی پھر کوٹ پہن کر باہر چلی گئی۔

میرے پاس ایک چھوٹی گاڑی تھی جو پچھلے سال کلیئر نے مجھے کرسمس پر دی تھی۔ میں اسے کبھی کام پر لے کر نہیں جاتی تھی کیوں کہ ڈیپارٹمنٹ بہت قریب تھا اور وہاں گاڑی پر جانا بے وقوفی تھی اور شیخی بگھارنا بھی جب کہ میں بہت سے ایسے لوگوں کو جانتی تھی جو ایسا کرتے ہیں۔ میں نے گیراج میں جا کر اسے نکالا۔ یہ گاڑی میں نے اتوار کے بعد آج پہلی بار گھر سے باہر نکالی تھی جب میں ماما کو لے کر آنٹی سے ملوانے سپر ٹاؤن گئی تھی۔ میں زیادہ تر اسے گرمیوں میں استعمال کرتی تھی۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا اور وقت دیکھ کر حیران رہ گئی بارہ بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے۔ زیادہ دیر بیٹھے رہنے سے میں کانپنے لگی تھی میں نے سوچا کاش میرے پاس الما کی نیند کی گولیاں ہوتیں۔ میرے ذہن میں خیال تھا کہ کہیں بھی گاڑی دوڑا کر چلی جاؤں مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس سمت جاؤں۔ میں جوبلی کی گلیوں میں سڑکوں پر گاڑی دوڑا رہی تھی اور میرے علاوہ سڑک پر کوئی اور کار میں نہ تھا۔ گھر اور گلیاں ویران اور اندھیرے میں ڈوبی تھیں۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ یہاں موجود گھروں میں رہنے والے سب لوگ ایسا کچھ جانتے تھے جو میں نہیں جانتی۔ جو سمجھتے تھے کہ کیا ہوا ہے اور شاید وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ ہوگا صرف میں ہی انجان تھی۔

میں گاڑی چلاتی کلیئر کے گھر کے عقب میں گئی وہاں کوئی روشنی نہ تھی۔ میں گاڑی گھما کر سامنے کی طرف آئی۔ میں نے سوچا، کیا ان کو چپکے سے اوپر جا کر ٹی وی چلانا پڑتا ہوگا؟ کوئی دل کش امیر عورت اس پر راضی نہیں ہوگی میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں کہ اس نے اپنا حق لینے کے لیے سیدھا بوڑھی عورت کے کمرے میں جا کر کہا ہوگا ''اب میں مسز میک کیوری ہوں''۔

میں نے گاڑی کھڑی کی اور کھڑکی کے پاس گئی۔ پھر سوچے بغیر کہ میں کیا کرنے جا رہی تھی میں نے ہر ممکن حد تک ہارن پر ہاتھ رکھ کر اسے بجایا۔ اس آواز سے مجھے سکون ملا کیوں کہ میں چلا سکتی تھی اور میں چلائی ''کلیئر میک کیوری میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں''۔

کوئی جواب نہ آیا۔ ''کلیئر میک کیوری'' میں اس کے اندھیرے میں ڈوبے گھر کی طرف دیکھ کر چلائی۔ ''باہر آؤ کلیئر'' میں نے پھر ہارن بجایا، دو تین بار یا نا جانے کتنی بار چلاتی

رہی۔ مجھے وہ سب یاد آرہا تھا جب میں یہاں آتی تھی۔ میں ہارن پر جھکی اس پر مکے مارتی چلاتی رہی۔ ہنگامہ کرتے اور جو کچھ میرے ذہن میں تھا سب کچھ کہتے ایک طرح سے میں پرسکون ہو رہی تھی۔ میں تقریباً بھول گئی تھی کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ میں نے ہارن کو موسیقی کے انداز میں بجانا اور ساتھ چلانا شروع کر دیا۔ ''کلیئر کیا تم کبھی باہر نہیں آؤ گے؟ کلیئر میک کیوری، بزدل، اگر وہ باہر نہ آیا تو ہم اسے کھینچ کر باہر لے آئیں گے''۔ میں چلاتے ہوئے گلی میں، رو بھی رہی تھی اور مجھے اس سے بالکل بھی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

''ہیلن کیا تم اس شہر میں سب کو جگانا چاہتی ہو''؟ بڑی شیلڈز نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا، وہ پولیس میں کام کرتا تھا اور وہ مجھ سے چرچ میں پڑھا بھی تھا۔

''میں صرف نئے جوڑے کے لیے شور مچا رہی ہوں۔ اس میں کیا بری بات ہے''؟

''میں تمھیں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ شور بند کرو''۔

''میں رکنا نہیں چاہتی''۔

''ہاں لیکن تمھیں رک جانا چاہیے۔ تم بس کچھ پریشان ہو''۔

''میں نے اسے بہت آوازیں دی ہیں، میں بس یہ چاہتی ہوں کہ وہ باہر آجائے'' میں نے کہا۔

''خیر اچھی لڑکی بنو اور ہارن بجانا بند کرو''۔

''میں چاہتی ہوں وہ باہر آئے''۔

''رُک جاؤ۔ ایک بار بھی اور ہارن مت دینا''۔

''کیا تم اسے باہر نکالو گے''؟

''ہیلن میں کسی ایسے شخص کو اس کے گھر سے باہر آنے پر مجبور نہیں کر سکتا جو خود باہر نہ آنا چاہتا ہو''۔

''میں نے سوچا کہ تم قانون کے آدمی ہو بڑی شیلڈز''۔

''وہ تو میں ہوں مگر قانون کی حدود ہوتی ہیں۔ اگر تم اس سے ملنا چاہتی ہو تو تم دن کے وقت کیوں نہیں آتی اور کسی اچھی نفیس خاتون کی طرح اس کا دروازہ کھٹکھٹا لیتی''؟

''اگر تمھیں علم نہیں تو بتا دوں اس نے شادی کر لی ہے''۔

''ہیلن خیر وہ دن میں بھی شادی شدہ ہی رہے گا''۔

''کیا تمھیں یہ مذاق لگ رہا ہے''؟

''نہیں یہ مذاق نہیں، حقیقت ہے۔ اب تم آگے کیوں نہیں بڑھ جاتی۔ میں تمھیں گھر چھوڑ آؤں؟ گلی میں لگی روشنیوں کو دیکھو۔ گریس بیچر ہمیں دیکھ رہا ہے اور وہ دیکھو ہومسز نے بھی کھڑکی اوپر کی ہوئی ہے۔ کیا تم ان کو اپنے بارے میں بات کرنے کا موقع دینا چاہتی ہو؟''

''ان سب کے پاس باتیں کرنے کے علاوہ کچھ ہے بھی نہیں، وہ میرے بارے میں بھی بات کرلیں''۔

بڑی شیلڈز سیدھا ہوکر گاڑی کی کھڑکی سے کچھ دور ہوا تو میں نے کسی کو سیاہ لباس میں ملبوس میک کیوری کے باغ سے گزر کر آتے دیکھا، یہ کلیئر تھا۔ وہ سونے والے لباس میں نہیں تھا۔ وہ سیدھا گاڑی کی طرف آیا، میں اس سے یہ سننے کا انتظار کرنے لگی کہ وہ بدلا نہیں ہے۔ وہ فربہ مائل تھا اور نیند میں تھا۔ اس کے چہرے پر سرد تاثرات تھے جن کو دیکھ کر میں نے رونا اور چلانا بند کر دیا۔ میں اس وقت اتنا رو اور چلا سکتی تھی کہ میرا چہرہ نیلا پڑ جاتا مگر ایسا کرنے سے اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوتے نہ وہ اپنی رفتار تیز کرتا۔

''ہیلن گھر چلی جاؤ''۔ اُس نے ایسے کہا جیسے ہم تمام شام ٹی وی دیکھتے رہے ہوں اور اب گھر جا کر سونے کا وقت ہو گیا ہو۔ ''اپنی ماما کو میرا اسلام کہنا، گھر جاؤ''۔

اس نے صرف یہی کہا۔ اس نے بڑی کی طرف دیکھ کر پوچھا ''تم اسے گھر چھوڑ دو گے''؟ بڑی نے ہاں میں جواب دیا۔ میں کلیئر میک کیوری کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہ وہ آدمی ہے جو اپنی مرضی کرتا ہے۔ اسے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ میں کیا محسوس کر رہی تھی، نہ ہی اسے گلی میں میری ہنگامہ آرائی سے فرق پڑ رہا تھا جو میں نے اس کی شادی ہونے پر کی تھی۔ اس نے کوئی وضاحت بھی نہ دی شاید اس کے پاس کوئی وضاحت تھی ہی نہیں۔ اس کے تمام ہمسائے ہمیں دیکھ رہے تھے مگر کل جب یہ ان سے گلی میں ملا تو انھیں کوئی مزاحیہ کہانی سنا دے گا اور میرا کیا ہوگا؟ ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے دن میں کبھی گلی میں دیکھے تو کہے ''کیسی ہو ہیلن''؟ اور پھر کوئی مذاق کرے۔ اور اگر میں واقعی کلیئر میک کیوری کو جانتی ہوتی اور میں نے توجہ دی ہوتی تو مجھے کچھ مشکل ضرور پیش آتی، میرا اس کے ساتھ رہنا مختلف ہوتا مگر اب اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔

بڑی نے پوچھا ''اب کیا تمھیں یہ سب تماشا کرنے پر افسوس نہیں''؟ میں سیٹ پر بیٹھی کلیئر کو واپس گھر کی طرف جاتا دیکھتی رہی اور سوچ رہی تھی کہ ہاں مجھے شروع سے توجہ دینی چاہیے

تھی۔ بڑی نے کہا''تم کلیئر اور اس کی بیوی کو مزید پریشان نہیں کرو گی ٹھیک ہے ہیلن''؟ میں نے پوچھا''کیا''؟

''تم کلیئر اور اس کی بیوی کو مزید پریشان نہیں کرو گی ناں؟ کیوں کہ اب وہ شادی شدہ ہے اور تم سے تعلق ختم کر چکا ہے۔ جب تم صبح اٹھو گی تو آج رات جو تم نے کیا اس پر افسوس کرو گی۔ تمھیں علم نہیں کہ تم لوگوں کا سامنا کیسے کرو گی۔ مگر میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ زندگی میں بہت کچھ ہو جاتا ہے ہمیں صرف یہ سوچ کر آگے بڑھ جانا چاہیے کہ یہ صرف ہمارے ساتھ نہیں ہوا''۔ اس نے یہ کبھی نہیں سوچا ہوگا کہ اپنی تقریر کر کے سمجھاتا ہوا وہ شخص مجھے اس وقت کتنا فضول لگ رہا تھا۔

وہ میرے گھر کی گلی کی طرف جاتا، مجھے گھر پہنچانے یا تقریر ختم کرنے کی جلدی میں ہرگز نہیں تھا۔ اس نے کہا''جیسے تمھیں میں نے پچھلے ہفتے بتایا تھا کہ ہمیں ایک فون آیا اور ہمیں ایک جگہ پھنسی کار کے پاس جانا پڑا۔ ایک بوڑھا کسان گولیاں بھری بندوق لہراتا ہوا گاڑی میں بیٹھے جوڑے سے کہہ رہا تھا کہ اگر وہ مزید آگے آئے اور اس کی جگہ سے واپس نہ گئے تو وہ ان پر گولی چلا دے گا۔ وہ اندھیرے میں ایک ٹرک کے پیچھے گاڑی چلا رہے تھے جب کہ کوئی بے وقوف بھی جانتا ہے کہ سال کے ان دنوں میں لوگ مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ تم ان دونوں کو پہچان جاؤ گی اگر میں تمھیں ان کے نام بتا دوں، تمھیں یہ بھی علم ہوگا کہ ان کا گاڑی میں اکٹھے ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ان میں سے ایک شادی شدہ عورت تھی اور اس سے بھی بدتر یہ کہ اس کا شوہر پریشان تھا وہ ابھی تک چرچ سے گانے کا ریاض کر کے واپس نہیں آئی تھی۔ گاڑی میں موجود دونوں لوگ چرچ میں گاتے ہیں، میں تمھیں چرچ کا نہیں بتاؤں گا، اور اس عورت کے شوہر نے اس کی تلاش گم شدگی کی درخواست لکھوائی تھی۔ ہمیں گاڑی باہر لانے کے لیے ٹریکٹر لانا پڑا۔ وہ شخص گاڑی میں ہی پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ ہم نے بوڑھے کسان کو خاموش کرایا اور اس عورت کو دن کی روشنی میں اُس کے گھر چھوڑا۔ وہ سارا راستہ روتی رہی۔ میرا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے کل اس عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ خریداری کرتے پھر دیکھا ہے، وہ خوش نہیں لگ رہے تھے مگر دیکھو ساتھ تو تھے۔ لہٰذا ایک اچھی لڑکی بنو ہیلن، ہم سب کی طرح آگے بڑھو۔ بہت جلد ہم بہار منائیں گے''۔

ارے بڑی شیلڈز تم بولتے رہو گے، کلیئر لطائف سناتا رہے گا اور ماما تب تک روتی رہے گی جب تک وہ اسے بھول نہ جائے مگر مجھے جو بات کبھی سمجھ نہیں آئے گی وہ یہ ہے کہ ابھی کلیئر

میک کیوری کو اپنی حرکت کی وضاحت نہ دیتے ہوئے دیکھ کر پہلی مرتبہ مجھے یہ کیوں محسوس ہوا کہ میں ہاتھ بڑھا کر اسے چھونا چاہتی تھی۔

سُرخ لباس......۱۹۴۶ء

میری ماں میرے لیے ایک لباس تیار کر رہی تھی۔ نومبر کا پورا مہینہ جب میں اسکول سے آتی تو اسے سرخ ویلوٹ اور دوسری مختلف کترنوں کے درمیان گھر کے کچن میں پاتی۔ وہ ایک پرانی مشین پر کام کرتی جو اُس نے روشنی کی خاطر کھڑکی کے قریب رکھی ہوتی اور اس لیے بھی تا کہ سڑک پر کھیتوں کے پاس سے گزرتے راہ گیروں کو دیکھ سکے۔ کبھی کبھار کوئی دیکھنے کو ملتا تھا۔

سرخ ویلوٹ کو سنبھالنا بہت مشکل تھا۔ یہ سیتے ہوئے کھینچ جاتا پھر جو لباس میری ماں میرے لیے بنانا چاہتی تھی وہ بھی آسان نہ تھا۔ وہ بہت اچھی درزن نہ تھی ہاں یہ الگ بات ہے کہ اسے کپڑے سینا پسند تھا۔ وہ کپڑے تو سیتی مگر اس کو نفاست سے ختم کرنے پر کوئی خاص توجہ نہ دیتی۔ مثال کے طور پر میری نانی اور خالہ کی طرح نفاست سے بٹن ٹانکنے یا کریزیں بٹھانے کا کام۔ ان کے برعکس میری ماں کوئی کپڑا سینے کا کام بہت جوش و جذبے سے شروع کرتی اور مشکل ڈیزائن منتخب کرتی پھر آہستہ آہستہ اس کا شوق ماند پڑ جاتا۔ پہلے تو اسے اپنے لیے کوئی ڈیزائن پسند ہی نہ آتا۔ یہ حیرانی کی بات نہیں تھی مگر اس کو اپنی سوچ کے مطابق کوئی ڈیزائن ملتا ہی نہ تھا۔ جب میں چھوٹی تھی تو بہت مرتبہ اس نے میرے لیے پھولوں والا، وکٹورین گلے والا لیسوں لگا لباس بنایا تھا اس کے ساتھ ویلوٹ کی جیکٹ تھی۔ یہ ایک کڑھائی والی جیکٹ تھی جو مکمل سرخ سکرٹ اور سیاہ قمیض کے اوپر پہننے والی تھی۔ میں یہ لباس بہت خوشی سے پہنا کرتی تھی اور اس وقت مجھے لوگوں کی رائے کی پروا بھی نہ ہوا کرتی تھی۔ اب جب میں بڑی ہو گئی تھی تو میں خواہش کرتی کہ کاش میرے پاس میری دوست لونی جیسے کپڑے ہوتے جو وہ اسٹور سے خریدا کرتی تھی۔

مجھے ماں کے سیئے کپڑے پہن کر دکھانے پڑتے (تا کہ اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو وہ ٹھیک کر لے) بعض اوقات لونی اسکول سے میرے ساتھ گھر آ جاتی اور صوفے پر بیٹھ کر مجھے دیکھتی اور میں ماں کو اپنے اردگرد گھوم کر، گہری سانسیں لیتے ہوئے لباس کو دیکھتے ہوئے، شرمندگی محسوس کرتی۔ گھر میں وہ جرابیں نہیں پہنتی تھی وہ تھوڑی متوازن ایڑھی والا جوتا پہنتی اور اس کی ٹانگوں پر نیلی اور سبز رگیں نظر آتیں۔ جب وہ پنجوں کے بل بیٹھتی تو مجھے اس کو دیکھ کر شرم آتی۔ میں لونی سے باتیں

کرنے کی کوشش کرتی تا کہ اس کی کم سے کم توجہ میری ماں کی طرف ہو۔لونی بڑوں کی موجودگی میں خود کو سنبھالے رکھتی اور چہرے پر نرم معصومیت کے تاثرات رکھتی مگر وہ کبھی نہیں جان سکے کہ وہ بعد میں ان پر ہنستی اور ان کا مذاق اڑاتی تھی۔

میری ماں نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور سوئیاں لگائیں۔ مجھے گھما کر دیکھا، چلا کر اور پھر کھڑا کر کے دیکھا اور منہ میں سوئی دبائے ہوئے بولی ''تمھارے خیال میں یہ کیسا لگ رہا ہے لونی''؟

''یہ خوب صورت ہے'' لونی نرم مخلصانہ آواز میں بولی۔ لونی کی ماں مر چکی تھی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہتی تھی جس نے کبھی اس کی طرف توجہ نہ دی اور میرے نزدیک وہ خوش قسمت تھی۔

میری ماں نے کہا ''یہ مزید خوب صورت ہو جائے گا اگر میں اس کے لحاظ سے پورا بنا سکوں''۔ پھر انتہائی برے طریقے سے آہ بھر کر اٹھتے ہوئے اس نے مزید کہا ''مگر وہ بھی تب ہے اگر اسے یہ پسند آ جائے''۔ اس طرح اس نے لونی سے بات کرتے دیکھ کر مجھے شدید غصہ آیا جیسے اس کے نزدیک لونی بڑی جب کہ میں صرف بچی ہوں۔ ''سیدھی کھڑی رہو'' کہہ کر اس نے سوئیاں اُتاریں اور پھر وہ لباس میرے سر کے اوپر سے اُتارنے لگی۔ میرے سر پر ویلوٹ اور جسم پر صرف اسکول کی وردی کے نیچے پہنا جانے والا زیر جامہ تھا۔ مجھے اپنا آپ پھولا ہوا اور بھلا محسوس ہوا۔ میں نے سوچا کہ کاش میں بھی لونی جیسی ہلکی پھلکی اور پتلی ہوتی۔

میری ماں نے کہا ''جب میں ہائی اسکول جاتی تھی میرے لیے کبھی کسی نے لباس نہیں بنایا تھا یا میں اپنے لیے خود بناتی یا کوئی بھی نہ بناتا۔ میں خوف زدہ تھی کہ وہ پھر سے اپنی سات میل دور شہر جا کر نوکری ڈھونڈنے والی کہانی سنانا نہ شروع کر دے جو وہ اپنے ہائی اسکول جانے کے لیے کرتی تھی۔ میری ماں کی زندگی کی تمام کہانیاں جو کبھی میں توجہ سے سنتی تھی اب مجھے بے کار، من گھڑت اور بوریت بھری محسوس ہوتی تھیں۔

وہ بولی ''ایک مرتبہ مجھے ایک لباس ملا جو ہلکے رنگ کا کشمیری اون سے بنا تھا۔ اس کے سامنے والے حصے پر نیلے رنگ کی سجاوٹ اور موتیوں جیسے بٹن لگے تھے۔ میں حیران ہوں کہ اس کا کیا بنا ہوگا۔

جب ہم فارغ ہو گئے تو اوپر میرے کمرے میں چلے گئے۔ ٹھنڈ زیادہ تھی مگر ہم وہیں

رہتے تھے۔ہم نے اپنی جماعت کے لڑکوں کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔"کیا تم اسے پسند کرتی ہو؟ اچھا کیا تم اسے بس تھوڑا بہت پسند کرتی ہو؟ کیا تم اس سے نفرت کرتی ہو؟ اگر اس نے تمھیں ساتھ جانے کو کہا تو تم اس کے ساتھ جاؤ گی"؟ ہم سے کبھی کسی نے ساتھ جانے کا نہیں کہا۔ہم تیرہ سال کی تھیں اور صرف دو مہینے سے ہائی اسکول جا رہی تھیں۔ہم نے رسالے میں دیے گئے سوال حل کیے اور اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کیا ہماری شخصیت مسحور کن ہے اور ہم مشہور ہوں گے یا نہیں۔ہم مختلف مضامین پڑھتے تا کہ جان سکیں اپنے چہرے کو دل کش دکھانے کے لیے کیسے کھڑے ہونا چاہیے،کسی لڑکے کے ساتھ پہلی ملاقات میں کیسی بات کرنی چاہیے اور اگر کوئی لڑکا اپنی حد سے بڑھنے لگے تو کیا کرنا چاہیے۔اس کے علاوہ ہم ماہواری کے رک جانے، اسقاط حمل اور مردوں کے معاشقوں کے بارے میں بھی پڑھتے رہتے۔جب ہم اسکول کا کام نہ کر رہے ہوتے تو ہمارا زیادہ تر وقت جنسی معلومات کو اکٹھا کرنے، ایک دوسرے کو بتانے یا اس پر بحث کرنے میں گزرتا۔ہم نے ایک معاہدہ کیا تھا کہ ایک دوسرے کو ہر بات بتائیں گے مگر ایک بات جو میں نے اسے نہیں بتائی وہ ہائی اسکول میں ہونے والی کرسمس پر ڈانس پارٹی کے متعلق تھی جس کے لیے میری ماں یہ لباس بنا رہی تھی اور یہ میں نے اس لیے نہیں بتائی تھی کیوں کہ میں اس پارٹی میں نہیں جانا چاہتی تھی۔

میں ایک بار بھی ہائی اسکول میں سکون محسوس نہیں کرتی تھی،لونی کا پتا نہیں۔امتحان سے پہلے اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ جاتے اور دھڑکن تیز ہو جاتی مگر میں ہر وقت مایوسی کا شکار رہتی۔جب کلاس میں مجھ سے کوئی سوال پوچھا جاتا (کوئی آسان سوال بھی) میری گھٹی گھٹی آواز نکلتی وہ بھی کانپ رہی ہوتی۔جب مجھے تختہ سیاہ پر کچھ لکھنے کو کہا جاتا تو چاہے میری ماہواری کے دن نہ بھی ہوتے، مجھے ایسے گمان ہوتا کہ میری قمیض پر خون کا دھبہ ہوگا۔تختہ سیاہ پر کام کرتے ہوئے میری ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ جاتیں اور میرے ہاتھ پھسلنے لگتے۔جب مجھے دوسروں کے سامنے والی بال کھیلنے کو کہا جاتا تو میرا دماغ کام کرنا بند کر دیتا اور مجھ سے وہ کھیل کھیلا نہ جاتا۔مجھے کاروبار کے متعلق کام کرنا بھی نہ پسند تھا کیوں کہ یہ مجھے مشکل لگتا پھر جب ٹیچر میری طرف دیکھتی تو بلند آواز میں پڑھتے ہوئے تمام الفاظ میرے دماغ اور نظر سے جیسے غائب ہو جاتے۔مجھے سائنس سے نفرت تھی۔ہمیں تیز روشنی میں انجان اور نازک آلات رکھی میزوں کے پیچھے اسٹول پر بیٹھنا پڑتا۔سائنس ہمیں اسکول کے پرنسپل پڑھاتے۔ان کی آواز سرد ہوتی اور ان کو بے عزتی کرنا خوب آتا

تھا۔ مجھے انگریزی سے نفرت تھی کیوں کہ کلاس کے لڑکے کمرا جماعت میں پیچھے بیٹھے کھیلتے رہتے اور ٹیچر جو نرم مزاج تھی، سامنے کھڑی ورڈز ورتھ کو پڑھتی۔ کبھی وہ سرخ چہرے کے ساتھ لڑکوں کو دھمکاتی اور کبھی میری طرح نا قابل بھروسہ آواز میں چپ کراتی۔ لڑکے معافی مانگ لیتے اور جب وہ پھر پڑھنے لگتی تو وہ اشتعال انگیز حرکتیں کرنے لگتے۔ کبھی بے ہوش ہو کر گرنے، آنکھیں بھینگی کرنے اور کبھی ہاتھ میں دل لے کر پھینکنے کی اداکاری کرتے۔ بعض اوقات وہ اس جہنم جیسے ماحول میں بے بس ہو کر رونے لگتی اور بھاگ کر ہال کی طرف چلی جاتی اور پیچھے سے لڑکے شور مچانے اور بے ہنگم طریقے سے ہنسنے لگتے۔ اس وقت کمرے کا ماحول اس قدر بھیانک ہوتا کہ مجھ جیسے کم زور اور خود کو مجرم سمجھنے والے لوگ خوف زدہ ہو جاتے۔

اس اسکول میں سائنس یا انگریزی کے علاوہ بھی کچھ تھا جو مجھے لاچار محسوس کراتا تھا۔ یہ پرانی عمارت جس میں پتھروں کی دیواروں سے بنے تہہ خانے تھے، اندھیروں بھرے کمرے اور فوت شدہ مشہور لوگوں کی تصویریں تھی۔ یہ سب عجیب تناؤ پیدا کرتے اور بے شک میں کامیاب ہونے کے خواب دیکھتی پیش گوئی کر سکتی تھی کہ میں شکست کا سامنا کروں گی۔ کچھ تو ہونا چاہیے جو مجھے اس ڈانس میں جانے سے روک سکے۔

دسمبر میں برف باری ہوتی اور ایک خیال میرے ذہن میں آتا۔ پہلے تو میں نے سوچا میں سائیکل سے گر کر اپنا ٹخنہ زخمی کر لوں لیکن یہ بہت مشکل تھا میرا گلا یقیناً کمزور تھا۔ میں نے سوچا کیوں نہ اسے خراب کر لوں؟ میں نے رات کے وقت بستر سے نکلنا اور کھڑکی کو تھوڑا سا کھلا رکھنا شروع کر دیا۔ میں جھک کر برف باری میں یخ بستہ ہوا کو اپنے ننگے گلے سے ٹکرانے دیتی۔ میں پاجامے سے اوپر کپڑے اتار دیتی۔ میں خود سے کہتی، سردی سے نیلی پڑ جاؤ اور جھکی بیٹھی آنکھیں بند کر کے خود کو ٹھنڈ کی وجہ سے شدید بیمار تصور کرتی۔ میں بیٹھی رہتی جب تک یہ برداشت سے باہر نہ ہوتا اور پھر میں برف سے ہاتھ بھر کر اسے اپنے سینے پر پھیر لیتی اور پھر قمیض کے بٹن بند کر لیتی۔ بعد میں یہ برف پگھل جاتی اور میں گیلے کپڑوں میں سوتی جو اِن سب میں بدترین بات ہوتی۔ صبح اٹھنے کے بعد میں اپنا گلا کھنکارتی تا کہ دیکھ سکوں اس میں درد ہے یا کھانسی، اس امید سے ماتھے پر ہاتھ رکھتی کہ شاید مجھے بخار ہو، مگر ایسا نہ ہوتا۔ ہر صبح یہاں تک کہ ڈانس پارٹی کے دن بھی میں بالکل صحت مند تھی۔

رقص کے دن میں نے اپنے بال گھنگھریالے بنائے۔ میں نے ایسا پہلے کبھی نہیں کیا تھا

کیوں کہ میرے بال قدرتی طور پر گھنگریالے تھے۔ میں لڑکیوں کی تیاری اور بناؤ سنگھار کے تمام طریقے خود پر آزمانا چاہتی تھی۔ میں کچن میں صوفہ پر لیٹ کر کہانی پڑھ رہی تھی تب میں نے خود اس کہانی کا کوئی کردار ہونے کی خواہش کی۔ کبھی مطمئن نہ ہونے والی میری ماں، لباس کے کالر پر سفید رنگ کی لیس لگا رہی تھی۔ اسے یہ لباس میری عمر کے لحاظ سے بڑا لگ رہا تھا۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ یہ سال کے مختصر ترین دنوں میں سے ایک دن تھا۔ صوفے سے اوپر دیوار پر پرانے نشان اور ہاتھ سے بنی تصویریں چسپاں تھیں جو میں نے اور میرے بھائی نے بیماری کے دنوں میں بنائی تھیں۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور سوچا کہ بچپن کتنا محفوظ کن تھا۔

جب میں نے اپنے بالوں میں سے گھنگریالے بال بنانے والے رولر اُتارے تو یہ سب بال مل کر جھاڑی جیسے محسوس ہونے لگے۔ میں نے ان کو گیلا کیا، کنگھی کی اور برش کی مدد سے زور زور سے بناتے ہوئے اپنے گالوں کے ساتھ کرتے ہوئے انھیں سنوارا۔ میں نے چہرے پر پاؤڈر لگایا جو میرے چہرے پر چاک کی طرح لگ رہا تھا۔

میری ماں اپنا پرفیوم لے کر آئی جو اس نے کبھی استعمال نہیں کیا تھا اور اسے میرے بازوؤں پر چھڑکایا۔ پھر اس نے لباس کی زپ بند کی اور مجھے شیشے کی طرف گھمایا۔ نیا لباس شہزادیوں کے لباس کی طرح درمیان سے بہت چست تھا۔ میں نے دیکھا کہ بچگانہ لیس لگے کالر کے نیچے میری کچھ اُبھری چھاتیاں حیران کن طور پر میری نوخیز اُبھرتی جوانی کی عکاسی کر رہی تھیں۔

میری ماں نے کہا'' کاش میں تمھاری تصویر اُتار سکتی۔ میں سچ میں اس لباس کے تمھیں بہترین انداز میں پورا آنے پر فخر محسوس کر رہی ہوں اور تمھیں میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے''۔

''شکریہ''میں نے کہا۔

جب میں نے لونی کے لیے دروازہ کھولا تو اس نے زور سے کہا'' اُف خدایا، تم نے اپنے بالوں کے ساتھ کیا کیا ہے''؟

''میں نے انھیں بنایا ہے'' میں نے کہا۔

''تم افریقیوں جیسی لگ رہی ہو۔ پریشان مت ہو۔ مجھے کنگھی لا کر دو میں ان کو آگے سے گولائی میں کر دیتی ہوں۔ یہ ٹھیک ہو جائیں گے بل کہ تم کچھ بڑی بھی لگو گی۔

میں شیشے کے آگے بیٹھ گئی اور لونی میرے پیچھے کھڑی ہو کر بال بنانے لگی۔

میری ماں نے ہمیں اکیلا نہیں چھوڑا۔ میں چاہتی تھی کہ وہ وہاں سے چلی جائے۔ اس

نے بال سنوارتے دیکھ کر کہا ''لونی تم نے تو کمال کر دیا تمھیں مستقبل میں یہی پیشہ اپنانا چاہیے''۔

''میں اس بارے میں سوچ رہی ہوں'' لونی نے کہا۔اس نے ہلکے نیلے رنگ کا کریپ کا لباس پہنا تھا جس کے ساتھ گھیرے دار قمیض اور ربن لگا تھا۔اس کا لباس میری نسبت زیادہ بڑی عمر کی لڑکیوں جیسا تھا چاہے میں اپنے لباس سے کالر اُتار بھی دیتی۔اس کے بال پن کارڈ پر بنی لڑکی کی طرح چمک دار تھے۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ ٹیڑھے دانتوں کی وجہ سے لونی کبھی خوب صورت نہیں لگ سکتی مگر اب میں نے دیکھا اس کے دانت ٹیڑھے ہیں یا نہیں اس کے جدید لباس اور سنورے ہوئے بالوں کو دیکھتے ہوئے میں نے خود کو عجیب گڑیا کی طرح محسوس کیا جو سرخ ویلوٹ سے بنی ہو، بڑی آنکھوں، جنگلی بالوں والی مضطرب گڑیا۔

میری ماں ہمارے پیچھے آئی اور اندھیرے میں ہمیں ''خداحافظ'' کہا۔ وہ ہمیشہ یہ فرانسیسی زبان میں کہا کرتی لیکن اس سے یہ سننا مجھے انتہائی عجیب لگتا اور اب بھی اس کے یہ کہنے پر مجھے اتنا غصہ آیا کہ میں نے جواب تک نہیں دیا۔صرف لونی نے خوشی سے جواباً ''شب بہ خیر'' کہا۔

جمنازیم میں صنوبر اور دیودار کی بو تھی۔ باسکٹ بال کی جالی کے ساتھ سرخ اور سبز کاغذ کی بنی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں۔ بڑی جماعت کے تمام طلبا جوڑی کی شکل میں آئے تھے۔ بارہویں اور تیرہویں جماعت کی کچھ لڑکیاں اپنے دوست لڑکے لے کر آئی تھیں جو یہاں سے پاس ہو کر جا چکے تھے اور اب شہر میں کاروبار کرتے تھے۔ یہ نوجوان جمنازیم میں سگریٹ پینے کے لیے آزاد تھے کوئی انھیں روک نہیں سکتا تھا۔لڑکیاں ان کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے کھڑی خوب صورت لگ رہی تھیں۔ میں بھی ایسا چاہتی تھی۔ وہ خود کو ایسے محسوس کروا رہی تھیں جیسے ہم سے بڑے اس رقص میں موجود تھے اور ہم لوگ غائب نہیں تو کم از کم وہاں بے حرکت ضرور تھے۔ جیسے ہی پہلے رقص کا اعلان ہوا وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے دھیرے سے آگے بڑھے جیسے وہ بچوں کی کسی کھیل کا حصہ ہوں۔ کانپتے ہوئے ہاتھ تھام کر اکٹھے ہوتے ہوئے لونی، میں اور نویں جماعت کی باقی لڑکیوں نے بھی ان کی تقلید کی۔

میں رقص کے بیرونی دائرے کی طرف اس وجہ سے دیکھنے کی ہمت نہیں کر رہی تھی کہ جلدی میں کوئی غیر اخلاقی حرکت نہ کر بیٹھوں۔ جب موسیقی رکی تو میں جہاں تھی وہیں رک گئی۔ تھوڑی سی نظریں اٹھاتے ہوئے میں نے میسن ولیمز نامی لڑکے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔اس نے ہچکچاتے ہوئے بہ مشکل میری کمر اور انگلیوں کو چھوتے ہوئے میرے ساتھ رقص شروع کر دیا۔

میری ٹانگیں بے جان تھیں، میرے بازو کانپ رہے تھے اور میں ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔ میسن ولیمز اسکول کے ہیروز میں سے تھا۔ وہ باسکٹ بال اور ہاکی کھیلتا تھا۔ وہ ہال میں شاہانہ انداز سے فخر کے ساتھ چلتا۔ میرے جیسی بے وقوف لڑکی کے ساتھ رقص کرنا اس کے لیے اتنا ہی ناگوار تھا جیسے شیکسپیئر کو یاد کرنا۔ میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ جب اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مایوسی بھری نظروں سے دیکھا۔ اس نے لڑکھڑاتے ہوئے ناچتے اور رقص کرتے ہوئے کونے پر لا کر مجھے کھڑا کر دیا، میری کمر سے ہاتھ ہٹا لیا اور میرا بازو چھوڑ دیا۔

''پھر ملتے ہیں'' کہہ کر وہ دور چلا گیا۔

مجھے یہ سمجھنے میں ایک یا دو منٹ لگے کہ کیا ہوا ہے اور یہ بھی کہ وہ اب واپس نہیں آئے گا۔ میں جا کر دیوار کے پاس اکیلی کھڑی ہو گئی۔ جسمانی تعلیم کی ٹیچر، جو دسویں جماعت کے لڑکے کے ساتھ رقص کر رہی تھی، اس نے مجھے متجسس نظروں سے دیکھا۔ ہمارے اسکول کی وہ واحد اُستانی تھی جو سماجی مطابقت کا لفظ استعمال کرتی تھی۔ میں خوف زدہ تھی کہ اگر اس نے دیکھ لیا یا اسے علم ہو گیا تو شاید وہ سب کے سامنے میسن کو میرے ساتھ رقص مکمل کرنے کا بولے گی۔ میں خود میسن کی اس حرکت سے حیران یا ناراض نہیں تھی کیوں کہ میں اسکول میں اس کی اور اپنی مقبولیت سے واقف تھی اور میں جانتی تھی کہ جو ابھی اس نے کیا اس کے لیے یہ کرنا مناسب تھا۔ وہ قدرتی طور پر ہیرو تھا اسے سٹوڈنٹ کونسل کے کسی ہیرو لڑکے کی طرح اسکول کے باہر بھی اچھا بننے کے لیے کوشش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان میں سے کوئی میرے ساتھ رقص کرتا تو وہ شائستگی کے ساتھ کرتا اور مجھے کبھی برا محسوس نہ ہونے دیتا۔ ابھی بھی مجھے امید تھی کہ زیادہ لوگوں نے نہ دیکھا ہوگا مجھے اس بات سے نفرت تھی۔ میں نے اپنے انگوٹھے کو کاٹنا شروع کر دیا۔

جب موسیقی رُکی تو میں جمنازیم کے آخر میں کھڑی لڑکیوں کے ساتھ مل گئی اور ایسے ظاہر کیا جیسے کچھ نہ ہوا ہو۔ میں نے خود سے کہا کہ ایسے ظاہر کرو جیسے رقص ابھی شروع ہونے والا ہے۔

موسیقی پھر سے شروع ہوئی ہماری طرف ہلچل شروع ہوئی اور ہجوم ایک دم کم ہو گیا۔ لڑکے آتے اور لڑکیاں ان کے ساتھ رقص کرنے کے لیے چلی جاتیں۔ لونی چلی گئی میری دوسرے طرف کھڑی لڑکی بھی چلی گئی۔ مجھ سے کسی نے رقص کا نہیں پوچھا۔ مجھے رسالے میں لکھا مضمون یاد آیا جو میں اور لونی نے پڑھا تھا جس میں لکھا تھا ''لڑکوں کو اپنی آنکھوں کی چمک دیکھنے دو، انھیں اپنی

آواز کی کھنک سننے دو، سادہ اور واضح بات ہے مگر لڑکیاں بھول جاتی ہیں''۔اور یہ سچ تھا، میں بھول گئی تھی۔تناؤ کی وجہ سے میری بھنویں اکڑی ہوئی تھیں۔ میں یقیناً خوف زدہ اور بدصورت لگ رہی تھی۔ میں نے گہری سانس لی اور چہرے کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میں مسکرائی مگرا کیلے مسکرانا حماقت لگ رہی تھی، میں نے مشاہدہ کیا کہ رقص کرتی ہوئی مشہور لڑکیاں مسکرا نہیں رہیں۔ان میں سے اکثر کے چہروں پر غنودگی تھی جیسے وہ کبھی نہیں مسکرائیں۔

لڑکیاں ابھی بھی رقص کے لیے جا رہی تھیں۔ کچھ مایوس ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ چلی گئیں لیکن ان کی اکثریت لڑکوں کے ساتھ گئی تھی۔ موٹی لڑکیاں، دانے بھرے چہرے والی لڑکیاں، غریب لڑکیاں جن کا لباس اچھا نہ تھا ان سب کو رقص کے لیے پوچھا گیا تھا اور وہ چلی گئی تھیں۔انھیں کیوں لے گئے اور مجھے نہیں؟ ہر کوئی کیوں مگر میرے علاوہ؟ میرا لباس ویلوٹ کا تھا، میں نے گھنگریالے بال بنائے تھے اور خوشبو بھی لگائی تھی۔ میں نے سوچا دعا کرتی ہوں۔ میں آنکھیں بند نہیں کر سکتی تھی مگر میں نے ذہن میں بار بار دہرایا ''پلیز مجھے لے جاؤ پلیز'' اور ہاتھ اپنے پیچھے کر کے انگلیاں ایک دوسرے پر رکھ کر اس کی شکل بنائی جیسے میں اور لونی ریاضی کی کلاس میں تختہ سیاہ پر بھیجے نہ جانے کے لیے کرتی تھیں۔

اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ میں جس بات سے خوف زدہ تھی وہی ہوا۔ میں اکیلی رہ جانے والی تھی۔ میرے ساتھ کچھ عجیب معاملہ تھا شاید کچھ ایسا جس کی وجہ سے منہ سے بد بو آنے والی، مہاسے بھرے چہرے والی لڑکیاں منتخب کی جا سکتی تھیں مگر میں نہیں۔ یہ بات سب جانتے تھے، میں بھی جانتی تھی۔ میں شروع سے یہ جانتی تھی مگر میں پُر یقین نہیں تھی اور امید رکھتی تھی کہ یہ میرا وہم ہے۔اب مجھے یقین ہو چکا تھا۔ میں باقی بچی ایک دو لڑکیوں سے نکل کر تیزی سے باہر لپکی اور لڑکیوں کے واش روم چلی گئی اور ایک واش روم میں خود کو چھپا لیا۔

میں وہیں ٹھہری رہی اس دوران رقص کرنے والی لڑکیاں آتیں اور جلدی سے واپس چلی جاتیں۔ وہاں بہت سے واش روم تھے کسی کو محسوس نہ ہوا کہ میں کب سے وہاں تھی۔ رقص کے دوران میں نے اپنی پسندیدہ موسیقی بھی سنی جس کا اب میں حصہ نہیں تھی اور جس کے لیے میں اب کوشش بھی نہیں کرنے والی تھی۔ میں صرف یہاں چھپنا، کسی کی بھی نظر میں نہ آنا اور گھر جانا چاہتی تھی۔

ایک مرتبہ جب موسیقی شروع ہو گئی تو بھی کوئی پیچھے ٹھہری رہی۔اس کو بہت وقت ہو گیا

تھا وہ پانی چلا کر ہاتھ دھوئے جا رہی تھی اور بال بنائے جا رہی تھی وہ یقیناً یہ سوچنے والی ہوگی کہ یہ کتنا حیران کن تھا کہ میں کب سے یہاں تھی۔ بہتر تھا کہ میں باہر نکل کر ہاتھ دھونے لگوں، ہوسکتا ہے میرے ہاتھ دھونے کے دوران وہ چلی جاتی۔

یہ مَیری فورچیون تھی، میں اس کا نام جانتی تھی کیوں کہ وہ لڑکیوں کی اتھلیٹک سوسائٹی کی سربراہ تھی وہ مشہور تھی اور ہمیشہ چیزیں ترتیب سے لگاتی رہتی تھی۔ وہ اس رقص کو منظّم کرنے والوں میں بھی شامل تھی۔ وہ سجاوٹ کے لیے ہر جماعت میں جا کر رضا کار ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ گیارہویں یا بارہویں جماعت میں تھی۔

اس نے کہا'' یہاں موسم بہتر اور ٹھنڈا ہے۔ میں گرمی محسوس کر رہی تھی اس لیے یہاں آئی ہوں''۔

وہ اب بھی بال بنا رہی تھی جب کہ میں ہاتھ دھو چکی تھی۔ اس نے پوچھا'' کیا تمھیں یہ موسیقی کا بینڈ پسند آیا''؟

''یہ ٹھیک ہے''۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہوں۔ میں اس پر حیران تھی کہ مجھ سے بڑی لڑکی اس وقت مجھ سے بات کر رہی تھی۔

''مجھے یہ پسند نہیں آیا۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔ جب مجھے موسیقی پسند نہ آئے تو مجھے رقص کرنے سے نفرت ہوتی ہے۔ سن کر دیکھو یہ کتنا بے ہنگم ہے۔ میں اس پر رقص نہیں کروں گی''۔

میں نے بال بنائے۔ وہ بیسن پر جھکی مجھے دیکھنے لگی۔

''میں رقص نہیں کرنا چاہتی اور خاص طور پر یہاں تو ہرگز نہیں رہنا چاہتی۔ چلو باہر چلیں اور سگریٹ پئیں''۔

''کہاں''؟

''آؤ، میں تمھیں بتاتی ہوں''۔

واش روم کے آخر میں ایک دروازہ تھا۔ جو کھلا تھا اور یہاں سے ایک راستہ اندھیری، جھاڑو اور بالٹیوں سے بھری الماری کی طرف جاتا تھا۔ اس نے مجھے دروازہ کھلا رکھنے کو کہا تاکہ واش روم کی روشنی میں دیکھ سکے۔ یہاں تک کہ اسے دوسرے دروازے کی کُنڈی مل گئی۔ یہ دروازہ اندھیرے میں کھل رہا تھا۔

اس نے کہا ''میں روشنی نہیں جلاسکتی ورنہ کوئی ہمیں دیکھ لے گا۔ یہ صفائی کرنے والوں کا کمرا ہے''۔ میں نے اندازہ لگایا کہ کھیلوں میں حصہ لینے والوں کو ہم لوگوں کی نسبت اسکول کی عمارت کے بارے میں زیادہ معلومات ہوتی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ چیزیں کہاں رکھی جاتی ہیں اور وہ ممنوعہ دروازوں سے آسانی سے گزر جاتے ہیں۔ اس نے کہا ''خیال رکھنا تم جہاں جا رہی ہو دوسرے کونے میں کچھ سیڑھیاں ہیں۔ یہ دوسری منزل پر موجود الماری تک جاتی ہیں۔ دروازہ اوپر سے بند ہے لیکن کمرے اور سیڑھیوں کے درمیان رکاوٹ ہے۔ لہٰذا اگر ہم سیڑھیوں پر بیٹھیں گے تو کوئی یہاں آ بھی گیا تو ہمیں دیکھ نہیں پائے گا''۔

میں نے پوچھا ''کیا ان کو دھوئیں کی بو بھی نہیں آئے گی''؟

''ہاں مگر خطرے کے ساتھ جینا چاہیے'' اس نے کہا۔

سیڑھیوں سے اوپر ایک کھڑکی تھی جس میں سے روشنی چھن رہی تھی۔ اُس کے پاس پرس میں سگریٹ اور لائٹر تھا۔ میں نے اس سے پہلے کبھی سگریٹ نہیں پیا تھا بس ایک بار میں اور لونی نے لونی کے باپ کا تمبا کو چرا کر کاغذ میں لپیٹ کر خود سگریٹ بنا کر پیا تھا۔ مَیری کے یہ سگریٹ اس سے کہیں بہتر تھے۔

مَیری نے کہا ''میں آج رات یہاں صرف اس وجہ سے آئی ہوں کیوں کہ یہاں کی سجاوٹ میری ذمہ داری تھی اور میں یہاں یہ دیکھنے آئی ہوں کہ یہ کیسی دکھ رہی ہے۔ یہ لوگوں کے آنے کے بعد کیسی محسوس ہو رہی ہے ورنہ آنے کی زحمت کیوں کرتی؟ میں لڑکوں کے پیچھے پاگل نہیں ہوں''۔

کھڑکی سے آتی روشنی میں اس کا پتلا چہرہ، جو سانولا اور دانوں سے بھرا تھا، نظر آ رہا تھا۔ اس کے جڑے ہوئے موتیوں جیسے دانت بھی جو اسے بالغ اور قابل تعریف بنا رہے تھے۔

''زیادہ تر لڑکیاں لڑکوں کے پیچھے پاگل ہوتی ہیں۔ کیا تم نے غور کیا ہے؟ سب سے زیادہ لڑکیوں کی تعداد جو لڑکوں کی توجہ چاہتی ہیں اور تم تصور بھی نہیں کر سکتی وہ اس اسکول میں ہے''۔

میں اس کی توجہ، صحت اور سگریٹ کے لیے شکر گزار تھی، میں نے کہا مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔

''جیسے دیکھو آج دوپہر میں ان سے سجاوٹ کرانے کی کوشش کر رہی تھی تو وہ سیڑھیوں پر

چڑھی بس لڑکوں کے ساتھ مذاق میں مصروف تھیں۔انھیں اس بات سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ سجاوٹ مکمل بھی ہوگی یا نہیں۔انھیں بس بہانہ چاہیے تھا۔ان کی زندگی کا بس ایک یہ مقصد رہ گیا ہے،لڑکوں کے ساتھ گپیں ہانکنا۔میرے نزدیک وہ سب بےوقوف ہیں''۔

ہم نے اسکول کے معاملات اوراساتذہ کے بارے میں باتیں کیں۔اس نے بتایا کہ وہ جسمانی تعلیم کی استاد بننا چاہتی ہے اوراس کے لیے اسے کالج جانا پڑے گا مگراس کے والدین کے پاس پیسے نہیں ہیں۔اس نے مزید کہا کہ وہ اپنے طور پر کام کرے گی کیوں کہ اسے ہر حال میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے۔وہ کسی ہوٹل میں کام کرلے گی یا گرمیوں میں کسی کھیت میں کام کرے گی جیسے تمبا کو چننا۔اس کی باتیں سنتے ہوئے میری ساری پریشانی جیسے ختم ہوگئی تھی۔کوئی اور بھی تھا جو میری طرح ہی شکست خوردہ تھا، میں نے محسوس کیا تھا،لیکن وہ طاقت اورخودشناسی سے بھرپور تھی۔اس نے دوسرے کاموں کے بارے میں بھی سوچ رکھا تھا۔وہ تمبا کو چننے کو بھی تیار تھی۔

ہم موسیقی کے درمیان آئے لمبے وقفے کے دوران باتیں کرتے اور سگریٹ پیتے رہے جب کہ باقی لوگ باہر کافی پی رہے تھے اور ساتھ ڈونٹ کھا رہے تھے۔جب موسیقی دوبارہ شروع ہوئی تو میری نے کہا ''دیکھو کیا ہمیں مزید یہاں رُکنے کی ضرورت ہے؟ اپنے کوٹ لے کر چلتے ہیں۔کیوں نہ ہم نیچے لی کی دکان میں جا کر گرم چاکلیٹ کھاتے ہوئے سکون سے باتیں کریں''؟

ہم صفائی کرنے والوں کے کمرے سے نکل کر سگریٹ کے بچے ہوئے ٹکڑے اور راکھ ہاتھ میں دبائے باہر نکلے۔الماری کے پاس آ کر ہم نے رُک کر باہر کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ کوئی باہر موجود تو نہیں۔ہم باہر روشنی میں آئے اور راکھ واش روم میں پھینکی۔ہمیں باہر جا کر رقص والے کمرے سے ہوتے ہوئے اس کمرے میں جانا تھا جو خارجی دروازے کے ساتھ تھا۔

رقص شروع ہونے والا تھا۔مَیری نے کہا ''فرش کے کناروں کے ساتھ چلو۔کوئی ہماری طرف توجہ نہیں دے گا''۔

میں اس کے پیچھے پیچھے گئی اور کسی کی طرف نہیں دیکھا۔میں نے لونی کے لیے بھی نظریں نہ دوڑائیں۔لونی شاید اب مزید میری دوست نہیں رہنے والی تھی۔پہلے جیسی تو ہرگز نہیں۔ وہ مَیری کے کہنے کے مطابق لڑکوں کے پیچھے پاگل تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ میں نے رقص چھوڑنے کا ذہن بنالیا تھا، میں اتنی خوف زدہ بھی نہیں تھی۔ میں اب کسی کا انتظار بھی نہیں کر رہی تھی کہ کوئی میرا انتخاب کرے۔میرے اپنے

منصوبے تھے۔ مجھے مسکرانے یا خوش قسمتی کی دعائیں کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب اس سے مجھے فرق نہیں پڑنے والا تھا۔ میں بس اپنی دوست کے ساتھ گرم چاکلیٹ کھانے جا رہی تھی۔

ایک لڑکے نے مجھے کچھ کہا۔ وہ میرے رستے میں تھا۔ میں نے سوچا وہ یقیناً مجھے بتانا چاہ رہا ہوگا کہ میری کوئی چیز گر گئی ہے یا یہ کہ میں آخری کمرے کی طرف نہیں جا سکتی کیوں کہ اسے تالا لگا تھا۔ میں سمجھ نہیں سکی کہ وہ مجھے رقص کی دعوت دے رہا تھا جب تک کہ اس نے دوبارہ مجھ سے نہ پوچھا۔ یہ ہماری جماعت کا لڑکا ریمنڈ بولٹنگ تھا جس سے میں نے زندگی میں کبھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس کو لگا میرا جواب ہاں ہے۔ اس نے میری کمر کے گرد ہاتھ رکھا اور کچھ غیر مبہم سوچ کے ساتھ میں نے رقص شروع کر دیا۔

ہم فرش کے درمیان پہنچ گئے۔ میں رقص کر رہی تھی۔ میری ٹانگیں کانپنا چھوڑ گئی تھیں اور میرے ہاتھوں میں پسینہ بھی نہیں آ رہا تھا۔ میں اس لڑکے کے ساتھ رقص کر رہی تھی جس نے خود میرا انتخاب کیا تھا۔ اسے کسی نے ایسا کرنے کے لیے نہیں کہا تھا نہ اسے ایسا کرنے کی کوئی مجبوری تھی بس اس نے مجھے چُنا تھا۔ کیا یہ ممکن تھا، کیا میں اس کا یقین کر سکتی تھی، کیا مجھ میں کوئی کمی یا مسئلہ نہیں تھا؟

میں نے سوچا کہ مجھے اسے بتا دینا چاہیے کہ اس کو کوئی غلطی ہوئی ہے، میں بس جا رہی تھی۔ میں اپنی دوست کے ساتھ جا کر گرم چاکلیٹ کھانے والی تھی مگر میں نے کچھ نہیں کہا۔ میرے چہرے کے تاثرات ساتھ ساتھ تبدیل ہو رہے تھے جیسے منتخب کی گئی لڑکیوں کے چہروں کی طرح، جو رقص کر رہی تھیں۔ میرے چہرے کے یہ تاثرات مَیری نے دیکھے جب وہ سر پر اسکارف لپیٹے آخری کمرے سے باہر میری تلاش میں جھانک رہی تھی۔ میں نے اپنا وہ ہاتھ جو لڑکے کے کندھے پر رکھا تھا ہلکا سا ہلایا جو میری طرف سے معذرت تھی کہ میں نہیں جانتی ایک دم کیا ہوا اور یہ بھی کہ میرا انتظار کرنے کی اب ضرورت نہیں پھر میں نے منہ پھیر لیا اور جب میں نے دوبارہ دیکھا تو وہ جا چکی تھی۔

ریمنڈ بولٹنگ مجھے اور ہیرولڈ سائمنز لونی کو گھر چھوڑنے گیا۔ ہم سب مل کر چلتے رہے یہاں تک کہ لونی کا گھر آ گیا۔ دونوں لڑکے ہاکی کے کھیل پر بحث کر رہے تھے جو میری اور لونی کی سمجھ سے باہر تھی۔ پھر ہم جوڑوں کی شکل میں الگ ہو گئے اور ریمنڈ نے میرے ساتھ وہی گفتگو جاری رکھی جو وہ ہیرولڈ سے کر رہا تھا۔ اس کو محسوس نہ ہوا کہ اب وہ ہیرولڈ نہیں بل کہ میرے ساتھ

باتیں کرر ہا تھا۔ایک دومرتبہ میں نے کہا ''خیر مجھے اتنا علم نہیں میں نے یہ کھیل نہیں دیکھا''۔مگر کچھ وقت کے بعد میں نے بس ''اچھا، ہاں'' کہنے کا فیصلہ کیا اور شاید یہی مناسب تھا۔

ایک اور بات جو اس نے کہی یہ تھی ''مجھے اندازہ نہیں تھا تم اتنا دور رہتی ہو'' اور اس نے چھینک ماری۔ ٹھنڈ کی وجہ سے میری ناک سے بھی تھوڑا پانی بہنے لگا تھا۔ میں نے اپنے کوٹ کے جیب میں ٹافیوں کے درمیان ہاتھ مار کر ٹشو پیپر ڈھونڈا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں اسے ریمنڈ کے ساتھ بانٹوں یا نہیں مگر وہ اتنی زور سے چھینکا کہ بالآخر میں نے اس سے کہا ''میرے پاس صرف ایک ٹشو پیپر ہے، یہ مکمل صاف بھی نہیں، اس پر شاید سیاہی کا دھبہ ہے لیکن اگر میں اسے دو حصوں میں پھاڑ لوں تو شاید یہ ہم دونوں کے کام آ جائے''۔

''شکریہ، یقیناً میں اسے استعمال کر سکتا ہوں'' اس نے کہا۔

یہ ایک اچھی بات تھی جو میرے خیال میں اس نے کی تھی کہ اپنے دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے جب ''شب بہ خیر'' کہا تو ''ہاں، شب بہ خیر'' کہنے کے بعد وہ جھکا اور آہستہ سے اس نے میرے منہ کا بوسہ لے لیا۔ پھر وہ شہر کی طرف مڑ گیا یہ نہ جانتے ہوئے کہ وہ میرا مسیحا تھا جو مجھے میری فورچیون کی دنیا سے باہر نکال کر عام لوگوں کی دنیا میں واپس لے آیا تھا۔

میں نہ سوچتے ہوئے گھوم کر گھر کے عقبی دروازے کی طرف گئی کہ میں رقص میں گئی تھی، ایک لڑکا مجھے گھر چھوڑنے آیا اور اس نے میرا بوسہ لیا۔ یہ سب سچ تھا۔ میری زندگی میں یہ ممکن تھا۔ میں کچن کی کھڑکی کے پاس سے گزری اور میں نے اپنی ماں کو دیکھا۔ وہ اوون کے دروازے پر پیر رکھے، پرچ کے بغیر کپ میں چائے پی رہی تھی۔ وہ بیٹھی میرا انتظار کر رہی تھی کہ میں گھر آ کر جو کچھ ہوا سب اس کو بتاؤں۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکی، کبھی کر بھی نہیں سکتی تھی۔ جب میں نے کچن میں اپنی ماں کو ہلکے رنگ کا لباس پہنے دیکھا تو وہ نیند بھری آنکھوں کے ساتھ کچھ متوقع تاثرات چہرے پر سجائے بیٹھی تھی، میں سمجھ گئی کہ وہ پُراسراریت کیا تھی جو میری ذات میں کمی کی وجہ تھی، وہ میرے خوش رہنے پر لگی جابرانہ پابندی تھی (جو میری ماں کے مجھ پر بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے تھی) اور یہ بھی کہ کیسے میں نے اسے ناکام کر دیا تھا اور شاید ہر دفعہ آئندہ بھی ناکام کر دوں گی مگر وہ کبھی نہیں جان پائے گی۔

اتوار کی ایک سہ پہر

مسز گینٹ کچن میں آئی وہ اپنے منہ سے سیٹی کی دُھن بجا رہی تھی اس نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے جس پر رنگ برنگے پھول بنے تھے۔ ایلوَا سبزی دھو رہی تھی۔ یہ اڑھائی بجے کا وقت تھا۔لوگ مشروبات پینے کے لیے آنا شروع ہو گئے تھے۔ یہ جانے پہچانے لوگ تھے، انھیں ایلوا نے گینٹ فیملی میں کام کے دوران کئی بار دیکھا تھا۔ان میں مسز گینٹ کا بھائی اور اس کی بیوی وینس فیملی اور فدریڈرک فیملی کے لوگ شامل تھے۔مسز گینٹ کے والدین سینٹ مارٹن میں دعوت شروع ہونے سے قبل اپنے ساتھ کزن کو لے آئے تھے یہ نوجوان تھا۔ جواُن کے جانے کے بعد بھی یہیں رہا۔مسز گینٹ کی فیملی دائیں طرف بیٹھی تھی۔اس کی تین بہنیں تھیں۔ یہ سب گوری رنگت کی اور اپنی بہن کی نسبت مضبوط جسم کی مالک تھیں۔اس کے والدین کے بال سفید تھے۔ وہ صاف گو اور خوب صورت نظر آ رہے تھے۔مسز گینٹ کے والد جارجیائی خلیج میں ایک پورے جزیرے کے مالک تھے جہاں انھوں نے ہر بیٹی کے لیے گرمیوں کے دن گزارنے کے لیے الگ الگ گھر بنائے تھے۔ یہ جزیرہ ایلوا ابھی دیکھنے جا رہی تھی۔مسز گینٹ کی ماں قصبے میں موجود سرخ اینٹوں سے بنے گھر میں رہتی تھی یہاں درخت نہیں تھے۔ ہفتے میں ایک مرتبہ مسز گینٹ اسے دیکھنے جاتی،اسے ساتھ گھمانے اور شام کے کھانے کے لیے گھر لے آتی۔اپنے گھر واپس آنے تک وہاں کوئی کچھ نہ کھاتا پیتا سوائے انگوروں کا رس پینے کے۔ایک مرتبہ جب مسٹر اور مسز گینٹ کو شام کے کھانے کے بعد فوراً باہر جانا تھا مسز گینٹ کچن میں آئی اور ایلوا کے پاس دھونے کے لیے برتن رکھے۔ وہ کافی خبطی اور بیزار طبیعت کی حامل تھی خاندان کی باقی خواتین کی طرح،جن کے گھر میں ملازمائیں کام کرتی تھیں۔ ایلوَا کے نزدیک اس کا روّیہ اس کی باقی بہنوں کی نسبت کچھ بہتر تھا۔ مسز گینٹ فریج کا دروازہ کھول کر کھڑی ہو گئی۔ بالآخر اس نے کھلکھلا کر کہا''ایلوَا میرا خیال ہے،ہم دوپہر میں کچھ کھا سکتے ہیں''۔

''ٹھیک ہے'' ایلوَا نے کہا۔مسز گینٹ نے اس کی طرف دیکھا۔ ایلوَا نے کبھی بھی کچھ غلط نہیں کہا تھا اور نہ کبھی بدتمیزی کی تھی۔مسز گینٹ حقیقت پسند تھی وہ ایک کنٹری ہائی اسکول میں

پڑھنے والی لڑکی سے ''جی میڈم'' سننے کی توقع نہیں رکھتی تھی، ایسا اس کی ماں کے کچن میں پرانی ملازمائیں کرتی تھیں۔

اکثر ایلوَا کا لہجہ متاثر کن ہوتا جس میں بہت زیادہ لاپروائی اور رضامندی کا عنصر شامل ہوتا تھا اور یہ چیز مسز گینٹ کو سب سے زیادہ اشتعال دلاتی تھی۔ اس کے پاس اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہ رہتا تھا۔ بہرحال اس جواب نے اس کی ہنسی روک دی۔ اس کا میک اپ سے بھرا چہرہ اچانک تناؤ زدہ ہوگیا۔

مسز گیٹ نے کہا'' آلو، سلاد، گوشت، مچھلی اور رول گرم کرنا مت بھولنا۔ کیا تم نے ٹماٹر چھیل لیے؟ خیر ایلوَا میری بات سنو، مجھے لگتا ہے یہ مولیاں بالکل اچھی نہیں ہیں، کیا تمھیں لگ رہی ہیں؟ بہتر ہے تم انھیں کاٹ لو جیسں مولیوں کو پھولوں کی شکل میں کاٹا کرتی تھی، اس طرح یہ اچھی لگتی تھیں''۔

اِیلوَا نے اناڑی طریقے سے مولیوں کو کاٹنا شروع کیا۔ مسز گینٹ تیوریاں چڑھائے نیلے اور مونگے رنگ کے شیلف پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کچن میں پھر رہی تھی۔ اس نے اپنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھ رکھا تھا جس سے اس کی سانولی گردن نمایاں ہو رہی تھی۔ بہرحال اِیلوَا جو بالکل بھی سانولی نہیں تھی، دن کا بیش تر حصہ گھر کے اندر گزارتی۔ وہ سترہ سال کی عمر میں اپنی خواہش کے برعکس ٹانگوں اور کمر سے پتلی تھی۔ اسے مسز گینٹ کے بھورے رنگ اور اس کی خوب صورتی پر رشک آتا تھا۔ وہ مکمل طور پر غیر مصنوعی اور اعلیٰ معیار نظر آتی تھی۔

''تمھیں معلوم ہے کیک تار سے کاٹنا ہے؟ میں تمھیں بتاؤں گی کہ کتنے شربت کے گلاس تیار کرنے ہیں اور کتنے کریم کے کپ۔ مسٹر گینٹ کے لیے فریزر میں پڑی سادہ ونیلا کا کپ تیار کرنا تم اپنے لیے بھی بنا سکتی ہو، یہ کافی مقدار میں فریزر میں موجود ہے۔ ارے ڈیریک کتنے بُرے ہو تم!'' مسز گینٹ بھاگتی ہوئی صحن کی طرف چلی گئی۔ اس کی آواز میں شوخی اور خوشی تھی۔ اِیلوَا کو معلوم تھا کہ ڈیریک مسٹر وینس ہے، وہ ایک اسٹاک بروکر تھا اسے دروازے سے جھانکنا نہ پڑا۔ اس کے لیے اتوار کے دن ایک مشکل یہ تھی کہ جب سب لوگ پی رہے ہوتے، پُر جوش اور آرام کر رہے ہوتے تو اسے یہ یاد رکھنا پڑتا کہ اُسے آرام کرنے اور لطف اندوز ہونے کی اجازت بالکل نہیں ہے۔ یقیناً وہ کچھ پی بھی نہ سکتی تھی سوائے برتنوں میں بچے مشروب کے۔ یہ برتن اور ان میں بچے مشروبات کچن میں واپس آنے تک بدذائقہ، ٹھنڈے، میٹھے اور بے بُو ہو چکے ہوتے تھے۔

یہ بے یقینی، بے حسی اور لا پروائی کے جذبات دو پہر کے وقت زیادہ بڑھ جاتے تھے۔ ایلوا ِان لوگوں کو مدہوشی کی حالت میں باتھ روم سے نکلتا دیکھتی۔ وہ اندھیرے کمروں میں عورتوں کو شیشے کے سامنے بناؤ سنگھار کرتے دیکھتی، کوئی نہ کوئی اکیلا ایک طرف بڑے صوفے پر ڈھیر ہو جاتا۔ اس وقت تک سورج کی تپش سے بچنے کے لیے رہائشی اور کھانے والے کمرے میں کھڑکیوں کے آگے پردے گرا دیے جاتے۔ قالین بچھے اور پردے یہ گرے کمرے ٹھنڈے محسوس ہوتے۔ ایلوا یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس گھر کے چھوٹے کمروں میں اتنا سارا سامان کیسے سمٹ سکتا ہے۔ ہر شے مکمل تھی، راہ داری کشادہ اور خالی تھی۔ یہاں صرف گل دان پڑے تھے۔ قالین، دیواریں اور چھتیں سرمئی رنگ کی تھیں۔ ایلوا کو بنا آواز پیدا کیے اس راہ داری سے گزرتے ہوئے ایک شیشے سے ٹکرانے کی خواہش ہوئی یا کوئی اور شے جس سے وہ ٹکرا جاتی۔ وہ جانتی تھی کہ کچھ نہیں ہے سوائے گل دانوں کے۔

صحن میں دو پہر کا کھانا لگانے سے پہلے وہ کچن کے کونے میں بڑے شیشے میں اپنے چہرے پر بکھرے بال سنوارتی، ایپرن کی ڈوریوں کو کس لیتی، اس کے پاس یہی حل تھا کیوں کہ یہ بہت کھلی سلی تھی۔ یہ یونیفارم جیسی تھی جب ایلوا نے اسے پہلی بار پہنا تو کہا یہ کافی بڑا ہے مگر مسز گینٹ اس سے متفق نہ ہوئی۔ یہ یونیفارم کچن کے آرائشی رنگوں سے ملتا جلتا تھا اس کا رنگ نیلا تھا۔ اس کے کف اور کالر سفید تھے۔ یہ ایپرن فینسی تھا اسے اس کے ساتھ جرابیں پہننا پڑتیں۔ سفید ایڑی والے جوتے پہننا پڑتے۔ وہ یہ پہن کر بے ڈھنگے انداز میں چلتی تھی مگر جب وہ میز پر برتن اور کھانا لگاتی تو اسے کوئی نہ دیکھ رہا ہوتا۔ صرف مسز گینٹ آتی اور چیزوں کو دوبارہ کھانے کی میز پر ترتیب دیتی۔ بے شک ایلوا اسے کوئی غلطی نہ ہوتی تھی مگر مسز گینٹ کو کوئی نہ کوئی کمی محسوس ہوتی رہتی تھی۔

جب وہ سب کھانا کھا رہے ہوتے ایلوا کچن کی میز پر کوئی پرانا رسالہ پڑھتے ہوئے اپنا کھانا کھاتی۔ یقیناً کھانے کے کمرے میں کوئی گھنٹی نہیں ہوتی۔ مسز گینٹ آواز دے کر پکارتی، 'ایلوا'' یہ آواز اس کے لیے گھنٹی سے کم نہ تھی۔ کھانے کے دوران کسی سے باتیں کرتے ہوئے، ہنستے ہوئے، ایک دم سے اپنا نام پکارا جانا ایلوا کو بہت عجیب لگتا۔ جیسے اس کا میکانکی انداز میں کوئی بٹن دبایا گیا ہو۔

کھانے کے اختتام پر سب اپنے میٹھے والے برتن اور کافی کے کپ کچن میں لے

آئے۔مسز وینس نے سلاد کی تعریف کی۔مسٹر وینس جو بہت زیادہ مدہوش تھا اپنی بیوی کی تائید کرتا رہا وہ برتن دھونے والے سنک کے پاس ایلوا کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔اس کے اتنا قریب تھا کہ وہ اس کی گرم سانسوں اور ہاتھوں کو بھی محسوس کر سکتی تھی جو بے شک اُسے چھو نہیں رہا تھا۔مسٹر وینس کافی لمبا، گھنگریالے سرمئی بالوں والا ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ ایلوا کے لیے یہ بات تشویش ناک تھی۔ ایلوا مسٹر وینس جیسے مردوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔مسز وینس ہر وقت بولتی رہتی مگر ایلوا محسوس کرتی تھی کہ جب وہ اس سے بات کرتی تو اس کا لہجہ باقی عورتوں کی نسبت سخت ہوتا۔وینس فیملی کے معاملات کچھ مختلف تھے۔ ایلوا اس بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی مگر اتنا کہ وہ دعوت میں شریک باقی لوگوں کی نسبت کم دولت مند تھے۔اس سب کے باوجود وہ ہمیشہ دعوت سے لطف اندوز ہوتے اور مسٹر وینس ہمیشہ زیادہ شراب پیتے تھے۔

مسٹر وینس نے پوچھا ''ایلوا کیا تم جارجیائی خلیج جا رہی ہو''؟ مسز وینس نے کہا ''تمھیں یہ پسند آئے گی گینٹ فیملی کی یہ بہت خوب صورت جگہ ہے''۔مسٹر وینس نے جاتے ہوئے کہا ''وہاں جا کر سورج سے لطف اٹھانا''۔ان کے جانے کے بعد جب ایلوا گندے برتن اٹھانے کے لیے مڑی تو اس نے دیکھا کہ مسٹر گینٹ کا کزن وہاں ابھی تک موجود تھا۔ وہ مسز گینٹ کی طرح دُبلا پتلا مگر اس سے کچھ گہرے رنگ کا تھا۔اس نے ایلوا سے پوچھا کیا اور کافی مل سکتی ہے؟ ایلوا نے بچا ہوا آدھا کپ اسے دے دیا۔اس نے کھڑے کھڑے پی لیا اور ایلوا کو برتن سمیٹتے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا ''کیا آج مزے کا دن تھا''؟ وہ کھڑی ہوئی مسکرائی اور وہاں سے چلی گئی۔

برتن دھونے کے بعد ایلوا فارغ تھی۔ رات کے کھانے میں ابھی وقت تھا مگر وہ جا نہیں سکتی تھی۔مسز گینٹ کو اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ وہ باہر نہیں جا سکتی تھی کیوں کہ سب لوگ باہر موجود تھے۔ وہ اوپر چھت پر چلی گئی۔ پھر یہ یاد آنے پر کہ مسز گینٹ نے کہا تھا کہ وہ اسٹور میں پڑی کتابیں پڑھ سکتی ہے، ان میں سے کوئی کتاب لینے کے لیے وہ واپس نیچے آ گئی۔ ہال میں وہ مسٹر گینٹ سے ملی جو اُس کی طرف سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔انھوں نے کہا ''ایلوا اِدھر دیکھو کیا تمھیں کھانے کے لیے مناسب خوراک مل رہی ہے''؟

یہ مذاق نہیں تھا کیوں کہ مسٹر گینٹ ایلوا سے مذاق نہیں کرتا تھا۔ وہ پہلے بھی ایک دو بار یہ سوال پوچھ چکا تھا۔ جیسے وہ ایلوا سے یہ پوچھنا اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا۔۔ ایلوا نے جھنجھلاتے

ہوئے یقین دہانی کرائی کہ وہ کھانا کھا چکی ہے۔کیا وہ ایک جانور ہے؟ اس نے کہا ''میں اسٹور میں سے کتاب لینے جا رہی تھی، مسز گینٹ نے کہا تھا کہ میں پڑھ سکتی ہوں''۔

''ہاں ہاں تم اپنی پسند کی کوئی بھی کتاب لے سکتی ہو، مسٹر گینٹ نے کہا۔ انھوں نے غیر متوقع طور پر ایلوا کے لیے اسٹور کا دروازہ کھولا اور اسے کتابوں کی الماری کی طرف لے گیا جہاں وہ ماتھے پر تیوری چڑھائے کھڑا رہا۔ اس نے پوچھا ''تم کون سی کتاب پڑھنا پسند کرو گی''؟ وہ تاریخی اور جاسوسی ناولوں کی طرف بڑھا مگر ایلوا نے کہا ''میں نے کبھی کنگ لیئر کو نہیں پڑھا'' مسٹر گینٹ نے کہا ''اوہ اچھا کنگ لیئر''۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ کتاب کہاں پڑی ہے لہٰذا ایلوا کو جھک کر دیکھنا پڑا، اس نے کہا ''نہ ہی میں نے دا ریڈ اینڈ دا بلیک پڑھی ہے''۔ مسٹر گینٹ ایلوا کی پسند سے خوش نہ ہوا مگر ایلوا اسے پڑھنا چاہتی تھی اس لیے کچھ کہہ نہ سکا۔ وہ اپنے کمرے میں کنگ لیئر کے ساتھ واپس تو نہ جا سکی وہ اس اسٹور سے باہر نکلی تو وہ خوش تھی۔ بالآخر اس نے مسٹر گینٹ کو بتا دیا تھا کہ وہ کھانا کھانے کے سوا بھی کچھ کرتی ہے۔ ایک عورت کی نسبت مرد کنگ لیئر کو پسند کرتا ہے۔ اس سے مسٹر اور مسز گینٹ کو کوئی فرق نہ پڑ سکتا تھا کیوں کہ ایلوا ایک ملازمہ ہی تھی۔

اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ کتاب پڑھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا کمرا گرم تھا کیوں کہ وہ گیراج کے اوپر تھا۔ بستر پر لیٹنے سے اس کی وردی میں سلوٹیں پڑ گئی تھیں اور اس کے پاس استری کی گئی کوئی دوسری وردی بھی نہیں تھی۔ وہ اسے اُتار کر اندرونی لباس میں بھی بیٹھ سکتی تھی مگر یہ ممکن تھا کہ مسز گیٹ اسے آواز دے کر فوراً آنے کا کہتی۔ وہ کھڑکی میں کھڑی باہر گلی میں جھانکتی رہی۔ یہ بل کھاتی گلی تھی جس میں پیدل چلنے کا راستہ نہ تھا۔ ایلوا کو شک ہوا کہ اس نے کبھی اس گلی میں کسی کو چلتے نہیں دیکھا۔ اس گلی میں گھر ایک دوسرے سے فاصلے پر واقع تھے جن کے پیچھے باغیچے میں درخت اور پودے اُگے تھے۔ ان میں سوائے باغ بانوں، باغ میں لگے جھولوں اور وہاں پڑی میزوں کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ان کے گرد پتھروں کی دیواریں اور باڑیں لگائی گئی تھیں۔ اس شام گلی میں گاڑیاں کھڑی دکھائی دے رہی تھیں۔ گھروں کے پیچھے سے باتیں کرنے اور ہنسنے والوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شدید گرمی کے باوجود سفید پتھروں سے بنے گھر، پھول کے رنگوں جیسی گاڑیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ کچھ بھی بے ڈھنگ بے ترتیب نظر نہ آ رہا تھا۔ ایلوا اس گلی کے حسن اور رنگینی سے محظوظ ہو رہی تھی۔ وہ بچوں کے ایک ڈیسک کے سامنے رکھی گئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کمرے میں موجود فرنیچر باقی کمروں سے لا کر یہاں رکھا گیا

تھا۔ یہ گھر کی واحد جگہ تھی جہاں کچھ بھی ایک جیسا نہ تھا۔اس نے اپنے گھر والوں کو ایک خط لکھنا شروع کر دیا۔

''باقی تمام گھر کافی جدید تھے۔ باغیچے میں نشہ آور جڑی بوٹیاں بھی نہیں ہیں۔ ہر ہفتے ایک پورا دن مالی اسے سجانے میں مصروف رہتا ہے۔میرا خیال ہے یہاں مرد حضرات جتنی طاقت ان باغیچوں کو سجانے میں صرف کرتے ہیں وہ کافی خوش مزاج ہوں گے۔ وہ کبھی کبھی باہر جاتے ہیں۔ان کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ان کے آنے جانے کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ میرے تنہا ہونے اور ایک ملازمہ ہونے کی وجہ سے آپ پریشان مت ہوں۔ میں کسی کو بھی اس بات سے پریشان نہیں ہونے دوں گی۔مزید یہ کہ میں درحقیقت ایک ملازمہ نہیں ہوں یہ صرف ان گرمیوں کے گزر جانے تک ہے۔ میں اکیلا پن محسوس نہیں کرتی، کروں گی بھی کیوں؟ میں چیزوں میں دلچسپی لیتی ہوں، ان کا مشاہدہ کرتی ہوں۔ ماں بے شک میں ان کے ساتھ بیٹھ کر کھا نہیں سکتی۔اس بات کا مذاق نہ اڑانا۔ یہ ایک عام روّیہ ہے جو ملازموں کے ساتھ برتا جاتا ہے۔ ویسے بھی مجھے اکیلے کھانا کھانا پسند ہے۔ اگر آپ اس بارے میں مسز گینٹ کو خط لکھ کر کہیں گی تو ان کو اندازہ بھی نہیں ہوگا کہ آپ کس بارے میں بات کر رہی ہیں۔اس لیے آپ ایسا نہ کرنا۔

میں مزید سوچ رہی ہوں جب میرین آئے تو میں دوپہر میں اس سے ملنے خود چلی جاؤں۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ یہاں آئے۔ مجھے نہیں علم یہاں ملازمین اپنے رشتہ داروں کو بلا سکتے ہیں یا نہیں۔وہ آنا چاہے تو یقیناً آ بھی سکتی ہے۔ میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتی کہ مسز گینٹ کا روّیہ ہمیشہ ایسا ہوگا۔ میں کوشش کروں گی وہ کوئی مسئلہ پیدا کیے بغیر مجھے یہاں مل لے۔

ایک ہفتے تک ہم جارجیائی خلیج کے لیے نکل رہے ہیں اور میں اس کے انتظار میں ہوں۔ میں روز تیر سکوں گی، مسز گینٹ کہتی ہیں اور......''

اس کا کمرا بہت گرم تھا۔اس نے نامکمل خط میز پر رکھا۔ مارگریٹ کے کمرے سے ریڈیو چلنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ اس امید سے ہال سے گزر کر مارگریٹ کے کمرے تک چلی گئی کہ وہ کھلا ہوگا۔ مارگریٹ چودہ سال کے قریب تھی۔عمر کا فرق کم ہونے کی وجہ سے وہ مارگریٹ کی صحبت میں وقت گزارنا پسند کرتی تھی۔

دروازہ کھلا تھا اور بیڈ پر مارگریٹ کے کپڑے بکھرے پڑے تھے۔ ایلوا نہیں جانتی تھی کہ اس کے پاس اتنے زیادہ کپڑے تھے۔

مارگریٹ نے کہا میں سامان نہیں باندھ رہی، میں جانتی ہوں یہ تھوڑا پاگل پن ہے مگر میں صرف یہ دیکھ رہی ہوں کہ میرے پاس کیا کچھ ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے سارے کپڑے صحیح سلامت ہوں گے۔

اِیلوَا نے بستر پر پڑے ان خوب صورت رنگوں والے کپڑوں کو چھوتے ہوئے خوشی محسوس کی۔ یہ مہنگے، فینسی اور انتہائی خوب صورت تھے۔ اِیلوَا حسد نہیں کر رہی تھی۔ اس سب کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا یہ مارگریٹ کی دنیا کا حصہ تھے۔

اِیلوَا نے پوچھا ''تم یہ سب کہاں پہننے والی ہو''؟

مارگریٹ نے سنجیدگی سے کہا ''او جیبوے کے ہوٹل میں۔ وہاں ہر ہفتے کے اختتام پر ڈانس پارٹیاں ہوتی ہیں۔ وہاں اپنی کشتیوں پر سوار ہو کر جاتے ہیں۔ جمعہ کی رات صرف بچوں کے لیے اور ہفتے کی رات والدین اور بچوں دونوں کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے میں بھی جا رہی ہوں۔ اگر میں لوگوں میں مقبول نہ ہوئی تو ڈیوس فیملی کی دو لڑکیاں ہیں، وہ ہو جائیں گی''۔

اِیلوَا نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا، ''تم فکر نہ کرو تم کامیاب رہو گی''۔

مارگریٹ نے کہا ''مجھے ڈانس کرنا اتنا پسند نہیں ہے جتنا کشتی چلانا۔ مگر پھر بھی مجھے یہ کرنا پڑے گا''۔

اِیلوَا نے کہا ''تم اسے پسند کرو گی''۔ وہاں ڈانس ہوگا، لوگ کشتیوں میں جائیں گے، وہ لوگوں کو آتے جاتے دیکھے گی۔ اِیلوَا ان سب چیزوں کے بارے میں صرف سوچ سکتی تھی۔

مارگریٹ نے فرش پر چوکڑی مار کر بیٹھتے ہوئے سفاک چہرے کے ساتھ اِیلوَا کو دیکھتے ہوئے کہا ''کیا تمھیں لگتا ہے کہ مجھے ان گرمیوں میں کسی سے دوستی رکھنی چاہیے''؟

اِیلوَا نے منتقم مزاجی سے کہا ''ہاں مجھے ایسا ہی لگتا ہے''۔ مارگریٹ اُلجھی ہوئی دکھائی دی اس نے کہا ''میں نے سنا ہے اسی وجہ سے اسکاٹی نے ایسٹر پر مجھ سے بات نہیں کی''۔

کچھ سنے بغیر مارگریٹ ہڑ بڑا کر کھڑی ہوئی اور آہستہ سے بولی ''ماں آ رہی ہے''۔

اسی لمحے مسز گینٹ کمرے میں داخل ہوئی۔ اپنے جذبات پر قابو پا کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''اوہ اِیلوَا تو تم یہاں ہو''۔

مارگریٹ نے کہا ''ممی میں اسے جزیرے کے بارے بتا رہی تھی''۔

''اِیلوَا نیچے بہت سے گلاس دھونے والے پڑے ہیں انھیں ابھی دھو لو تا کہ جب تم

کھانا لگاؤ تو یہ صاف ہوں اور ایلوَا کیا تمھارے پاس ایک نیا ایپرن ہے''؟ (مسز گینٹ نے کہا)

''یہ پیلا لباس بہت چست ہے۔ ماں میں نے پہن کر دیکھا ہے''۔ (مارگریٹ نے کہا)۔ دیکھو پیاری نخرے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہمارے جانے میں ابھی ایک ہفتہ باقی ہے''۔

اِیلوَا ہال سے گزر کر نیچے چلی گئی۔ اس نے اسٹور میں کچھ مدہوش لوگوں کو سنجیدگی سے باتیں کرتے سنا اور جب وہ سلائی کرنے والے کمرے کے قریب پہنچی تو اس نے دیکھا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ اب جزیرے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ایک جزیرہ جس کے وہ اکیلے مالک تھے۔ پتھر، سورج، صنوبر کے درخت اور خلیج کا گہرا ٹھنڈا پانی، سب ان کا تھا۔ وہ وہاں کیا کرے گی، ملازمائیں کیا کر سکتی ہیں؟ اپنے فارغ اوقات میں وہ تیراکی کے لیے جا سکتی ہے۔ اکیلی گھومنے جا سکتی ہے اور کسی وقت جب وہ خریداری کرنے جائیں تو وہ اکیلی کشتی کا سفر بھی کر سکتی ہے۔ مسز گینٹ نے کہا تھا وہاں کام کم کرنا ہوگا اور ملازمین وہاں اکثر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اِیلوَا نے باقی ملازماؤں کے بارے سوچا وہ سب اس سے زیادہ ہنرمند تھیں۔ کیا وہ بھی لطف اندوز ہوتی ہوں گی؟ انھیں کس قسم کی آزادی اور خوشی ملی ہوگی جو اسے نہیں ملی؟

اس نے سِنک میں پانی بھرا اور گلاس دھونے لگی۔ کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر پھر بھی اس کا دل بھرا ہوا تھا۔ دوسرے لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں ان کی کشتیوں، گاڑیوں اور ڈانس کی باتیں سن کر، گلی کے لوگوں کو دیکھ کر اور اس جزیرے کے بارے میں سوچ کر اس کا دل بھرا ہوا تھا۔ وہ یہاں اس بارے میں کسی سے بات کر کے دل ہلکا بھی نہ کر سکتی تھی۔

اس کو رات کے کھانے سے پہلے اوپر جا کر ایک صاف ستھرا ایپرن بھی پہننا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ باہر سے کوئی اندر آیا یہ مسز گینٹ کا نوجوان کزن تھا۔

اس نے کہا ''یہ ایک اور دھونے والا گلاس ہے میں اسے کہاں رکھوں''؟

اِیلوَا نے جواب دیا ''کہیں بھی رکھ دو''۔

مسز گینٹ کے کزن نے کہا ''شکریہ ادا کروں''؟ اِیلوَا مڑی اور اپنے ایپرن سے ہاتھ صاف کیے، وہ حیران رہ گئی۔ وہ کچن کے کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ مسز گینٹ کے کزن نے رومانوی انداز میں دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما اور کچھ وقت تک اس کی آنکھوں میں محبت سے دیکھتا رہا۔ اس نے کہا ''مسز گینٹ نے مجھے اگست کے آخر میں جزیرے پر آنے کی دعوت دی

ہے"۔

کسی نے آواز دی اور لوگوں سے چھپتا ہوا وہ باہر نکل گیا۔ ایلوَ او ہاں سا کن کھڑی تھی۔ اس اجنبی کے چھونے کے احساس نے اسے پرسکون کر دیا تھا جو شاید اب اس کے لیے اجنبی نہیں تھا اور وہ اس کی احسان مند تھی۔ اسے اس گھر میں یہ اعتماد اور ہلکا پن پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے لوگوں، ان کے رہن سہن اور اپنے بارے میں جو کچھ سوچا تھا وہ اب اتنا عجیب نہیں لگ رہا تھا۔ اسے اب جزیرے، چٹانوں اور سیاہ صنوبر کے درختوں کے بارے میں سوچنا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ یہ سب ایک نئی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ یہ ممکن تھا اب اُس کا اُدھر جانے کو دل کرتا۔ اس سب کے باوجود کچھ ایسا تھا جو اس کے لیے ابھی دیکھنا باقی تھا۔ یہ ایک نیا مگر عجیب سا شرمندگی کا احساس تھا۔

⁂

ایک دن ساحلِ سمندر پر

بلیک ہارس نامی یہ جگہ نقشہ پر موجود تھی مگر یہاں ایک اسٹور، تین گھروں، ایک قبرستان اور چرچ کے ساتھ منسلک ایک شیڈ کے علاوہ مزید کچھ نہ تھا۔ وہ چرچ بھی جل چکا تھا۔ گرمیوں میں یہ جگہ شدید گرم ہوتی کیوں کہ یہاں نزدیک کوئی نالہ نہ ہی کوئی سایہ دار جگہ ہے۔ گھر اور اسٹور سرخ اینٹوں سے بنے تھے جو دھندلی ہو رہی تھیں۔ چمنی اور کھڑکیوں کے گرد سرمئی اور سفید اینٹوں سے نہ ڈیزائن بنایا گیا تھا۔ ان کے پیچھے کھیت ان پودوں سے بھرا پڑا تھا جن کو توڑنے سے سفید دودھ جیسا مواد نکلتا تھا۔ کچھ گچھے دار شوخ زرد رنگ کے پھولوں والے پودے اور کچھ جامنی پھولوں سے بھرے پودے تھے۔ یہاں سے گزر کر شمال کی طرف جانے والے لوگ اس منظر کو بہت حسین پاتے ہوں گے۔ یہ نظارہ بہت خوب صورت لگتا جب دوپہر کے بعد گرمی میں سڑک کے آخر میں تکونی درخت نیلے، شفاف اور بھوت جیسے محسوس ہوتے ہوں گے۔

مے اسٹور کے پیچھے ڈبوں سے بھرے ایک بڑے کمرے میں بیٹھی تھی۔ جب گرمیوں میں اوپر والا کمرا بہت گرم ہو جاتا تو وہ اس کمرے میں سویا کرتی تھی۔ ہیزل (میری ماں) سامنے والے کمرے میں ہوتی جہاں وہ آدھی رات تک ریڈیو سنتی تھی۔ اس کی نانی اوپر تصویروں، فرنیچر اور پرانے کپڑوں سے بھرے چھوٹے اور تنگ کمرے میں سویا کرتی تھی۔ مے نہیں جانتی تھی کیا وقت ہو چکا تھا اسے صبح اتنی جلدی اٹھنے کی عادی نہیں تھی۔ وہ اکثر صبح اس وقت اٹھتی جب آسمان پر سورج چمک رہا ہوتا۔ کسان دودھ بھرے ٹرک ہائی وے کی طرف لے جا رہے ہوتے۔ ان کی نانی اسٹور سے نکل کر کچن کے چکر لگاتی۔ جہاں اس نے چولہے پر ناشتہ اور کافی بنانے کے لیے رکھی ہوتی۔ صوفے کے پاس سے گزرتے ہوئے (جس کے کشن سے پھپھوندی کی سڑانڈ آتی تھی) جہاں مے سوئی تھی وہ چادر کھینچ کر کہتی "اٹھو، اب اٹھ بھی جاؤ کیا تم رات کے کھانے تک سوتی ہی رہو گی؟ اٹھو، باہر ایک آدمی کو گیس کی ضرورت ہے اسے دو"۔

اور اگر وہ نہ اٹھتی، غصے سے بڑبڑاتی بستر پر پڑی رہتی تو اگلی مرتبہ اس کی نانی کسی برتن

میں ٹھنڈا پانی لیے آتی اور اس کے پاؤں پر چھینٹتی پھرے اپنے چہرے سے بال پیچھے کرتی، چھلانگ مار کر اٹھتی۔ وہ اپنی نانی کی اس عادت کی عادی ہو چکی تھی۔ وہ نیند میں ہوتی مگر غصہ نہ کرتی۔ اس کے لیے یہ ایسی ہی عام بات تھی جیسے کبھی بیمار ہو جانا جو مشکل تو ہوتا مگر یہ بھی معلوم ہوتا کہ یہ ختم بھی ہو جائے گا۔ اس نے اپنے رات کو پہننے والے گاؤن کے نیچے آستینوں کے بغیر کپڑے پہنے۔ وہ گیارہ سال کی ہو چکی تھی اور نسوانی خیالات رکھنے لگی تھی۔ اب وہ کولہے پر ٹیکا لگوانے سے منع کر دیتی اور اگر اس کے کپڑے بدلتے ہوئے ہیزل یا اس کی نانی کمرے میں آ جاتیں تو وہ غصے سے چیخنے لگتی۔ اسے لگتا کہ وہ دونوں تفریح کی خاطر یا اس کی تنہائی میں خلل ڈالنے کے لیے ایسا کرتی ہیں۔ پھر وہ باہر جا کر گاڑی میں گیس بھر کر واپس آتی تو اسے بھوک لگ چکی ہوتی۔ وہ ناشتے میں چار پانچ جیم اور مکھن لگے سینڈوچ کھا جاتی۔

اس صبح وہ جب جاگی تو روشنی ابھی پچھلے کمرے تک ہی آئی تھی۔ یہ اتنی تھی کہ وہ ڈبی پر نام لکھ سکتی تھی۔ ٹماٹروں کا جوس اور سنہرے آڑو۔ وہ حروف تہجی کو تین تین کر کے الگ کرنے لگی۔ یہ ایک پرانی رسم تھی۔ اگر تین تین حروف الگ کرنے کے بعد کوئی حروف تہجی باقی نہ بچتا تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ دن خوش قسمتی والا ہوگا۔ ابھی وہ یہ کر رہی تھی کہ اس نے شور سنا جیسے کوئی صحن میں جل رہا ہو۔ ایک بے چینی کے احساس اور ڈر سے اس کے قدموں تلے زمین کھسک گئی اور وہ دبے قدموں صوفے کے کنارے تک آ گئی۔ اس کے رونگٹے کھڑے تھے جیسے کبھی کبھی چھینک کے وقت اس کی کیفیت ہوا کرتی تھی۔ وہ نہایت خاموشی سے اٹھی اور احتیاط سے چلتی پچھلے کمرے سے گزر کر کچن میں چلی گئی۔ وہ ہیزل کا رات میں پہننے والا لباس پہنے ہوئی تھی۔ یہ پرانا سوتی لباس تھا جو پھولا ہوا تھا اور کافی کھلا تھا۔

کچن میں کوئی نہیں تھا، سنک کے اوپر شیلف پر گھڑی لگی تھی۔ ایک نل تھا جس سے ہمیشہ پانی ٹپکتا رہتا اور اس کے ساتھ ایک چھوٹی الگ جگہ پر کپڑے دھونے والا برش رکھا تھا۔ گھڑی تقریباً چھپی ہوئی تھی کیوں کہ اس کے آگے بہت سا سامان پڑا تھا۔ دادی کا پیلے رنگ کا منجن بھی وہیں پڑا تھا۔ وہ کھانے کی الماری کے پاس گئی اور ایک ہاتھ سے اسے کھولا۔ وہاں کچھ دار چینی سے بنی خمیری ڈبل روٹی تھی جو کچھ خشک ہو چکی تھی، اس نے بغیر دیکھے اسے کھانا شروع کر دیا۔

پچھلا صحن دن کے اس وقت عجیب، کچھ نم اور سایہ دار تھا۔ کھیت بھورے دکھ رہے تھے۔ باڑ کے کنارے جھاڑیاں تھیں، آسمان ہلکے رنگ کا ٹھنڈا تھا جس کے کناروں سے روشنی پھوٹنے لگی

تھی۔ اسے یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ اس کی دادی اور ہیزل ابھی تک سو رہے تھے۔ اس نے اب تک کسی سے بات نہیں کی تھی، دن کی اس خوب صورتی اور سکون نے اسے حیران کر دیا تھا۔ اسے آسمان پر نمودار ہونے والی اس روشن لکیر کو دیکھ کر جیسے آزادی کا احساس ہو رہا تھا۔ گھر کے ایک کونے میں لکڑیوں کا ڈھیر تھا جہاں اس نے کچھ گرنے کی آواز سنی۔

خمیری روٹی نگلتے ہوئے اس نے تیز اور بلند آواز میں کہا ''کون ہے؟ میں جانتی ہوں تم وہاں ہو''؟

اس کی نانی ایپرن پہنے کچھ چھڑیاں اٹھائے اور غصے میں بڑبڑاتی سامنے آئی۔ مے نے اسے حیرت کی بجائے عجیب نظروں سے دیکھا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ کسی بھی جگہ جائے گی اس کی نانی پہلے سے وہاں موجود ہوگی۔ وہ جہاں بھی جائے گی اس کی نانی کو پہلے سے معلوم ہوگا۔ کچھ بھی اس کے کام کا نہیں تھا۔

اس نے دفاعی انداز میں کہا ''میں نے سوچا صحن میں کوئی ہے''۔ اس کی نانی نے اسے ایسے دیکھا جیسے وہ کچن میں کوئی فالتو چیز ہو۔

مے نے کہا ''میں نے نہیں سوچا تھا کہ آپ اتنی جلدی اٹھ جائیں گی۔ آپ کس لیے اتنی جلدی اٹھی ہیں''؟

اس کی نانی نے جواب نہ دیا۔ وہ پوری بات سنتی مگر جواب اپنی مرضی سے دیتی تھی۔ اس نے چولہا جلا کر کام کرنا شروع کر دیا۔ وہ کپڑوں کے اوپر ایپرن اور سویٹر پہنے ہوئے تھی، یہ پہلے اس کے شوہر کا تھا۔ سب کچھ سختی سے پہننے کے باوجود یہ سب لٹکا رہتا اور اس کا پہناوا ڈھیلا محسوس ہوتا کیوں کہ سوائے پیٹ، کے جو پھولا ہوا تھا، اس کا باقی جسم بہت دُبلا تھا۔ اس کی ٹانگیں اور بازو بہت پتلے تھے مگر اس کا سر اُس کے جسم کے لحاظ سے کافی بڑا تھا۔ اپنے بالوں کو پیچھے جوڑے کی شکل میں باندھ کر وہ کسی ابنارمل بچے کی طرح لگتی۔

اس نے مے سے کہا ''تم باہر بستر پر جا کر سو جاؤ''۔ جب کہ مے کچن کے شیشے کے آگے کھڑی ہو کر اپنے بال بنانے لگی۔ اسے یاد تھا کہ آج یونی پارکر کی کزن آنے والی ہے۔ اگر وہ اپنی نانی سے چھپا سکتی تو وہ ہیزل کی بال گھنگریالے کرنے والی مشین تھی جس سے وہ اپنے بال بنا لیتی تھی۔

اس کی نانی نے سامنے والے کمرے کا دروازہ بند کر دیا، جہاں ہیزل سو رہی تھی۔ اس

نے پانی اور کافی انڈیلتے ہوئے برتن بھرا۔ اس نے فریج سے دودھ کا برتن نکالا اور سونگھا کہ وہ خراب نہ ہوگیا ہو پھر اس نے چینی کے برتن سے چمچ کی مدد سے چیونٹیاں نکالیں۔ پھر اس نے اپنی سگریٹ کی ڈبیا سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور بیٹھ کر پچھلے دن کا اخبار پڑھنے لگی۔ اس نے مے سے دوبارہ کوئی بات نہ کی۔ کافی تیار ہو چکی تھی اس نے چولہا بند کر دیا۔ دن بھی کافی چڑھ آیا تھا۔

نانی نے کہا ''تم بھی اپنا کپ لے لو اگر تم پینا چاہو''۔

اکثر اوقات وہ کہا کرتی تھی ''مے ابھی کافی پینے کے لیے بہت چھوٹی ہے''۔ مے نے اپنا کپ بھر لیا اور اس کی نانی نے کچھ نہ کہا۔ دونوں کچن کی میز پر کافی پینے لگیں۔ اس کی نانی پورے کچن میں نظریں گھماتی ہوئی گندی دھبوں والی دیواروں اور کیلنڈر کی طرف طائرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

مے نے گفتگو کرنے کے لیے کہا ''آج یونی پارکر کی کزن آ رہی ہے۔ اس کا نام ہیتھر سومیورے ہے''۔

اس کی نانی نے کوئی توجہ نہ دی بلکہ پوچھا ''کیا تم جانتی ہو میری عمر کیا ہے''؟

مے نے کہا ''جی نہیں''۔

''چلو کوئی اندازہ لگاؤ''۔

مے نے سوچنے کے بعد کہا ''ستر سال''؟

اس کی نانی ایک لمبے عرصے تک خاموش رہی۔ مے نے سوچا کہ وہ شاید پھر بات کر کے بھول گئی ہے۔ اس نے نانی کو معلومات دینے کے لیے کہا۔ ''یہ ہیتھر سومیورے تین سال کی عمر سے ڈانس کر رہی ہے۔ وہ ڈانس کے مقابلہ جات میں بھی حصہ لیتی ہے''۔

اچانک اس کی نانی نے کہا ''اٹھہتر''۔ میری عمر اٹھہتر سال ہے کوئی نہیں جانتا۔ میں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا۔ میری پیدائش کا کوئی سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔ مجھے کبھی پنشن نہیں ملی۔'' کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس نے کہا ''میں کبھی اسپتال نہیں گئی۔ میرے پاس بینک میں اتنی رقم ہے کہ میرے کفن دفن کے لیے کافی ہے۔ میری قبر کا کتبہ کوئی خیرات میں دے دے گا یا شاید میرے رشتہ داروں کا ضمیر جاگ جائے تو وہ دے دیں گے''۔

''آپ کو کتبہ کیوں چاہیے''؟ میں نے تیل والا کپڑا اٹھاتے ہوئے اداسی سے پوچھا۔ مے کو یہ گفتگو پسند نہیں آ رہی تھی۔ اس طرح کی گفتگو سے اسے تین سال پہلے اپنی نانی کی ہوشیار

چال یاد آ گئی تھی جب وہ اسکول سے آئی تو اس نے اپنی نانی کو اس صوفہ پر لیٹا پایا تھا جس پر وہ اب خود سوتی تھی۔ اس کی نانی کے بازو و اطراف میں ڈھلکے ہوئے تھے، چہرہ سفید اور آنکھیں بند تھیں۔ اس کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔ مے نے روز کی طرح اپنی عام آواز میں کہا ''ہیلو نانی''۔ اس کی نانی کے چہرے پر ذرا بھی حرکت نہ آئی۔ مے نے پھر پکارا اور جھک کر اُس کی سانس کی آواز سننے کی کوشش کی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نانی کا گال تھپتھپایا مگر وہ بھی اسے سرد محسوس ہوا۔ پھر وہ بے چینی سے رونے لگی جیسے سننے والا کوئی نہ ہو۔ وہ دوبارہ اپنی نانی کا نام لینے اور ان کو چھونے سے خوف زدہ ہو رہی تھی مگر وہ اس سے نظریں بھی نہ ہٹا پا رہی تھی۔ تاہم اس کی نانی نے آنکھیں کھول دیں۔ انھوں نے اپنے بازو یا سر ہلائے بغیر مے کی طرف اشتعال انگیزی مگر دل چسپی سے دیکھتے ہوئے ''کیا یہاں کوئی انسان لیٹ نہیں سکتا؟ تمھیں شرم آنی چاہیے ایسے بچوں کی طرح کیوں رو رہی ہو''؟

کتبے کا پوچھنے پر نانی نے سرد لہجے میں کہا ''میں نے ہرگز نہیں کہا کہ مجھے یہ چاہیے۔ جاؤ اور جا کر کوئی ڈھنگ کا لباس پہنو جب تک تمھیں یہ نہ لگنے لگے کہ تم شاید مصر کی کوئی ملکہ ہو''۔

مے نے کندھے سے پھٹی قمیض سے سورج کی گرمی کی وجہ سے جھلسی جلد کھرچتے ہوئے کہا ''آپ کی بات کا کیا مطلب ہے''؟

''ارے مصر کی ملکاؤں جیسی ایک ملکہ یہاں کنکائیڈ میلے میں بھی ہوتی ہے''۔

جب مے دوبارہ کچن میں آئی تو اس کی نانی اب اخبار پڑھتے ہوئے چائے پی رہی تھی۔ وہ اخبار میں ایسے مگن تھی جیسے اسے کوئی اور کام نہ ہو، نہ اسٹور کھولنا ہو نا شتہ بنانا ہو اور نہ سارا دن کچھ کرنا۔ ہیزل اٹھ چکی تھی اور کام پر جانے کے لیے کپڑے استری کر رہی تھی۔ وہ کنکائیڈ، جو ہم سے تیس میل دور تھا۔ وہاں ایک اسٹور پر کام کرتی تھی، اسے وہاں وقت پر پہنچنے کے لیے صبح جلدی نکلنا پڑتا تھا۔ وہ بار ہا اپنی ماں کو منانے کی کوشش کر چکی تھی کہ یہاں اپنا اسٹور بیچ کر کنکائیڈ چلے جائیں، یہ کافی بڑا تھا، وہاں بہت سے اسٹور اور ریستوران بھی تھے مگر اس کی بوڑھی نانی کبھی نہیں مانی تھی۔ انھوں نے ہیزل سے اپنی مرضی کی کسی بھی جگہ جا کر رہنے کا کہا مگر کسی وجہ کی بنا پر وہ یہ جگہ چھوڑ کر کبھی نہ گئی۔ وہ ایک لمبی، رنگے بال والی اور چہرے پر غصہ سجائے رکھنے والی تینتیس سالہ عورت تھی۔ اس کے پاس کڑھائی والے سرہانوں کے غلاف، تولیوں اور چاندی کے برتنوں سے بھرا ایک ٹرنک تھا۔ اس نے کچھ برتن بھی اس میں لا کر رکھے ہوئے تھے۔ کھانے کے لیے وہ

اور یہ بوڑھی عورت ٹوٹی پلیٹوں اور چولہے پر بہ مشکل پورے آنے والے برتنوں کا استعمال کرتی تھیں۔اس کی نانی کہتی ''ہیزل کے پاس وہ سب کچھ ہے جو کسی لڑکی کے پاس شادی کے لیے ہونا چاہیے سوائے ایک چیز کے''۔ ہیزل ان لڑکیوں کے ساتھ رقص کرنے پورے ملک میں گھوما کرتی تھیں جو کنکا ئیڈ میں کام کرتی تھیں یا کسی اسکول میں پڑھاتی تھیں۔اتوار کی صبح وہ رات کے نشے کے اثرات سے اُٹھتی اور کافی میں اسپرین ملا کر پیتی۔ پھر وہ اپنا ریشمی لباس پہن کر سڑک سے نیچے شہر میں ایک گروہ کے ساتھ مل کر گانا گانے چلی جاتی۔اس کی ماں (میری نانی) جو کسی خاص مذہب کی پیروکار نہ تھی، ایک اسٹور چلاتی تھی اور گاڑیوں کی گیس اور سیاحت کے لیے آئے لوگوں کو آئس کریم بیچا کرتی تھی۔

ہیزل نے استری والی میز جمائی لیتے ہوئے کھڑکی کی اور نرمی سے اپنے چہرے کو رگڑا۔اسی وقت میری نانی نے بآواز بلند پڑھا ''ایک لمبے، پینتیس سالہ مرد کو ایک اچھی عادات کی مالک، سگریٹ یا شراب نہ پینے والی اور گھر بنانے والی عورت کا رشتہ درکار ہے۔سنجیدہ لوگ رابطہ کریں''۔

''اوہو ماں'' ہیزل نے کہا۔

''سنجیدہ سے کیا مراد ہے''؟، مے نے پوچھا۔

نانی نے مزید بے تکلفی سے پڑھا ''ایک کامیاب آدمی، صحت مند عورت جس پر کسی کی کفالت کا بوجھ نہ ہو، دوستی کرنے کا خواہش مند ہے''۔

مے نے پھر پوچھا ''کفالت کے بوجھ سے کیا مراد ہے''؟

ہیزل نے چہرے پر غصے بھرے تاثرات کے ساتھ نانی کے مطمئن چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اگر میں شادی کر لیتی تو آپ کہاں رہتیں''؟

''جب بھی کبھی تم شادی کرنا چاہو تو تم کر سکتی ہو' نانی نے کہا۔

میری ماں بولی ''میرے پاس آپ اور مے ہیں''۔

''ارے کر بھی لو''۔

''خیر میں ضرورت محسوس نہیں کرتی''۔

نانی نے بے زاری سے کہا ''بس کرو۔ میں اپنا خیال رکھ سکتی ہوں۔ میں نے ہمیشہ رکھا ہے''۔ وہ اور بھی بہت کچھ کہنے والی تھی کیوں کہ یہ اس کی زندگی کی کہانی تھی مگر جیسے ہی اس نے فرش

کے ڈیزائن کی طرف دیکھا (جو اتنا بھونڈا تھا جیسے کسی بچے نے رنگوں سے بنایا ہو) اس نے بے یقینی کے احساس سے آنکھیں بند کر لیں جیسے اس قسم کا ڈیزائن حقیقت میں ناممکن تھا۔ اس نے میز پر چمچ بجاتے ہوئے کہا ''یہ اس لیے کیوں کہ تم نے کبھی ویسا خواب نہیں دیکھا جیسا پچھلی رات میں نے دیکھا ہے''۔

ہیزل نے کہا ''میں ویسے بھی خواب نہیں دیکھتی''۔

نانی نے چمچ بجاتے ہوئے، چولہے پر نظریں جما کر کہا ''میں نے خواب دیکھا کہ میں سڑک پر چلتی نیچے کی طرف جا رہی ہوں اور سیمنسز کے دروازے سے گزرتے ہوئے میں نے سورج کے سامنے بادل پھیلتا محسوس کیا''۔ مجھے ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی۔ جب میں نے اوپر کی طرف دیکھا تو یہ ایک بہت بڑا پرندہ تھا اتنا بڑا کہ میں نے زندگی میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ چولہے کے جیسا سیاہ رنگ کا تھا۔ یہ میرے اور سورج کے درمیان تھا۔ کیا تم نے کبھی ایسا خواب دیکھا ہے''؟

ہیزل نے قدرے فخریہ لہجے میں کہا ''میں کوئی بھی خواب نہیں دیکھتی''۔

مے نے کہا '' آپ کو وہ ڈراؤنا خواب یاد ہے جو میں نے سامنے والے کمرے میں سوتے ہوئے دیکھا تھا تب مجھے سرخ خسرہ ہوا تھا''؟

نانی نے کہا ''میں ڈراؤنے خواب کی بات نہیں کر رہی''۔

''میرے خواب میں رنگین ٹوپیاں پہنے کچھ لوگ کمرے میں گھوم رہے تھے۔ وہ اتنے تیز گھوم رہے تھے کہ وہ لوگ غائب ہو گئے اور صرف ان کی گھومتی ٹوپیاں دکھائی دینے لگیں''۔

نانی نے زبان کی مدد سے ہونٹوں پر لگا تمبا کو کا ٹکڑا اُتارا اور چولہا جلا کر اس میں تھوکا اور کہا ''اس سے بہتر ہے میں دیوار سے بات کر لوں''۔ مے آگ میں لکڑیاں لگاؤ میں تمھارے لیے بیکن تلتی ہوں۔ میں آج چولہا جلانا نہیں چاہتی، کیا کوئی مدد کر سکتا ہے''؟

ہیزل نے سکون بھری آواز میں کہا '' آج کا دن کل کی نسبت گرم رہے گا۔ میری اور لوئس کی جرابیں پہننے یا نہ پہننے پر بحث ہو گئی تھی۔ مسٹر پیپلز نے ہم سے کہا تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ تمھیں اس نوکری پر کس کام کے لیے رکھا گیا ہے۔ ہر ایک کی ٹانگیں دیکھنے کے لیے؟ اسے ہماری گفتگو سے خفت محسوس ہوئی تھی''۔

''ہوں''، نانی کی آواز آئی۔

دوپہر کو مے، یونی پار کر اور ہیتھر اسٹور کے سامنے سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ سورج بادلوں میں

ڈوبا ہوا تھا اس کے باوجود دن گرم ہوتا جا رہا تھا۔ کسی پرندے کی آواز بھی نہ آ رہی تھی۔ بس ایک گرم ہوا چل رہی تھی جس سے گھاس لہلہا رہی تھی۔ یہ ہفتے کا دن تھا، اسٹور پر رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ اِکا دُکا گاڑیاں ہمارے پاس سے گزرتی شہر کی طرف جا رہی تھیں۔

ہیتھر نے پوچھا ''کیا تم بچے کبھی سواری نہیں کرتے''؟

''نہیں'' مے نے جواب دیا۔

یونی پارکر، جو دو سال سے اس کی بہترین دوست تھی، بولی ''اوہ مے کو اس کی اجازت کبھی نہیں ملے گی۔ تم اس کی نانی کو نہیں جانتی۔ یہ بے چاری کچھ نہیں کر سکتی۔''

مے نے مٹی میں اپنی ایڑی ایک چیونٹی پر رکھتے ہوئے کہا ''تم بھی تو نہیں کر سکتی''۔

یونی نے جواب دیا ''میں کر سکتی ہوں۔ میں جو چاہوں کر سکتی ہوں''۔ ہیتھر نے حیران کن نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور کہا ''یہاں کرنے کو اور کیا کچھ ہے؟ میرا مطلب ہے کہ تم سب بچے کیا کرتے ہو''؟

ہیتھر کے چھوٹے کٹے ہوئے بال تھے جو سیاہ اور گھنگریالے تھے۔ اس نے سرخی ہونٹوں پر لگا رکھی تھی اور ٹانگوں سے بال اتروائے ہوئے تھے۔

مے نے صاف لہجے میں کہا ''ہم قبرستان جاتے ہیں''۔ وہ ایسا حقیقت میں کرتے بھی تھے۔ مے اور یونی تقریباً ہر دوپہر قبرستان جا کر بیٹھ جایا کرتے تھے کیوں کہ وہاں ایک کونے میں سایہ رہتا اور چھوٹے بچے ان کو پریشان نہ کرتے تھے۔ وہ کسی کے ان کی باتیں سننے سے بے خوف ہو کر ہر طرح کی باتیں کر سکتی تھیں۔

ہیتھر نے حیرانی سے پوچھا ''تم لوگ کہاں جاتے ہو''؟ یونی نے مٹی میں پاؤں دھنساتے ہوئے کہا ''ارے ہم نہیں جاتے وہاں۔ مجھے اس قبرستان سے نفرت ہے''۔ اس کے برعکس وہ مے کے ساتھ ساری دوپہر قبرستان میں کتبے دیکھتی ان میں دل چسپ نام تلاش کرتی اور پھر اس قبر میں مدفن لوگوں کے بارے میں خودساختہ کہانیاں بناتی۔

ہیتھر بولی ''میری طرف ایسی فضول نظروں سے مت دیکھو۔ آج شدید گرمی ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟ اگر میں آج اپنے گھر ہوتی تو میرا خیال ہے کہ میں اپنی دوست کے ساتھ تالاب میں نہانے جاتی''۔

یونی نے کہا ''ہم تھرڈ برج جا کر تیراکی کر سکتے ہیں''۔

''یہ کہاں ہے''؟

''سڑک سے نیچے کی طرف قریباً آدھا میل دور۔ یہ بہت دور نہیں ہے''۔

''اتنی شدید گرمی میں''؟ ہیتھر چلائی۔

''میں تمھیں اپنی بائیک پر لے جاؤں گی''۔ یونی نے کہا اور پھر تنبیہی انداز میں مے سے کہا'' جاؤتم بھی اپنی بائیک لے کر آؤ''۔

مے نے کچھ لمحے سوچا پھر اٹھ کر اسٹور میں گئی۔ یہ دن میں بھی تاریک اور گرم تھا۔ وہ اس کے عقب میں گئی جہاں آئس کریم کے فریزر کے پاس اسٹول پر اس کی نانی بیٹھی تھی۔ اس نے پوچھا'' کیا میں یونی اور ہیتھر کے ساتھ تیراکی کے لیے جا سکتی ہوں''؟

اس کی نانی نے عام لہجے میں پوچھا'' تم لوگ تیراکی کے لیے کہاں جاؤ گے''؟ جب کہ وہ جانتی تھی کہ ایسی صرف ایک جگہ ہے جہاں وہ جا سکتی تھیں۔

''تھرڈ برج''میں نے بتایا۔

ہیتھر اور یونی میرے پیچھے آ کر دروزے میں کھڑی ہو گئی تھیں۔ ہیتھر میری نانی کی طرف دیکھتے ہوئے شائستگی سے مسکرائی۔

''نہیں، تم نہیں جا سکتی'' نانی نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

مے بولی'' یہ زیادہ گہرا نہیں ہے''۔

اس کی نانی سر جھکا کر گھٹنے پر کُہنی اور تھوڑی پر ہتھیلی جمائے خاموش بیٹھی رہی۔ اس نے سر اٹھانے کی بھی زحمت نہ کی۔

مے نے ضد کرتے ہوئے کہا'' میں کیوں نہیں جا سکتی''؟

نانی نے پھر جواب نہ دیا یونی اور ہیتھر دروازے میں کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھیں۔

مے نے پھر پوچھا'' کیوں نہیں جا سکتی۔ نانی میں کیوں نہیں جا سکتی''؟

نانی'' تم جانتی ہو کیوں نہیں جا سکتی''؟

مے'' کیوں نہیں''؟

'' کیوں کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سب لڑکے جاتے ہیں میں یہ بات تمھیں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ تم اس کے لیے ابھی چھوٹی ہو''۔ اس نے سختی سے منہ بھینچ لیا اور چہرے پر شدید غصے کی وجہ سے وہ بدصورت لگ رہی تھی۔ وہ مے کی طرف تب تک دیکھتی رہی جب تک اس کا چہرہ شرم

کے مارے سرخ نہ ہو گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔ ''ان دونوں کو لڑکوں کا پیچھا کرنے دو۔ دیکھتے ہیں ایسا کرنے سے انھیں کیا حاصل ہوتا ہے''۔ نانی نے دونوں کی طرف دیکھا بھی نہ تھا مگر یہ سن کر وہ دونوں اسٹور سے بھاگ گئیں۔ ان کے ہنستے ہوئے بھاگ جانے کی آواز واضح سنائی دی مگر بڑھیا نے اسے ان سنا کر دیا۔

مے نے کچھ نہ کہا مگر وہ حلق تک کڑواہٹ محسوس کر رہی تھی۔ اسے ایسے لگ رہا تھا کہ نا جانے کیوں اس کی نانی اس پر اعتماد نہ کرتی تھی۔ اسے اس بات کی پروا نہ تھی مگر نانی ہر بار اسے تکلیف دینے کا نیا بہانہ ڈھونڈ لیتی اور وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کب تک چلے گا۔ اس کی نانی نے کہا ''بیتھر، میں نے اسے آج صبح بس سے اُترتے دیکھا تھا''۔

مے اسٹور سے نکلتی اور کچن سے ہوتی ہوئی سیدھی عقبی ڈیوڑھی میں چلی گئی۔ وہ پرانے سبز رنگ کے مٹی لگے پمپ کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ کچھ وقت بعد اس کی نظر ایک چھوٹے سے مینڈک پر پڑی اور اس نے اسے ہتھیلی پر اٹھالیا۔

اس نے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی مگر سر نہ اٹھایا۔ اسے اپنی نانی کے جوتے اور ان میں اس کے پاؤں نظر آئے جو گھاس میں سے گزرتے اس کی طرف آ رہے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ میں مینڈک اور دوسرے میں ایک چھوٹا تنکا اٹھایا اور پیٹ کو گدگدانے لگی۔

''اس کو چھوڑ دو'' نانی نے کہا۔ مے نے تنکا پھینک دیا۔ اس نے کہا ''اس بے چارے کو اب جانے دو''۔ مے نے دھیرے سے انگلیاں کھول کر مینڈک کو جانے دیا۔ شام ڈھلتے اس وقت اپنے سر پر کھڑی اپنی نانی کے بدن کی مخصوص بُو وہ سونگھ سکتی تھی۔ یہ پرانے سیب، تیز خوشبو والے صابن اور تمبا کو کی ملی جلی بُو تھی جو ہمیشہ اس کی نانی سے آتی تھی۔ اس کی نانی نے تیز آواز میں کہا ''میں یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ تم نہیں جانتی نیچے اسٹور میں جب میں نے تمھیں منع کیا تو میرے ذہن میں کیا بات تھی''۔ مے جواب دیے بغیر سر جھکائے ٹانگ کھجانے لگی۔

نانی نے ویسے ہی تیز آواز میں کہا، جیسے میں بری ہوں ''میں سوچ رہی تھی کہ میں یہ اسٹور بیچ دوں۔ تم اور میں ٹرین سے جا کر لیوئس سے مل سکتے ہیں''۔ لیوئس کیلیفورنیا میں رہائش پذیر ان کا بیٹا تھا جس سے وہ پچھلے بیس سال سے نہیں ملی تھی۔

اس مرتبہ مے نے سر اٹھا کر اپنی نانی کی طرف دیکھا کہ وہ کہیں مذاق تو نہیں کر رہی۔ نانی کو ہمیشہ لگتا تھا کہ جو لوگ ایک سے بہتر دوسری جگہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بے وقوف

ہیں انھیں اپنے گھر ہی رکنا چاہیے۔

''تم اور میں ساحل کی سیر کر سکتے ہیں۔اس پر زیادہ خرچ نہیں آئے گا۔ہم رات جاگ جاگ کر سامان باندھ سکتے ہیں ساتھ کھانا بھی رکھا جا سکتا ہے۔اپنا کھانا ساتھ رکھنا بہتر ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ ہم کیا کھا رہے ہیں'' نانی نے کہا۔

مے نے بےرحمی سے کہا'' آپ بہت بوڑھی ہوگئی ہیں۔آپ کی عمر اٹھہتر سال ہے''۔

''میری عمر کے لوگ مختلف جگہوں تک سفر کر رہے ہیں اخبار پکڑ کر دیکھیں''۔

''آپ کو ہارٹ اٹیک ہو سکتا ہے'' مے نے کہا۔

بوڑھی نانی نے جواب دیا'' وہ مجھے مردہ حالت میں واپس بھیج دیں گے''۔ مے تصور میں ساحل سمندر دیکھ سکتی تھی۔لفظ ساحل ہی اسے خوشی کا احساس دلا رہا تھا مگر وہ اپنی نانی پر بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔اسے یاد نہیں تھا کہ زندگی میں کبھی اس کی نانی نے اس کے لیے کچھ اچھا کیا ہو۔

اسٹور کے باہر ایک آدمی لیموں کا شربت پی رہا تھا۔وہ ایک درمیانی عمر اور قد والا شخص تھا جس کا چہرہ دھوپ میں چمک رہا تھا۔وہ سفید رنگ کی قدرے میلی قمیض پہنے ہوئے تھا۔بڑھیا اپنا اسٹول کاؤنٹر پر لے جا کر بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگی۔مے ان دونوں کی طرف پیٹھ کیے کھڑی تھی اور باہر دیکھ رہی تھی۔بادل گھرے تھے اور دُھندلی روشنی میں آسمان گرد آلود لگ رہا تھا۔ ہوا میں سرمئی درختوں کے پتے لہرا رہے تھے اور دھات سے بنے بورڈ آواز پیدا کر رہے تھے۔ جب سے اس نے عقبی ڈیوڑھی میں ساحل کے متعلق اپنی نانی کی بات سنی تھی اسے دنیا روشن دکھائی دینے لگی تھی۔اسے اپنے آپ میں عجیب قسم کی طاقت کا احساس ہونے لگا تھا اور وہ اس احساس کو دیر تک محسوس کرنا چاہتی تھی۔

نانی نے اس آدمی سے پوچھا'' تم کس کمپنی کی طرف سے سفر کر رہے ہو؟'' اس نے جواب دیا'' قالینوں کی کمپنی کی طرف سے''۔'' کیا وہ ہفتے کے آخر میں تمھیں اپنے گھر نہیں جانے دیتے''۔

آدمی نے کہا'' میں ابھی کمپنی کے کام سے سفر نہیں کر رہا۔کم سے کم قالین کے کاروبار کے سلسلے میں تو بالکل نہیں۔تم کہہ سکتی ہو کہ میں اپنے ذاتی کام کے سلسلے میں آیا ہوں''۔

''اوہ اچھا'' نانی نے عام لہجے میں کہا جیسے وہ کسی کے ذاتی معاملے میں دلچسپی نہ لینا چاہتی تھی۔'' کیا تمھیں لگتا ہے کہ بارش ہونے والی ہے''؟

''ہوسکتا ہے'' آدمی نے کہا۔اس نے بڑا سا گھونٹ بھر کر بوتل نیچے رکھ دی اور رومال سے منہ پونچھا۔ وہ اپنی ذاتی باتیں کرنے والا آدمی تھا جو درحقیقت کسی دوسرے کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔''میں اپنے ایک جاننے والے سے ملنے جا رہا ہوں وہ گرمیاں گزارنے اپنے کاٹیج میں ٹھہرا ہے۔اسے رات میں نیند نہ آنے کی اتنی شدید بیماری ہے کہ وہ سات سال سے اچھی نیند نہیں لے سکا''۔

''اوہ اچھا'' نانی نے کہا۔

''میں یہ دیکھنے جا رہا ہوں کہ شاید میں اس کا علاج کر سکوں۔میرا نیند نہ آنے والے مریضوں کا علاج کرنے کا کامیاب تجربہ ہے۔سو فیصد تو نہیں مگر پھر بھی کافی اچھا''۔

''کیا تم ڈاکٹر بھی ہو''؟

''نہیں میں ڈاکٹر نہیں ہوں بل کہ ہپناٹسٹ ہوں۔یہ سب میں صرف شوق کے طور پر کرتا ہوں اور کچھ نہیں''۔

نانی بنا کچھ بولے کافی دیر بس اس آدمی کی طرف دیکھتی رہی۔اس نے برا نہ مانا بل کہ اسٹور کے سامنے پھرتا ہوا چیزیں اٹھا کر دیکھتا رہا۔''میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم پہلے کسی ایسے شخص سے نہیں ملی ہوگی جو یہ کام کرتا تھا۔میں عام لوگوں سا ہی لگتا ہوں۔کیا نہیں لگتا؟ میں کافی اچھا دکھتا ہوں'' اس آدمی نے نانی سے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

نانی نے کہا ''میں ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتی''۔

وہ کھلکھلا کر ہنسا اور کہا ''کیا مطلب ہے تم اس پر یقین نہیں رکھتی''؟

''میں اس قسم کی توہم پرستی پر یقین نہیں رکھتی''۔

''یہ توہم پرستی نہیں ایک حقیقت ہے''۔

''میں جانتی ہوں یہ کیا ہے''۔

''خیر ابھی بہت لوگ ہیں جو آپ جیسی رائے رکھتے ہیں شاید آپ نے قریباً دو سال پہلے اخبار میں اس موضوع پر چھپنے والا مضمون نہیں پڑھا۔کاش یہ ابھی میرے پاس ہوتا۔میں بس یہ جانتا ہوں کہ میں نے ایک آدمی کی شراب نوشی کی عادت چھڑوائی تھی۔میں لوگوں کی ہر قسم کی بھلی اور بری عادات کا علاج کر چکا ہوں۔میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں سب کی اعصابی عادتوں کا علاج کر سکتا ہوں مگر میں یہ جانتا ہوں کہ بہت سے لوگ میرے شکر گزار ہیں۔بہت شکر گزار''۔

نانی نے سر پر ہاتھ رکھا اور کوئی جواب نہ دیا۔
''کیا بات ہے خاتون؟ کیا آپ خود کو ٹھیک محسوس کر رہی ہیں؟ کیا آپ کے سر میں درد ہے''؟
''میں بالکل ٹھیک ہوں''۔
''آپ نے ان لوگوں کا علاج کیسے کیا''؟ مے نے بہادری سے پوچھا حالاں کہ اس کی نانی نے ہمیشہ اسے اسٹور میں آنے والے اجنبیوں سے بات کرنے سے منع کیا تھا۔
آدمی میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے گھوما۔''میں لوگوں کو ہپنا ٹائز کیوں کرتا ہوں؟ میں ان کو ہپنا ٹائز کرتا ہوں۔ کیا تم ہپناٹزم کے بارے میں جاننا چاہتی ہو چھوٹی لڑکی''؟
مے جو یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہی ہے، سرخ پڑ گئی اور اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ اس نے اپنی نانی کو اس کی طرف گھورتے دیکھا۔ وہ مے کی طرف ایسے دیکھ رہی تھی جیسے وہاں آگ لگ گئی ہو اور وہ اسے بجھانے کے لیے کچھ نہ کر سکتی ہو۔ وہ اس سے ابھی بات بھی نہیں کر سکتی تھی۔
اس کی نانی نے کہا''یہ نہیں جانتی یہ کیا بات کر رہی ہے''۔
اس آدمی نے سیدھا مے سے بچوں کی طرح پیار بھری دھیمی آواز میں بات کرتے ہوئے کہا''یہ بہت سادہ سی بات ہے۔ آپ بس جیسے ایک شخص کو سُلا دیتے ہیں مگر وہ سچ میں سو نہیں رہا ہوتا۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو پیاری لڑکی؟ آپ ان سے بات کر سکتے ہیں اور ان کو سن سکتے ہیں۔ آپ ان کے دماغ کی گہرائی میں جھانک کر وہ سب جان سکتے ہیں جو اُن کو خود بھی یاد نہیں رہتا جب وہ جاگتے ہیں۔ آپ ان کو پریشان کرنے والی پوشیدہ چیزوں کے بارے میں بھی جان سکتے ہیں۔ کیا یہ بہت شان دار بات نہیں''؟
نانی نے کہا''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ میرے ساتھ یہ ممکن نہیں۔ میں جان جاؤں گی کہ کیا ہو رہا ہے''۔
مے نے تائید کرتے ہوئے کہا''ہاں ایسا ہی ہوگا میں یقین سے کہہ سکتی ہوں''۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے ایسا کیوں کہا تھا۔ اس نے پھر سے اپنی نانی کو قدرے ناگوار نظروں کے ساتھ دیکھتے پایا۔ مگر پہلی مرتبہ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی نانی ہار سکتی ہے۔ یہ احساس اسے اپنی نانی کے چہرے پر بھی نظر آیا مگر وہ شخص پُر اعتماد تھا۔ مے نے سوچا کہ یہ شخص ضرور کوئی پاگل ہے جو اسے ہنسانا

چاہ رہا ہے۔ یہ خیال کے آتے ہی وہ مایوسی اور نا قابل مزاحمت تکلیف محسوس کرنے لگی۔

''خیر تم ایسا نہیں کہہ سکتی جب تک اِسے آزما نہ لو'' آدمی نے کہا جیسے یہ کوئی مذاق ہو۔ اس نے مے کی طرف دیکھا۔ نانی اپنا ذہن بنا چکی تھی۔ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا ''مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے اپنی کہنیاں میز پر ٹکا کر اپنے ہاتھوں پر سر رکھا جیسے وہ اسے دبا رہی ہو۔ اس نے کہا'' آپ کا وقت لینے کے لیے معذرت''۔

''آپ کو واقعی لیٹ جانا چاہیے تا کہ آپ بہتر طریقے سے آرام کر سکیں''۔

''بیٹھ جاتی ہوں'' ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی سانس اکھڑ رہی ہو۔ اس نے کہا'' بیٹھ جانا بھی میرے لیے کافی ہے''۔

اس آدمی نے اسٹور میں موجود بوتل کھولنے والا آلہ لیا اور چلتا ہوا کاؤنٹر تک آ گیا۔ وہ بالکل جلدی میں نہیں تھا۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز عام تھی مگر اس بار اس میں لاپروائی کا عنصر تھا۔ اس نے کہا''اب تم اس بات کو ماننے سے انکار کر رہی ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اسے کیوں نہیں مان رہی کیوں کہ تم خوف زدہ ہو''۔ نانی نے احتجاجاً مگر کچھ شائستگی سے ہاتھ اٹھایا۔ اس نے کہا''تم خوف زدہ ہو اور میں تمھیں صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس میں خوف زدہ ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ میں بس یہ چاہتا ہوں کہ تم اس چمکتی ہوئی دھات کی طرف دیکھو جو میرے ہاتھ میں ہے۔ بالکل ٹھیک، اسی طرح اپنی آنکھیں اس پر جمائے رکھو۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں، خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں'' اس کی آواز ڈوب گئی۔ مے اس کے الفاظ نہیں سمجھ رہی تھی۔ وہ بوتلوں بھرے کولر کے پاس کھڑی رہی۔ وہ ہنسنا چاہتی تھی مگر ہنس نہ پا رہی تھی۔ وہ بس اس آدمی کے سر کا پچھلا حصہ اور اس کے سفید لباس میں دوسری طرف جڑے کندھے دیکھ سکتی تھی۔ وہ ہنسی نہیں کیوں کہ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کی نانی کیا کرتی ہے۔ اگر اس کی نانی نے سرِ تسلیم خم کر دیا تو یہ کسی زلزلے یا سیلاب کی طرح ان ہونا واقعہ ہوگا۔ یہ اس کی زندگی کی بنیاد ہلا دے گا اور اسے آزادی دے گا۔ وہ پلکیں جھپکے بغیر فرماں برداری سے آدمی کے ہاتھ میں موجود بوتل کھولنے والے آلے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

آدمی نے کہا''اب میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر تم اب بھی دیکھ سکتی ہو تو مجھے بتاؤ، اگر تم اب بھی دیکھ سکتی ہو''؟ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے لیے جُھکا۔''میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے

بتاؤ اگر تم اب بھی دیکھ سکتی ہو''۔ نانی کے چہرے کے تاثرات ساکن تھے اور آنکھیں جیسے بڑی ہوگئی تھیں۔ وہ رُک گیا اور پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے اپنی پہلے جیسی عام آواز میں کہا''کیا بات ہے، کیا ہوا ہے''؟ دراصل یہ عام آواز سے ہٹ کر ذرا تیز آواز تھی جس نے مے کو اُچھلنے پر مجبور کر دیا۔''کیا بات ہے خاتون، جاگ جاؤ، جاگ جاؤ'' اس نے کہتے ہوئے نانی کو ہلانے کے لیے اُس کا کندھا ہلایا۔ چہرے پر وہی تاثرات لیے نانی آگے کاؤنٹر کی طرف گر گئی۔ بہت سی چیزیں نیچے گریں جس سے شور پیدا ہوا۔ آدمی بوتل کھولنے والا اوزار پھینک کر گھبراتے ہوئے مے کی طرف دیکھ کر چلاتے ہوئے بولا''میں اس کے لیے ذمہ دار نہیں ہوں، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا''۔ وہ اسٹور سے نکلا اور اپنی گاڑی کی طرف بھاگا۔ مے نے اس کی گاڑی چلنے کی آواز سنی۔ پھر وہ اس کے پیچھے بھاگی جیسے وہ اسے مدد یا رُکنے کا کہنا چاہتی ہو مگر اس نے کچھ نہ کہا۔ بس گیس پمپ کے سامنے دھول میں منہ کھولے کھڑی رہی۔ ویسے بھی وہ اس کی آواز نہ سنتا۔ اس نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر دور سے ہلایا اور شمال کی طرف گاڑی بھگا کر لے گیا۔

مے اسٹور کے باہر کھڑی تھی۔ کوئی دوسری کار یہاں سے نہ گزری، کوئی بھی نہ آیا، صحن بھی خالی تھا۔ کچھ وقت پہلے بارش شروع ہو چکی تھی اور بارش کے قطرے اس کے اردگرد مٹی پر پڑتے اُچھل رہے تھے۔

بالآخر وہ واپس گئی اور اسٹور کے باہر سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ یہاں بھی بارش تھی۔ یہ کافی گرم تھا مگر اس نے پروا نہ کی۔ وہ پالتی مارے سڑک کی طرف دیکھنے لگی جہاں وہ اپنی مرضی سے کہیں بھی جا سکتی تھی۔ دنیا اب اس کی پہنچ میں تھی اور اس کے سامنے مکمل خاموشی تھی۔ وہ بیٹھ کر اس لمحے کا انتظار کرنے لگی۔ جب اسے اٹھ کر اسٹور میں جانا پڑتا جہاں بارش کی وجہ سے اب پہلے سے کہیں زیادہ اندھیرا تھا اور جہاں کاؤنٹر پر اس کی نانی مُردہ حالت میں گری پڑی تھی۔ اس سے زیادہ اس کی فتح اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اب آزاد تھی۔

معاہدہ یوٹریچٹ

میں تین ہفتوں سے گھر ہوں اور یہ میرے لیے کوئی کامیابی نہیں ہے۔ چاہے میں اور میڈی اس لمبے اور قربت بھرے دورے کے بارے میں بہت خوش دلی سے بات کرتے ہیں مگر جب یہ ختم ہو جائے گا تو ہم پرسکون ہو جائیں گے۔ خاموشیاں ہمیں پریشان کرتی ہیں تو ہم بے ساختہ ہنسنے لگتے ہیں۔ میں خوف زدہ ہوں یہ ممکن ہے کہ ہم دونوں خوف زدہ ہوں۔ جب ہمارا رُخصت ہونے کا وقت آئے گا، ہم ایک دوسرے کا بوسہ لے کر گلے ملتے ہوئے خدا حافظ کہیں گے مگر ساتھ ہی ہمیں یہ بھی احساس ہوگا کہ ہم ایک دوسرے سے کس قدر لاتعلق ہیں اور ہمارے درمیان میلوں فاصلے کی دوری ہے۔ ہم دل سے ایک دوسرے کو رد کرتے ہیں اور ماضی میں ہمارا جو بھی قریبی تعلق رہا وہ مزید اب ویسا نہیں رہا۔ ہم یہ سوچتے ہوئے کہ دوسرا انسان اجنبی ہو گیا ہے اپنا حسد خود تک محدود رکھتے ہیں، دوسرے سے کہہ نہیں پاتے۔

اکثر رات کے وقت ہم برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر شراب اور سگریٹ پیتے ہوئے مچھروں سے جان چھڑانے کی تدبیریں کرتے اور رات دیر تک جاگتے رہتے۔ شدید گرمی ہوتی اور شام ڈھلنے میں بہت وقت لگتا۔ یہ اونچا سرخ اینٹوں والا گھر دن میں دوپہر تک کافی ٹھنڈا رہتا مگر اس کے بعد یہ گرمی کو جیسے قید کر لیتا اور اندھیرا ہو جانے کے بعد تک یہاں گرمی محسوس ہوتی رہتی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا، میں اور میڈی یادِ ماضی میں ڈوبے رہتے جب ہم اوپر والے کمروں سے اپنے گدّے لے کر نیچے برآمدے میں آتے، جہاں ہم صبح ہونے تک جاگنے کی کوشش میں رات بھر ٹوٹ کر گرنے والے ستارے گنا کرتے تھے۔ ہم کبھی بھی تب تک نہ سوتے جب تک دریا کی طرف سے آنے والی ٹھنڈی ہوا محسوس نہ کر لیتے تھے۔ ساڑھے دس بجے ہمارے شہر سے ایک تیز رفتار بس گزرتی جسے ہم گلی کے آخر سے مڑتا دیکھتے تھے۔ یہ وہی بس تھی جس پر بیٹھ کر میں کالج سے گھر آیا کرتی تھی۔ مجھے یاد ہے ایک گرم رات میں جو بلی آئی تھی۔ درختوں کی جڑیں خشک تھیں اور پینے کے پانی والے فوارے کے اردگرد پانی بھرے گڑھے تھے۔ گلی میں بلیئر ڈز اینڈ کیفے لکھا بورڈ آویزاں تھا جو نیلی، سرخ اور نارنجی رنگوں سے مزین تھا۔ یہ سائن بورڈ مجھے سکون دیتا تھا کیوں

کہ یہ مجھے سکول کے، دوستوں، میری محبت اور یہاں تک کہ گھر کی بھی یاد دلاتا تھا۔ مجھ سے چار سال پہلے جب میڈی اس دور سے گزری ہوگی تو اس کے جذبات بھی ایسے ہی ہوں گے۔ میں اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ ہماری طرح باقی بچے بھی گھر کے پر امن ہونے کے احساس پر یقین نہ رکھتے ہوں؟ مگر میں نے اس سے نہ پوچھا ہم اس بارے میں کبھی بات نہ کرتے تھے۔ میڈی باریک مگر تیز آواز میں بولتی، یہاں ہم کوئی فالتو بات کر کے ایک دوسرے کو پریشان کرنے نہیں آتے تھے۔ لہٰذا ہم کوئی ایسی بات نہ کرتے تھے۔

ایک رات میڈی مجھے ہمارے شہر سے مغربی طرف تقریباً تیس کلومیٹر دور لیک جھیل پر ایک دعوت میں اپنے ساتھ لے گئی۔ یہ دعوت ایک کاٹیج میں تھی جسے جوبلی کی کچھ خواتین نے اس ہفتے کے لیے کرائے پر دیا تھا۔ وہاں دعوت میں موجود اکثر خواتین بیوہ، کنواری یا طلاق یافتہ تھیں اور مردوں کی اکثریت نوجوان اور غیر شادی شدہ تھی۔ جوبلی سے آئے کچھ مرد تو اتنے نوجوان تھے کہ مجھے یاد تھا وہ چھوٹی کلاسوں میں پڑھنے والے چھوٹے لڑکے تھے۔ دو یا تین بڑی عمر کے مرد بھی تھے جن کے ساتھ ان کی بیویاں نہیں تھیں۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کچھ عورتیں میری جانی پہچانی تھیں جن کو میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا، دعوت میں نہیں بل کہ کسی اسٹور یا دفتر میں یا اکثر اتوار کو مذہبی عبادت کے موقع پر۔ وہ فیشن خوب جانتی تھیں اور خود شناس بھی تھیں اس وجہ سے وہ شادی شدہ عورتوں سے مختلف تھیں۔ ان کے لباس جدید طرز کے ہوتے، وہ خوشبو لگاتیں اور زیادہ لگاتیں۔ میڈی کے دوست کافی جدّت پسند تھے۔ انھوں نے بالوں پر تانبے جیسا رنگ لگایا تھا، ان کی آنکھوں کے پپوٹوں پر نیلا رنگ تھا اور وہ بے تحاشہ شراب پینے کی اہلیت رکھتے تھے۔

میڈی اپنے دُبلے پتلے جسم اور بغیر رنگ کیے سیاہ بالوں کے ساتھ میرے نزدیک اپنے دوستوں سے مختلف دکھتی تھی۔ اس کے چہرے پر اب بھی معصومیت تھی مگر اس کا لہجہ بہت تیز تھا جس کا ہم مذاق اڑایا کرتے تھے، شراب پینے کے بعد اس کے تاثرات بہت نڈر ہوتے تھے۔ مجھے لگتا تھا کہ وہ ان لوگوں میں گھلنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی اور شاید جلد ہی وہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتی۔ مجھے یہ بھی لگتا تھا کہ وہ چاہتی ہے میں بھی اسے کامیاب ہوتا دیکھوں۔ اسے بچپن کے خوف ناک واقعات کو نظر انداز کرتا دیکھوں اور یقیناً وہ وعدہ یاد رکھوں جو ہم نے خود سے کیا تھا کہ ہم جوبلی سے نکل کر کچھ بڑا کریں گے۔

ایک کھیل کے دوران جس میں سب عورتیں اپنے لباس کا کوئی حصہ ایک ٹوکری میں

رکھتیں، یہ ایک جوتا رکھنے سے شروع ہوتا تھا۔ تمام مرد آ کر ان چیزوں کو ان کی ممکنہ مالکہ کو واپس پہنانے کی دوڑ لگاتے، میں باہر جا کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ تیز موسیقی اور ساحل سمندر سے ٹکرانے والی لہروں کے شور میں اپنے شوہر اور دوستوں کو یاد کرتے ہوئے میں تنہائی محسوس کر رہی تھی۔ میں سونا چاہتی تھی۔ کافی دیر بعد میڈی آئی اور بولی ''خدا کا خوف کرو'' پھر وہ ہنسنے لگی اور مزید کہا ''تمھیں اس طرح کی دعوتیں پھیکی لگتی ہیں''؟ ہم دونوں ہنسنے لگیں۔ میں شراب پی کر نشہ کی بجائے بیمار ہونے پر معذرت خواہ ہو رہی تھی۔ وہ کہتی رہی ''ان سب کی گفتگو تو شاید ذہین اور پڑھے لکھے لوگوں والی نہیں ہے مگر وہ سب دل کے بہت اچھے ہیں''۔ میں نے اس بات پر بحث نہ کی اور ہم اسی کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے حویلی سے واپس آ گئے کیوں کہ دعوت ختم ہو چکی تھی۔

برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے اکثر ایک فریڈ پاول نامی آدمی ہمارے ساتھ ہوتا۔ وہ بھی دعوت میں تھا۔ یاد کر کے دُہرا رہا تھا کہ کون کس کے لیے شراب پکڑے اور کون ڈیوڑھی میں اپنا سر پکڑے ہوئے تھا۔ وہ جوبلی میں ہی پلا بڑھا تھا مگر میری یادداشتوں میں نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ہم سے کچھ سال پہلے اسکول میں تھا اور پھر جنگ پر چلا گیا تھا۔ پہلی مرتبہ جب میڈی رات کے وقت کھانے کے لیے اسے گھر لے کر آئی تو میں حیران ہو گئی تھی۔ ہم نے وہ شام اکٹھے گزاری۔ تب سے ہم بہت سی شامیں ساتھ گزار چکے ہیں۔ یہ آدمی ہمارے بچپن سے آیا کوئی تحفہ یا ہمارے ذہن میں کسی کہانی کی طرح محفوظ ہمارے بچپن کا حصہ لگتا ہے۔ اپنے بچپن میں بنائے خیالی تصورات (جو تقریباً ناممکن ہوتے ہیں) ہم مل کر وہ کہانیاں دُہراتیں۔ ''تم لڑکیوں کی یادیں کافی اچھی ہیں'' فریڈ پاول ہمیں دیکھتے ہوئے کہتا۔ اس کے چہرے پر ہمارے لیے کچھ ستائش اور کچھ اُلجھن، ناپسندیدگی اور سردمہری بھی تھی جو تاثرات عموماً اس طرح کے عام لوگوں کے چہروں پر ہوتے ہیں جیسے وہ کسی کا تماشا اپنی تفریح کی غرض سے دیکھ رہے ہوں۔

فریڈ پاول کے بارے میں سوچتے ہوئے میں یہ تسلیم کرتی ہوں کہ اس صورت حال میں میرا ردعمل میری توقع سے کہیں برعکس اور روایتی تھا۔ یہ مضحکہ خیز ہے کہ میں صحیح صورت حال سے واقف بھی نہیں تھی۔ میں جانتی ہوں کہ وہ شادی شدہ ہے۔ میڈی نے پہلی شام ہی مجھے اس بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ اس کی بیوی قانونی نہیں ہے۔ میڈی نے کہا کہ فریڈ اپنی بیوی سے بہت پیار کرتا ہے۔ گرمیوں میں وہ لیک میں رہتی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ وہ میڈی کا معشوق ہے یا نہیں اور وہ مجھے اس بارے میں بتائے گی بھی نہیں۔ مجھے اس سے کیوں فرق پڑتا ہے؟ میڈی تیس سے

اوپر کی ہو رہی ہے مگر میں فریڈ کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں جس طرح سے وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ہماری سیڑھیوں پر بیٹھتا ہے اور میڈی کی طرف چہرہ کیے ہوئے مکمل متوجہ ہوتا ہے جب وہ بات کر رہی ہوتی ہے۔ اس میں مردانہ وجاہت تھی مگر وہ متاثر کن نہیں لگتا تھا۔ میڈی اسے تنگ کرتی، وہ اسے موٹا کہتی ہے، نہ اس سے سگریٹ لے کر پیتی، اسے ذاتی بحث میں گھسیٹ لیتی ہے جو بے مقصد ہوتی اور کہیں ختم نہ ہوتی۔ وہ برا نہیں مانتا اور یہ بات مجھے خوف زدہ کر دیتی تھی جو میں اب جان گئی ہوں کہ وہ اس لیے برا نہیں منا تا کیوں کہ میڈی کو اس کی ضرورت تھی۔ جب وہ نشے میں دُھت ہوتی تو وہ طنزیہ مگر التجائیہ انداز میں کہتی کہ وہ اس کا واحد حقیقی دوست ہے۔ وہ کہتی فریڈ میری زبان ہی بولتا ہے اور کوئی نہیں بولتا۔ میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ ہوتا۔ میں پھر سے حیران ہو کر سوچ میں پڑ جاتی کہ کیا وہ اس کا صرف ایک دوست ہے؟ میں جوبلی میں زندگی پر لگائی جانے والی پابندیاں بھول گئی تھی اور یہ بھی کہ ان پابندیوں کے درمیان بھی مضبوط، قابل احترام اور ہوس سے پاک دوستی پنپ سکتی تھی مگر ایسے رشتے ختم ہونے تک زندگی نصف خرچ ہو چکی ہوتی ہے۔ یہ سوچ مجھے افسردہ کر دیتی غیر متزلزل اور فانی رشتے اس میں موجود لوگوں کی نسبت دوسرے لوگوں کو زیادہ افسردہ کرتے ہیں اتنا افسردہ کہ میں دعا کرتی کہ یہ محبت میں باوفا رہیں۔

جوبلی میں زندگی بھی جیسے موسموں کی طرح گزرتی۔ سردیوں میں اموات ہوتیں اور گرمیوں میں شادیاں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ موسم سرما لمبا اور بوڑھے کم زور لوگوں کے لیے سخت ہوتا وہ اسے گزار نہ پاتے۔ پچھلا سردیوں کا موسم تباہی بھرا تھا ایسی تباہی ہر دس بارہ سال بعد ہوتی ہے۔ گلیوں میں دراڑیں آ گئی تھیں ایسا محسوس ہوتا جیسے شہر کسی بم باری سے بچ گیا ہو۔ ایسی صورت حال میں موت سے مقابلہ بہت مشکل ہے۔ پھر گرمیوں میں باتیں کرنے کا موسم آتا ہے۔ لوگ گلی میں روک کر مجھ سے میری ماں کے بارے میں بات کرتے۔ وہ مجھے میری ماں کے جنازے کے بارے میں بتاتے کہ اس دن کیسا موسم تھا اور اس پر کون سے پھول چڑھائے گئے تھے۔ اب جب وہ مر چکی ہے تو لفظ ''تمھاری ماں'' میرے جذبات کو مجروح نہیں کرتا۔ پہلے یہ الفاظ مجھے بہت جذباتی کر دیتے تھے جیسے میری پوری شخصیت دھڑام سے زمین بوس ہو گئی ہو۔

اب اپنی ماں کے بارے میں بات کرتے لوگوں کو بہت نرمی سے رسمی تاثرات کے ساتھ سنتی اور مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اس شہر کے لوگوں کے لیے گفتگو کا موضوع بن گئی تھی جیسے وہ ان کی ملکیت ہو۔ وہ اس کے بارے میں عجیب و غریب افسانوی باتیں کرتے۔ یہ سب اِس لیے ہوا

کہ ہماری اس کو گھر میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود وہ شہر میں مشہور ہوگئی تھی۔ یہ ہم اُس کے لیے نہیں اپنے لیے کر رہے تھے۔ ہمیں اس کو آنکھوں کا فالج ہونے کی وجہ سے آنکھیں گھماتے دیکھ کر بہت شرمندگی محسوس ہوتی یا جب وہ عجیب آوازیں نکالتی تو ہمیں اس کی بات دوسروں کو سمجھانی پڑتی۔ اس کی بیماری اتنی عجیب تھی کہ اس کے اثرات ہمیں دوسروں سے معافی مانگنے پر مجبور کر دیتے جیسے ہم کسی خاص اور بھدے شو کا حصہ بن رہے ہوں۔ ہمارا فخر، عزت اور غصہ کچھ بھی کام نہ آیا جو اَب تک ہم کرتے آئے تھے۔ شہر کے لوگ اب جو بھی اس کے بارے میں باتیں کرتے، ہم ان کو کرنے دیتے کیوں کہ وہ اسی قابل تھی۔

میڈی اور اس کی دس سالہ زندگی کے بارے میں وہ بہت کم بات کرتے ہیں۔ شاید وہ میرے جذبات مزید مجروح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ شاید ان کو یاد ہو کہ میں یہاں سے چلی گئی تھی اور اب میرے دونوں بچے یہیں میرے ساتھ پڑھیں۔ اس کے برعکس میڈی تنہا ہے اس کے پاس سوائے ایک گھر کے کچھ نہیں جہاں ہر وقت اس کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ مگر میرا نہیں خیال کہ جو بلی کے لوگ آپ کو اتنی آسانی سے جانے دیتے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے بلا لحاظ پوچھا کہ میں جنازے پر کیوں نہیں آئی تھی۔ مجھے اس بات کی خوشی ہوئی کہ میرے پاس ہوائی سفر کے لیے مناسب برفانی طوفان کا عذر تیار تھا کیوں کہ میڈی نے مجھے سختی سے اس سے دور رہنے کی تاکید کی تھی۔ میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ اگر اس سب کے بعد وہ کچھ وقت اکیلے گزارنا چاہتی ہے تو اسے اس کا مکمل حق حاصل ہے۔

یہ وقت گزر جانے کے ساتھ میڈی ہی تھی جو مستقل مزاج رہی۔ وہ مجھ سے پہلے کالج گئی۔ اس نے کہا کہ تم مجھے چار سال کا وقت دے دو پھر میں تمھیں چار سال کا وقت دے دوں گی مگر میں نے شادی کر لی۔ وہ حیران نہیں ہوئی بل کہ میرے شرمندہ ہونے پر مجھ سے ناراض ہوئی۔ اس نے کہا کہ وہ ہمیشہ میرے لیے میری ڈھال بنے رہنا چاہتی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میری ماں اسے پریشان نہیں کرتی تھی۔ اس نے کہا ''ہماری پریشان کرنے والی ماں مزید تنگ نہیں کرتی۔ میں اب اسے بدلنے کی یا انسان بنانے کی کوشش نہیں کرتی بل کہ وہ جیسا چاہے اسے کرنے دیتی ہوں۔ تم جانتی ہو''۔ سب سے پہلے یہ کہنا آسان ہو گیا تھا کہ میڈی کا مذہب کی طرف رجحان تھا۔ وہ قربانی دینا پسند کرتی تھی۔ مگر میڈی کے بارے میں ایسا کون کہہ سکتا تھا؟ جب ہم چھوٹے تھے اور ہماری آنٹیاں (آنٹی عینی اور آنٹی لو) ہم سے ایسے فرماں بردار بیٹے یا بیٹی کے

بارے میں بات کرتیں جو اپنے بیمار والدین کے لیے سب کچھ چھوڑ کر خدمت کرتے ہیں تو میڈی ان کی رائے سے شدید اختلاف کرتی۔ مگر پھر بھی وہی تھی جو رُکی (جب ماں بیمار تھی)۔ میں صرف یہ سوچ پاتی اور خود کو تسلی دیتی کہ وہ قابل تھی اور شاید یہ سب اس نے مرضی سے چُنا ہوگا۔ کوئی کچھ بھی چُن سکتا ہے۔

موضوع بدلنے کے لیے لوگ مجھ سے پوچھتے کہ جوبلی آ کر مجھے کیسا محسوس ہو رہا ہے۔ میں خود نہیں جانتی تھی کہ میں کیا جواب دوں میں خود یہ انتظار کر رہی تھی کہ کوئی مجھے سمجھائے کہ میں واپس آ گئی ہوں۔ جس دن میں اپنے بچوں کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھا کر ٹورنٹو سے جوبلی پچیس کلومیٹر فاصلہ طے کر کے آئی، میں بہت تھک گئی تھی۔ مجھے بہت مشکل، مصیبتوں بھرا سفر طے کرنا پڑا تھا۔ پھر تقریباً دوپہر کے دو بجے مجھے کچھ جانا پہچانا علاقہ دکھنے لگا جیسے سرمئی اور سرخ اینٹوں سے بنی عمارات۔ میں بڑی گلی میں داخل ہوئی اور پھر گاڑی ساتھ والی خستہ گلیوں کی طرف موڑ لی جہاں ملازمائیں رہا کرتی تھیں۔ بڑی بڑی اینٹوں سے بنے گھر جو میں نے اچھی طرح دیکھے تھے اب میرے لیے غیر حقیقی لگ رہے تھے۔ پھر میں نے گاڑی ایک شیڈ والے گھر کے باہر کھڑی کی جہاں میں رہا کرتی تھی۔ میری چھوٹی بیٹی مارگریٹ نے عام مگر بے یقین لہجے میں مجھ سے پوچھا ''ماں، کیا یہ آپ کا گھر ہے''؟

میں نے محسوس کیا کہ میری بیٹی کے لہجے میں مایوسی ہے اور وہ ابھی سے ہی یہ سب نہیں کرنا چاہتی۔ اس کے لہجے میں کچھ عجیب تھا۔ وہ غیر مطمئن، کچھ معذرت خواہ مگر حقیقت سے بے زار سی تھی۔ گھر جن اینٹوں سے بنا تھا وہ اس گرمی میں بہت تیز لگ رہی تھیں اور ان میں دو تین جگہوں پر بڑی دراڑیں آ چکی تھیں۔ برآمدہ، جو ہمیشہ غیر معمولی سجاوٹ سے مزین رہتا، اب جیسے گرنے کو تھا۔ داخلی دروازے کے ساتھ کھڑکی کا شیشہ گدلا اور رنگین ہوتا تھا وہ اب بھی ویسا ہی تھا۔ میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کوئی جذبہ محسوس نہ کر رہی تھی۔ میں بیٹھی گھر کو دیکھتی رہی۔ کھڑکی ذرا نہ ہلی، دروازہ ہوا سے نہ کھلا، کوئی برآمدے سے نکل کر باہر نہ آیا۔ گھر پر کوئی نہ تھا۔ میں نے یہ ہی توقع کی تھی کیوں کہ میڈی اب شہر میں کلرک کی نوکری کرتی تھی پھر بھی گھر کو یوں ویران دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گئی تھی۔ مجھے ایک دم اپنا وہی پرانا گھر یاد آ گیا تھا۔ میں بیرونی صحن پار کرتی سیڑھیوں کی طرف گئی اور ساحل سمندر پر اتنی گرمیاں گزارنے کے بعد میں اس شہر کی جلد تک کو جلا دینے والی لُو کو بھی بھول چکی تھی۔

دروازے پر باہر میڈی کی میلی لکھائی میں لکھا ہوا تھا ''مہمانوں کا خیر مقدم'' بچوں کے کوئی پیسے نہیں، قیمت بعد میں طے کی جائے گی آپ کو افسوس ہوگا، اندر آیئے۔ ہال میں میز پر گلابی پھولوں کا گل دستہ تھا جس کی خوشبو پورے گھر میں اس گرم دوپہر میں پھیل رہی تھی۔ میں نے بچوں سے کہا ''اوپر چلو'' اور اپنی چھوٹی بیٹی اور اس کے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر جانے لگی۔ میرا بیٹا گاڑی میں سو گیا تھا اور اب مجھ سے لپٹا، چلتے ہوئے رو رہا تھا۔ پھر اچانک ایک سیڑھی پر قدم رکھتے میرے پاؤں رُک گئے میں نے شیشے میں اپنا عکس دیکھا جو ایک دُبلی پتلی، سانولی ایک جوان ماں لگ رہی تھی جس نے بال جوڑے کی شکل میں باندھ رکھے تھے اور اس کے چہرے پر رونق نہ تھی، ہال میں لگے شیشے میں یہ میرا عکس تھا جو پہلے کبھی دیکھتی تو ایک پیارا، بھرے سیب جیسا چہرہ ہوتا تھا، یہ ہر طرح کی مصیبت کو پیچھے چھوڑ دیتا تھا۔

یہ صرف میرے ٹھہر جانے کی وجہ نہ تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں یقیناً کھانے کے کمرے میں صوفہ پر بیٹھی ماں کی آواز میں اپنا نام پکارے جانے کی منتظر تھی جہاں وہ گرمیوں میں کمرے کے پردے گرائے چائے کے کپ لے جاتی اور کسی بیمار بچے کی طرح چھوٹے برتن میں فروٹ کھاتی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں پیچھے والا دروازہ اپنی ماں کی آواز سنے بغیر بند نہیں کر سکتی تھی اور بھرے دل کے ساتھ میں یہ جواب دینے کو تیار تھی کہ وہاں کون ہے؟ (مگر میری ماں کہیں نہیں تھی)

میں گھر کے عقب میں بڑے کمرے میں اپنے بچوں کو لے گئی جہاں میں اور میڈی سویا کرتے تھے۔ اس کمرے میں کھڑکیوں پر سفید باریک اور کافی حد تک پھٹے ہوئے پردے لٹک رہے تھے، ایک ڈبل بیڈ تھا، ایک میز جسے میں اور میڈی سکول کے دنوں میں ڈیسک کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے اور ایک الماری تھی جس کے دروازوں میں اندرونی شیشے لگے تھے۔ اپنے بچوں سے بات کرتے ہوئے تحمل کے ساتھ میں اپنی ماں کی ذہنی حالت کے بارے میں سوچ رہی تھی جب وہ کہتی تھی ''کون ہے وہاں''؟ میں نے پہلے کبھی یہ جرأت نہیں کی تھی مگر اب اس سے مدد مانگتی اور تکلیف میں ڈوبی آواز محسوس کر رہی تھی۔ وہ اتنا چلاتی تھی کہ یہ میرے اور میڈی کے لیے ایک عام آواز بن گئی تھی اور ہم اس سے لاپرواہ رہتے۔ ہم ایک دوسرے سے کہتے کہ تم جاؤ اور ماں کی بات سنو یا بس ایک منٹ رکو میں ماں کی بات سن کر آتی ہوں۔

ہمیں بغیر وقفہ لیے ناخوش گوار خدمات سرانجام دینا پڑتی تھیں یا بعض اوقات ذہن

تازہ کرنے کے لیے پانچ منٹ رُک کر گفتگو کرنی ہوتی ہم اتنے بے حس ہو گئے کہ کبھی ایک لمحے کو بھی حالات کی حقیقت کو نہیں جانا نہ کبھی ماں کے لمبے دیر تک بہنے والے آنسوؤں پر ترس کھایا۔ کبھی ہمارے آنسو نکل آتے اور مجبوری سے ہی سہی مگر ہمیں شور ختم کرنے کے لیے ماں کے پاس بات سننے جانا پڑتا۔ یہ ہماری ہار ہوتی مگر ہم بھی چالاک ہو گئی تھیں۔ ہم نے رویہ سرد کر لیا اور اپنے ہر قسم کے جذبات ساکن کر دیے ہم ماں سے بات کرتے ہوئے غصہ، بے صبری یا بے زاری کے جذبے کا اظہار نہ کرتے یہ ایسے ہی تھا جیسے آپ کسی قیدی کو کھانے میں گوشت دینا بند کر دیں اور وہ کم زور ہوتا جائے یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔

ہم اس سے کہتے کہ وہ کچھ پڑھ لے، موسیقی سن لے اور موسموں کو بدلتے دیکھ کر لطف اندوز ہوتے ہوئے شکر ادا کرے کہ اس کو کینسر نہیں ہے۔ ہم یہ بھی کہتے کہ سچ یہ تھا کہ اسے کوئی تکلیف نہ تھی۔ قید میں ہونا کوئی تکلیف نہیں ہے جب کہ وہ ایک بچے کی طرح بغیر شرمائے یا ہچکچائے ہم سے ہر ممکن طریقے سے ہماری توجہ حاصل کرنے کی درخواست کرتی مگر میں نے بے تاب ہو کر ہم کلامی کی کہ ہم اس سے محبت کیسے کر سکتے تھے ہمارے پاس محبت کرنے کے لیے کافی وسائل نہ تھے۔ ہمیں بہت زیادہ کی طلب تھی ویسے بھی اب کچھ تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ کہتی ''مجھ سے سب کچھ چھین لیا گیا''۔ وہ یہ اجنبیوں سے کہتی جن سے ہم اس کو دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اپنے پرانے دوستوں سے جو اُس سے ملنے آتے۔ سب سے دھیمی اور غم گین آواز میں کہتی اور ہمیں اس کو ٹوکنا پڑتا۔ وہ ہمیں اتنا ذلیل کرتی کہ ہم موت کی خواہش کرتے پھر بھی اب میں سوچتی ہوں کہ اگر ہم انا پرستی کا مظاہرہ نہ کرتے شاید وہ زندگی کی طرف لوٹ آتی۔ وہ دنیا میں اتنا ہی رہی جتنا رہ سکتی تھی۔ اسے اس بات سے فرق نہ پڑتا کہ کوئی اسے خوش آمدید نہیں کہتا۔ وہ بے چین جوبلی کی گلیوں میں گھروں کے آگے سے گزرتی رہتی وہ تھکتی نہ تھی۔ یقیناً وہ اس پتھر سے بنے گھر میں اپنی آخری سانس تک روتی رہی ہو گی میں یہ تصور کر سکتی تھی مگر نہیں کرنا چاہوں گی۔

مجھے لگتا ہے منظر ابھی بھی ادھورا ہے۔ ہماری عجیب ماں، فالج زدہ، زور سے ہلتی، روتی ہوئی، دوسروں کی توجہ کھینچنے کی کوشش کرتی۔ مُردے جیسی جلتی آنکھوں کے ساتھ منظر مکمل نہیں کر رہی تھی۔ کیوں کہ اس کی بیماری بے ترتیبی سے نشو ونما پا رہی تھی تو کسی صبح وہ پچھلے دن سے بہتر حالت میں اٹھتی۔ وہ صحن میں ایک عام عورت کی طرح سیدھی پودوں کی طرف جاتی۔ وہ ہم سے پر

سکون انداز میں بات کرتی، توجہ سے خبریں سنتی۔ وہ جیسے کسی برے خواب سے جاگی ہو اور کھویا ہوا وقت پھر سے پانا چاہتی ہو، وہ گھر کو صاف کرتی، اپنے کانپتے ہاتھوں سے سلائی مشین پر کام کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ ہمارے لیے خاص کیلے سے بنا کیک یا لیموؤں سے کچھ میٹھا بناتی تھی۔ جب سے وہ مر چکی تھی کبھی کبھار میں اس کو خواب میں دیکھتی ہوں جب وہ زندہ تھی میں نے اسے کبھی خواب میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ میرے خواب میں یہ سب ہی کرتی اور میں سوچتی کہ میں بات کو بڑھا چڑھا کر کیوں کرتی ہوں وہ ٹھیک تو ہے۔ بس اس کے ہاتھ ہی تو کانپتے ہیں۔

ان سکون کے دنوں کے اختتام پر اس کے اندر ایک عجیب طاقت آجاتی۔ وہ مزید بے تکی باتیں کرنے لگتی۔ وہ ہم سے فرمائش کرتی کہ ہم اس کے گال سہلائیں، اس کے بال بنائیں۔ بعض اوقات وہ کسی کو بلاتی کہ اس کے لیے کپڑے بنائے وہ بھی کھانے کے کمرے میں بیٹھ کر جہاں وہ اُسے کام کرتے دیکھ سکے۔ یہ سب عملی طور پر ناممکن تھا اسے ان کپڑوں کی ضرورت کیوں تھی، اسے یہ پہن کر کہاں جانا تھا؟ ہمیں جھنجھلاہٹ ہوتی کیوں کہ درزی کو اندازہ نہ ہوتا، اور کبھی ہمیں بھی سمجھ نہ آتا، کہ وہ کیسا لباس چاہتی ہے۔ مجھے یاد ہے میڈی مجھے خاموشی سے درزی کو سمجھانے والی ہدایات لکھ کر دیتی کہ میں اسے سُنا دوں۔ میں ہمدردی میں وہ سنا تو دیتی مگر مجھے پھر سے وہ تناؤ گھیر لیتا جو میری ماں کی اس طرح کی فرمائشوں پر ہوتا تھا۔ حقیقی دنیا میں وہ دوبارہ واپس نہیں لائی جاسکتی تھی۔ میرے ذہن میں اس کی شکل بہت غیر حقیقی اور خوف زدہ کرنے والی تھی۔ اسی طرح اس کے ساتھ رہتے ہوئے ہم جس ذہنی تناؤ کا شکار ہوتے تھے، جیسے ایک مرتبہ میں اور میڈی نے بے ہنگم طریقے سے ہنستے ہوئے بھلانے کی کوشش کی تھی، وہ اب مجھے کچھ فرضی لگنے لگا تھا۔ میں ایک غیر واضح مگر مجرمانہ کیفیت محسوس کرتی تھی۔

میں کچھ دیر کمرے میں اپنے بچوں کے پاس بیٹھی رہی کیوں کہ یہ ان کے لیے سونے کے لیے انجان جگہ تھی۔ انھیں اس کمرے میں دیکھتے ہوئے میں نے سوچا کہ یہ کتنے خوش قسمت ہیں کہ ان کی زندگی آسان اور محفوظ ہے جو ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے۔ میں نے الماری میں دیکھا مگر وہاں ایک ٹوپی (جو ہم ایسٹر پر پہنتے تھے) کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ جب میں نے کپڑے دھونے والی جگہ پر بنی دراز کھولی تو میں نے دیکھا اس میں کسی کاپی سے کاغذ پھاڑ کر اسے بھرا گیا تھا۔ میں نے اسے پڑھا لکھا تھا ''معاہدہ یوٹریچٹ ۱۹۱۷ء جس کی وجہ سے ہسپانوی جانشینی کے لیے ہونے والی جنگ کا خاتمہ ہوا''۔ میں چونک گئی یہ میری لکھائی تھی۔ میں یہ سوچ کر حیران تھی کہ یہ دس

سال سے یہیں تھا مزید یہ کہ یہ ایسے تھا جیسے میں نے اسے ابھی لکھا ہو۔

نہ جانے کیوں ان الفاظ کو پڑھ کر میں بہت جذباتی ہو رہی تھی، میری گزشتہ زندگی میری نظروں کے سامنے گھومنے لگی، کچھ لمحے اس پرانے کمرے میں مجھے یہ احساس ہوتا رہا۔ پرانا اسکول (جواب گرایا جا چکا تھا) میری آنکھوں کے سامنے آرہا تھا۔ جیسے میرے لیے پھر سے کھل گیا ہو اور مجھے ہفتے کی شامیں یاد آئیں جب برف پگھل جانے کے بعد لوگ شہر میں باہر نکلا کرتے تھے۔ میں نے یاد کیا جب رات گہری ہونے تک ہم دو تین لڑکیاں بانہوں میں بانہیں ڈالے سڑک کے ساتھ ساتھ اوپر نیچے گھوما کرتیں اور پھر ڈانس کرنے چلی جاتی تھیں۔ ڈانس ہال کی کھڑکیاں کھلی ہوتیں اور بہار میں مٹی کی خوشبو والی ہوا اس سے اندر آتی۔ جب ہم رقص کرتے تو لڑکوں کے ہاتھ ہماری کمر کے گرد بل کھاتے۔ اس وقت وہ تمام باتیں جو اس وقت ہمیں یادگار نہ لگا کرتی تھیں ایک دم سے میرے لیے بہت خاص اور بامعنی ہو گئی تھیں۔ اس وقت یہ سب ہمیں بہت بچگانہ اور بے وقوفانہ لگا کرتا تھا۔ اب یہ صرف ایک رقص نہیں تھا جو ہم کیا کرتے تھے بل کہ یہ کچھ ایسا تھا جو مجھے ہر سو پھیلا محسوس ہو رہا تھا۔

ہم رقص کے لیے خاص جوتے بھی پہنا کرتے تھے، مکمل سیاہ کپڑے، نیلے رنگ کے کوٹ یا کبھی سرخ اور پیلے رنگ کے کوٹ بھی پہنتے تھے۔ میڈی گلے میں جنازوں پر پہنے جانے والا آرائشی ربن پہنتی اور بالوں میں نقلی پھول لگاتی تھی۔ یہ ہمارے خیال میں جنگ کے ایک سال بعد کا جدید فیشن تھا۔ یہ شوخ لڑکی میڈی میری بہن تھی۔

میں نے میڈی سے پوچھا کہ کیا اُسے پرانا حُلیہ یاد ہے؟ جواب میں اس نے کہا ''نہیں''، میں وہ سب یاد بھی نہیں کر سکتی۔ میں نے پس و پیش کرتے ہوئے کہا ''اکثر اوقات نہیں مگر کبھی کبھار مجھے وہ یاد آتا ہے''۔ میڈی نے کہا ''یقین ہے کہ اس طرح کی یادیں دُہرانے کے لیے تمھیں بہت سال پیچھے جانا پڑتا ہوگا''۔ ساتھ ہی اس نے مجھے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

اس نے صرف اتنا کہا کہ وہ بہت سا وقت چیزیں سنوارنے میں، بٹن بنانے، ہاتھوں سے نیک خواہشاتی کارڈ بنا کر ان کو اکٹھا کرنے میں گزارتی ہے جس سے اس کا وقت بہتر گزر جاتا ہے۔

میں آنٹی عینی اور آنٹی لُو سے ملنے گئی۔ جب سے میں گھر آئی تھی یہ میرا تیسرا چکر تھا اور ہر مرتبہ میں دیکھتی کہ وہ ساری دوپہر دھاگے کے رنگے ہوئے ٹکروں سے قالین بنانے میں گزار

دیتیں۔وہ اب بہت بوڑھی ہو چکی ہیں۔وہ گرم اور چھوٹی سی بانس کی باریک لکڑی سے بنے پردوں سے ڈھکی ڈیوڑھی میں بیٹھی ہوتی ہیں۔یہ رنگین ٹکڑے اور ادھ بنے قالین گھریلو تاثر دیتے۔وہ اب باہر نہیں نکلتیں،مگر صبح جلدی اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر تیار ہوتی ہیں اور بے ترتیب ڈیزائن والے کپڑے پہن کر سفید بالوں کی چوٹی بنا لیتیں۔وہ دلیہ اور ساتھ کافی بناتیں، پھر گھر کی صفائی کرتیں۔آنٹی عینی اوپر والے کمرے کی جب کہ آنٹی لُو نیچے صفائی کرتیں۔ان کا گھر بہت صاف ستھرا اور رنگین ہے جس سے سرکہ اور سیب کی بو آتی ہے۔دوپہر کو ایک گھنٹے کے لیے وہ آرام کرنے کی غرض سے لیٹ جاتیں اور اس کے بعد دوبارہ بیٹھ کر کام کرنے لگتیں ہیں۔

وہ دونوں اس طرح کی خواتین ہیں کہ جن کا جسم عمر کے ساتھ ڈھلک جاتا ہے۔آنٹی لُو کے بال اب تک سیاہ ہیں مگر وہ اس قدر اکڑے ہوئے اور خشک تھے کہ مکئی کے آخر میں جو بال ہوتے ہیں ان جیسے محسوس ہوتے۔وہ سیدھی بیٹھ کر اپنی پتلی بازوؤں کو بہت دھیرے اور نفاست سے چلاتیں۔وہ اپنی لمبی گردن، تیکھے نقوش اور جھریوں بھری سانولی جلد کے ساتھ مصر کی کوئی خاتون لگتیں۔آنٹی عینی اس کے برعکس زیادہ نازک اور گرم جوش خاتون لگتی۔ان کے بال تقریباً گر چکے ہیں اور وہ سر پر ٹوپی پہنے رکھتی ہیں۔وہ میری توجہ حاصل کر کے پوچھتی ہیں کہ قالین بن رہا ہے یا نہیں۔دونوں اپنے کام میں ماہر ہیں اور اپنے کام کی نشان دہی کیے جانا پسند کرتی ہیں۔ان کے ساتھ بیٹھنا ہلکا پھلکا کر دیتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کی گفتگو میں چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مزاح ہوتا ہے۔ان کو دیکھ کر مجھے ہمیشہ ایک کشش محسوس ہوتی ہے میں خود اور میڈی کو بڑھاپے میں ان جیسا تصور کرتی ہوں۔جب ہم بہنیں ساتھ ہوں،کسی نوجوان مگر غیر اہم رشتہ دار کے لیے چائے بناتیں اور ہمارا رشتہ دوسروں کے لیے مثالی ہو۔لوگ ہمارے بارے میں کیا جانتے ہوں گے؟ جب میں اپنی دل لگی کرتی بوڑھی آنٹیوں کو دیکھتی ہوں تو سوچ میں ڈوب جاتی ہوں کہ یہ بوڑھے لوگ ہمارے ساتھ اتنے سادہ اور اچھے طریقے سے برتاؤ کیوں کرتے ہیں شاید اس لیے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ ان کی کسی بات سے ہمارا صبر نہ چھوٹ جائے اور ہم برا نہ مان جائیں یا پھر وہ سماج کا حصہ بنے رہنے کے لیے نزاکت سے سب کچھ کرتے ہیں جب کہ حقیقت میں وہ اپنے اور ہمارے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم سے بات چیت تک نہیں کر پاتے۔

بہر حال میں نے ان سے عجیب دوری محسوس کی۔کم از کم اس تیسری دوپہر کی ملاقات تک جب کسی بات پر میرے سامنے ان دونوں کا اختلاف ہو گیا تھا۔میرے خیال میں ایسا پہلی بار

ہوا تھا کیوں کہ میں نے کبھی بھی آج تک ان دونوں کو بحث کرتے نہیں دیکھا تھا۔ میں اور میڈی اکثر ان کے پاس آیا کرتے تھے، ذمہ داری کی وجہ سے نہیں بل کہ اپنے گھر کے ماحول سے فرار حاصل کرنے کے لیے۔ ہم نے کبھی ایسا کچھ نہ دیکھا تھا۔

آنٹی عینی کچھ دکھانے کے لیے مجھے اوپر کمرے میں لے جانا چاہتی تھی۔ آنٹی لُو ناراض دکھائی دی اور انھوں نے اس پر اعتراض کیا جیسے یہ سب انھیں پریشان کر رہا ہو اور مجھے اس شعور کا ادراک تھا کہ اس گھر میں جو بھی ہو میرے لیے یہ سوچنا بھی ناممکن تھا کہ میں ان سے پوچھوں وہ کس بارے میں بات کر رہی تھیں۔

آنٹی لُو نے کہا ''اوہ اس کو اپنی چائے پی لینے دو'' تو آنٹی عینی نے کہا ''چلو ٹھیک ہے جب تک وہ چائے پی لے''۔

آنٹی لُو ''جاؤ، جیسا تمھارا دل چاہے کرو۔ اوپر گرمی ہے''۔

آنٹی عینی ''کیا تم ساتھ آؤ گی لو''؟

آنٹی لُو ''میں بھی آجاؤں تو بچوں کے پاس کون ہوگا''؟

آنٹی عینی ''ارے ہاں بچے بھی ساتھ ہیں، ان کے بارے میں مجھے یاد نہیں رہا''۔

اس کے بعد عینی آنٹی مجھے لے کر گھر کے تاریک حصے کی طرف گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ شاید مجھے پانچ ڈالر کا نوٹ دینے والی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ وہ اسی طرح کبھی کبھار مجھے کھینچ کر خاموشی سے ہال میں لے جا کر اپنا پرس کھول کر پیسے دیا کرتی تھی۔ یہ بات آنٹی لُو کو بھی نہیں معلوم تھی مگر اس بار وہ مجھے سیڑھیوں سے اوپر اپنے کمرے میں لے گئیں، جو بہت صاف ستھرا تھا، اس کی دیواروں پر کاغذی پیپر لگا ہوا تھا۔ آنٹی لُو کے عین مطابق یہاں بہت گرمی تھی۔

عینی آنٹی نے پھولے سانس کے ساتھ کہا ''اب تم مجھے الماری کے سب سے اوپر موجود ڈبہ اُتار کر پکڑاؤ''۔

میں نے ڈبہ اُتار کر پکڑایا، انھوں نے اسے کھولا اور پر جوش ہوتے ہوئے کہا ''میرا خیال ہے کہ تم سوچتی ہو گی کہ تمھاری ماں کے تمام کپڑوں کا کیا بنا''؟

میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا، میں بیڈ پر بیٹھ گئی اور میں بالکل بھول بیٹھی کہ اس گھر میں بیڈ پر بیٹھنا منع تھا۔ بل کہ اس مقصد کے لیے بیڈ روم میں ایک کرسی رکھی گئی تھی مگر عینی آنٹی نے اس طرف توجہ نہ دی وہ یہ کہتے ہوئے چیزیں اٹھانے لگی ''میڈی نے کبھی ان کا ذکر نہیں

کیا ہوگا۔ کیا اس نے کبھی ذکر کیا''؟

میں نے کہا ''میں نے اس سے کبھی پوچھا ہی نہیں''۔

''نہیں، میں نے کبھی بھی نہیں پوچھا۔ میں میڈی سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتی مگر میں نے سوچا مجھے تمھیں دکھانا تو چاہیے۔ کیوں تم دیکھنا نہیں چاہتی؟ دیکھو۔ ہم نے دھو کر اس کے کپڑے استری کر دیے ہیں اور جو ہم نہ کر سکے وہ ہم نے دھوبی کے پاس بھیج دیے۔ اس کو پیسے بھی میں نے اپنے پاس سے دیے پھر جس بھی چیز کو مرمت کی ضرورت تھی ہم نے اس کو ٹھیک کیا۔ دیکھو یہ سب اب بہترین حالت میں ہیں'' آنٹی عینی نے کہا۔

میں بے بسی سے دیکھتی رہی جب انھوں نے معائنہ کرنے کے لیے سب کچھ میرے آگے رکھا جن میں سب سے اوپر ایک زیر جامہ تھا۔ انھوں نے مجھے دکھایا کہ کہاں کہاں انھوں نے سلائی کر کے مرمت کی تھی اور کہاں لچک کے لیے کپڑا لگایا تھا۔ انھوں نے مجھے ایک زیر لباس دکھایا جو میری ماں نے صرف ایک بار پہنا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے سب چیزیں مجھے دکھانے لگی اور ایک لباس پکڑ کر کہا ''جب میں نے تمھاری ماں کو آخری بار دیکھا تو وہ یہ پہنے ہوئے تھی۔ میرے خیال میں، ہاں بالکل اس نے یہی پہنا ہوا تھا''۔ میں نے فوراً یہ لباس پہچان لیا جو میں نے کرسمس کے لیے اسے بھیجا تھا۔

''تم دیکھ سکتی ہو یہ بہ مشکل ہی کچھ استعمال ہوا ہوگا''۔

''نہیں'' میں نے مختصراً جواب دیا۔

''اِس کے نیچے اُس کے باقی کپڑے ہیں''۔ وہ ماں کے ریشمی کپڑوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی جن کو پہننے کی میری ماں خواہش رکھتی تھی۔ ان چمکیلے بھڑکیلے رنگوں میں ان کو تصور کرتے ہوئے عینی آنٹی بھی جھجک رہی تھیں۔ انھوں نے ایک بلاؤز پکڑا اور کہا ''یہ میں نے اپنے ہاتھوں سے دھویا ہے اب یہ بالکل نیا دِکھتا ہے۔ الماری میں ایک کوٹ لٹک رہا ہے وہ بھی بہترین حالت میں ہے۔ اس نے کبھی کوٹ نہیں پہنا یہ بھی اس نے صرف اسپتال جاتے ہوئے پہنا تھا۔ کیا یہ تمھیں پورا نہیں ہوگا''؟ یہ کہتے ہوئے وہ الماری کی طرف بڑھی۔ میں نے کہا ''نہیں نہیں عینی آنٹی میں نے ابھی کچھ پہلے ہی ایک نیا کوٹ خریدا ہے۔ میرے پاس بہت سے کوٹ ہیں''۔ آنٹی عینی نے ہٹ دھرمی سے ضدی لہجے میں کہا ''مگر تمھیں جا کر نئی چیزیں خریدنے کی کیا ضرورت ہے جب یہاں سب کچھ تقریباً نیا ہی ہے''۔

میں نے کہا ''میں خریدنا ہی پسند کروں گی'' اور فوراً ہی مجھے اپنے لہجے کی سرد مہری پر افسوس ہوا مگر میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''جب بھی مجھے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے میں جا کر اسے خرید لیتی ہوں''۔ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ میرے لہجے میں یہ تاثر تھا کہ میں اب غریب نہیں رہی آنٹی عینی کے چہرے پر ملامت کے اثرات آ گئے۔ وہ کچھ نہ بولی۔ میں واپس جا کر ایک تصویر دیکھنے لگی جس میں آنٹی عینی، آنٹی لو، ان کے بھائی اور والدین تھے۔ ان کے چہرے مجھے خود کو گھورتے محسوس ہو رہے تھے جیسے مجھے یاد کروا رہے ہوں کہ میں دنیاوی آسائشوں اور روپے پیسے کے پیچھے چلی گئی تھی۔ چیزیں استعمال ہونی چاہیے، سب کچھ استعمال ہونا چاہیے۔ سب محفوظ رکھنا چاہیے۔ خراب ہو جانے پر انھیں ٹھیک کروا کر پھر اسے استعمال کرنا چاہیے۔ کپڑے پہننے کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے آنٹی عینی کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی اور مزید یہ کہ شاید میں نے آنٹی لُو کی پیشین گوئی بھی سچ ثابت کر دی تھی۔ وہ آنٹی عینی کی طرف سے سخت روّیوں کے لیے بہت حسّاس تھی اور یقیناً انھوں نے آنٹی عینی سے کہا بھی ہو گا کہ میں اپنی ماں کے کپڑے لینا پسند نہیں کروں گی۔

آنٹی عینی نے کہا ''وہ ہم سب کی توقع سے بہت پہلے اس دنیا سے چلی گئی''۔ میں حیران ہوتے ہوئے مڑی تو انھوں نے کہا ''میں تمھاری ماں کی بات کر رہی ہوں''۔ میں حیران ہوئی اور سوچا کہ وہ کپڑوں کے بہانے شاید کوئی اور بات شروع کرنا چاہتی تھی اور مجھے لگا کہ وہ میری ماں کی موت کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی جو اُن کے نزدیک ہم سے کرنا ضروری تھا مگر آنٹی لُو کے لیے یہ مشکل تھا۔ وہ جذباتیت کے خلاف تھی اور اس طرح کی گفتگو کبھی ہمارے ساتھ نہ کرتی تھی۔

عینی آنٹی نے کہا ''وہ صرف دو مہینے اسپتال رہی اور اس دوران میں دنیا سے چل گزری''۔ میں نے دیکھا کہ وہ پریشان ہو کر رو رہی تھی جیسے بوڑھے لوگ روتے ہیں۔ انھوں نے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کیا۔ اس نے مزید کہا ''میڈی نے اس سے کہا تھا کہ یہ بس اس کا عام معائنہ ہے اور کچھ نہیں۔ میڈی نے اسے یہ بھی کہا تھا کہ اس میں صرف تین ہفتے لگیں گے۔ تمھاری ماں یہ سوچ کر اندر گئی کہ وہ تین ہفتوں بعد واپس آ جائے گی''۔ وہ مجھ سے سرگوشیوں میں بات کر رہی تھی جیسے اسے ڈر ہو کہ کوئی ہماری باتیں سن لے گا۔ ''کیا تمھیں لگتا ہے کہ وہ اس جگہ رہنا چاہتی تھی جہاں اسے بتایا گیا تھا کہ وہ بستر سے بھی نہیں اُتر سکتی؟ وہ گھر واپس آنا چاہتی تھی''۔

''مگر وہ بہت بیمار تھی''، میں نے کہا۔

''نہیں وہ نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ سے ہی ایسی تھی بس گزرتے وقت کے ساتھ اس کی طبیعت میں خرابی بڑھ رہی تھی مگر جب وہ اسپتال گئی وہ کہتی تھی کہ وہ مر جائے گی۔ وہ کسی قید میں چلی گئی تھی اور پھر وہ تیزی سے موت کی طرف چلی گئی''۔

میں نے کہا ''شاید یہ سب ایسا ہی ہونا تھا۔ شاید ان کی موت کا وقت آ گیا تھا''۔

آنٹی عینی نے میری بات پر کوئی توجہ نہ دی اور کہا ''میں اس سے ملنے گئی تھی وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش تھی کیوں کہ میں اس کی باتیں سمجھ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ یہ مجھے یہاں میری بھلائی کے لیے رکھے گی؟ میں مر جاؤں گی؟ اور میں نے کہا تھا نہیں ایسا نہیں ہوگا''۔ پھر اس نے کہا ''آنٹی عینی میڈی سے کہیں مجھے گھر واپس لے جاؤ ورنہ میں یہاں مر جاؤں گی۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ کیا تم نے کبھی سوچا کہ کوئی انسان صرف اس لیے مرنا چاہے گا کہ باقی لوگوں کو لگتا ہے اس کے جینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ میں نے میڈی کو یہ بات بتا دی مگر وہ خاموش رہی۔ وہ روزانہ اسپتال جاتی اور تمھاری ماں سے ملتی مگر وہ اسے گھر لانا نہیں چاہتی تھی۔ تمھاری ماں نے مجھے بتایا تھا کہ میڈی نے اس سے کہا وہ اسے گھر نہیں لے کر جائے گی''۔

میں نے کہا ''ماں ہمیشہ سچ تو نہیں بولتی تھی۔ آنٹی عینی آپ بھی یہ بات جانتی ہیں''۔

آنٹی عینی ''کیا تمھیں معلوم تھا کہ تمھاری ماں اسپتال سے باہر آ گئی تھی''؟

''نہیں''، میں نے کہا مگر اب کی بار مجھے حیرت نہیں ہوئی مگر میرے جسم میں کسی خوف کا احساس سرائیت کر گیا اور خواہش ہوئی کہ وہ آگے کچھ نہ بولیں۔ اس سے ہٹ کر مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جو بھی بتانے جا رہی تھی میں جانتی ہوں گی۔ مجھے ہمیشہ سے اس بات کا علم ہوگا۔

آنٹی عینی ''میڈی نے تمھیں نہیں بتایا''؟

میں نے کہا ''نہیں''۔

خیر وہ باہر آ گئی تھی۔ وہ ساتھ والے دروازے سے باہر آ گئی تھی جہاں سے ایمبولینس داخل ہوتی ہے۔ یہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ یہ رات کا وقت تھا اور زیادہ نرسیں بھی مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے موجود نہ تھیں۔ وہ اپنا لباس سیدھا کرتی جوتے پہن کر باہر آ گئی، یہ جنوری کا مہینہ تھا، برف باری ہو رہی تھی، مگر وہ واپس اندر نہ گئی۔ وہ گلی میں بہت آگے تک آ گئی تھی جب اسپتال کے لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ اس کے بعد انھوں نے اس کے بیڈ کے ساتھ ایک تختہ لگا دیا۔

''وہ کہاں جا رہی تھی''؟ میں نے یہ جانتے ہوئے پوچھا کہ اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ شاید یہ تمھیں نہیں بتانا چاہیے تھا مگر ہیلن جب وہ اُس کو پکڑے اُس کے پیچھے آئے تو اس نے بھاگنے کی کوشش کی۔ تم یقین کرو گی اس نے بھاگنے کی کوشش کی''؟

ہر کوئی فرار چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ میری اس آنٹی کے نرم مانوس چہرے کے پیچھے ایک بوڑھی عورت ہے جو کسی نئی جگہ اور انوکھی بات پر گھبرا جاتی ہے۔

انھوں نے کپڑے تہہ لگا کر واپس ڈبے میں رکھنا شروع کر دیے اور کہا ''میں نے خود دیکھا تھا کہ اسپتال والوں نے اس کے بستر پر زور سے لکڑی کا تختہ لگا دیا تھا کہ وہ اب اس سے اُتر نہ سکتی تھی لیکن یہ نرسوں کا قصور بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ ہر کسی کی نگرانی کر سکیں۔ جنازے کے بعد میں نے میڈی سے کہا تھا تمھارے ساتھ یہ سب نہیں ہونا چاہیے مگر میں کچھ نہ کر سکتی تھی''۔ اب وہ کپڑے تہہ کر کے واپس ڈبے میں رکھتے ہوئے بستر پر بیٹھ گئی تھی، اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش میں تھی۔ اس میں کامیاب ہونے کے بعد وہ بیٹھی رہی۔ اتنا بوڑھا انسان اتنی جلدی اپنے آپ پر کیسے قابو پا سکتا ہے......؟

بالآخر انھوں نے کہا ''ہم نے سوچا تھا کہ یہ مشکل ہے۔ میں نے اور لُو نے سوچا تھا کہ یہ بہت مشکل ہے''۔

اس عمر میں اِن بوڑھی عورتوں کے پاس قالین بنانے اور ہمیں پانچ ڈالر کا نوٹ دینے کے علاوہ یہ بھی کام تھا کہ وہ ہمارا خوف ناک ماضی ہمیں یاد کرواتی تھیں۔

وہ میڈی سے ڈرتی تھی اور اس سے ڈرتے ہوئے یہی بات کرتی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ میڈی نے مجھ سے کہا تھا کہ ہر کوئی سب کے ساتھ ایک لہجے میں بات نہیں کرتا ہے۔

جب میں گھر آئی تو میڈی کچن میں سلاد بنا رہی تھی۔ دھوپ چھن کر اندر آ رہی تھی۔ اس نے اپنا لمبی ایڑھی والا جوتا اُتار دیا تھا اور اب وہ ننگے پاؤں تھی۔ کچن کے عقب میں ایک کمرا تھا جس سے شہر کا خوش گوار نظارہ ہوتا تھا۔ میرے بچے جو آنٹی عینی اور آنٹی لُو کے گھر جا کر سہم سے گئے تھے انھوں نے آتے ہی میز کے نیچے جا کر کھیلنا شروع کر دیا۔

میڈی: ''تم کہاں تھی''؟

ہیلن: ''کہیں نہیں۔ بس آنٹی عینی اور لُو سے ملنے گئی تھی''۔

میڈی: ''ارے۔کیسی ہیں وہ''؟

ہیلن: ''وہ ٹھیک ہیں۔انھیں کچھ نہیں ہوگا''۔

میڈی: ''سچ میں؟ ہاں ویسے مجھے بھی ایسا لگتا ہے میں بہت عرصے سے ان سے نہیں ملی۔اصل میں اب میں زیادہ ان کی طرف نہیں جاتی''۔

''تم نہیں جاتی؟''میں نے پوچھا اور پھر اسے وہ سب بتایا جو مجھے آنٹ عینی نے کہا تھا۔

''جنازے کے بعد وہ میرے اعصاب پر سوار ہونے لگی تھی ویسے بھی فریڈ نے میرے لیے یہ نوکری ڈھونڈ لی تھی اور میں بہت مصروف رہنے لگی تھی......''اس نے میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے ،ٹھہر کر سکون سے انتظار کرنے لگی کہ میں کیا جواب دیتی ہوں۔

میں نے دھیرے سے کہا''میڈی تم شرمندگی محسوس مت کرو''۔اس دوران بچے اندر باہر چیخیں مارتے ہماری ٹانگوں سے گزر کر کھیلتے رہے۔

اس نے کہا''میں شرمندہ نہیں ہوں۔تمھیں ایسا کیوں محسوس ہوا کہ مجھے شرمندگی ہے''؟

اس نے مجھ سے بات کرتے کرتے جا کر ریڈیو چلایا اور کہا''آج فریڈ ہمارے ساتھ کھانا کھائے گا۔کیوں کہ وہ اکیلا ہے۔میں نے رس بیری سے میٹھا بنایا ہے حالاں کہ اس سال تقریباً یہ ختم ہو چکی ہیں۔کیا تمھیں یہ ٹھیک لگ رہی ہیں''؟

میں نے کہا''یہ ٹھیک لگ رہی ہیں۔کیا تم چاہتی ہو کہ میں انھیں ختم کر دوں''؟

اس نے کہا''ہاں یہ ٹھیک ہے میں تمھارے لیے ان کو کسی برتن میں لے کر آتی ہوں''۔

وہ کھانے کے کمرے میں گئی اور ایک گلابی رنگ کا شیشے کا برتن رس بیری رکھنے کے لیے لے آئی۔اس نے کہا''میری زندگی رُک گئی تھی اور میں واپس زندگی کی طرف لوٹنا چاہتی تھی''۔

وہ کچن اور کھانے کے کمرے کے درمیان سیڑھی پر کھڑی تھی۔اچانک اس کے ہاتھ کانپ گئے،یا شاید اس نے اسے ٹھیک سے پکڑا ہی نہ تھا،شیشے کا برتن اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔اس نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ برتن زمین پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔

میڈی نے ہنسنا شروع کر دیا اور کہا''یہ کیا ہو گیا،اوہ!ہیلن یہ کیا ہو گیا؟دیکھو میں نے کیا کر دیا۔میں ننگے پاؤں ہوں۔مجھے جھاڑو پکڑاؤ''۔

ہیلن:''اپنی مرضی کی زندگی کی طرف لوٹ جاؤ میڈی،تم چلی جاؤ''۔

میڈی: ''ہاں میں چلی جاؤں گی۔ میں لوٹ جاؤں گی''۔
ہیلن: ''چلی جاؤ، یہاں مت ٹھہری رہو''۔
میڈی: ''ہاں میں آگے بڑھ جاؤں گی''۔

پھر وہ جھک کر ٹوٹے شیشے کے ٹکڑے اُٹھانے لگی۔ میرے بچے پیچھے کھڑے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ وہ حیران تھی۔ میڈی ہنس رہی تھی اور کہہ رہی تھی ''میرا کچھ خاص نقصان نہیں ہوا۔ میرے پاس ایک پوری شیلف ایسے برتنوں سے بھری ہے۔ میرے پاس اتنے برتن ہیں کہ تمام عمر گزر سکتی ہے۔ ارے یہاں کھڑی میری طرف مت دیکھتی رہو جاؤ جھاڑو لے کر آؤ''۔ میں کچن میں جھاڑو ڈھونڈنے لگی کیوں کہ میں بھول چکی تھی کہ وہ کہاں رکھا ہوتا تھا۔ اسی وقت مجھے میڈی کی درد سے اُبھرتی آواز سنائی دی ''مگر میں زندگی میں آگے کیوں نہیں بڑھ پا رہی ہیلن؟ میری زندگی کیوں ٹھہر گئی ہے''؟

خوش نُمار وحوں کا رقص

مس مارسیلس کے ہاں ایک اور موسیقی کی محفل ہے جس کے انعقاد کے مختلف امکانات ہو سکتے ہیں۔ موسیقی سے لگاؤ، ان کی دلی خواہش یا کوئی تہوار۔ وہ اسے کنسرٹ کا نام نہیں دیتی۔ میری ماں کو جھوٹ بولنا آتا ہے نا جھوٹ بول کر کسی کو منانا آتا ہے۔ پھر وہ جو بہانے تراشتی ہیں وہ پکڑے جاتے ہیں۔ مہمان اوٹوا شہر سے آ رہے ہیں جن میں کچھ مصوّر بھی ہیں۔ بیچاری کیسری اپنے ٹانسلز نکال رہی ہے وہ ساتھ جانے سے معذرت کر رہی ہے کیوں کہ وہ تکلیف میں ہے۔ اب مس مارسیلس اپنے پرانے اینٹوں اور فریم والے بنگلے جہاں پچھلی تین محفلوں کے دوران جھگڑا ہوتا رہا ہے اسے چھوڑ کر بالا سٹریٹ میں منتقل ہو گئی ہیں۔ مس مارسلیس کی بڑی بہن مفلوج ہے۔ میری ماں کہتی ہے مس مارسیلس ایسے حالات کو برداشت کرتے کرتے بوڑھی ہو گئی ہے جن سے زندگی میں پالا پڑا رہتا ہے اور ہمیں زندگی گزارنے کے لیے بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔

میری ماں نے مس مارسیلس کو سنجیدہ انداز میں یہ بتانا ضروری سمجھا کہ تمھاری جون کے مہینے میں ہونے والی موسیقی کی تقریب جس جگہ بھی رکھی جائے، جب بھی ہو، کسی پریشانی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ وہ تفریح ہے جس کا سامان وہ ہر بار اہتمام سے کرتی ہے۔ مس مارسیلس دھیمی آواز کی حامل، بے خوف، بے تکان خاتون ہے۔ وہ سماجی تقاریب میں ایسے لوگوں کے لیے بھی رقص اور تفریح کا سامان کرتی ہے جو جلوت میں بھی خلوت نشیں ہوتے ہیں یا جن کا بھری بزم میں جی نہیں لگتا ان کا مس مارسیلس کی سجائی گئی محفل میں خوب جی لگتا ہے۔ اگر وہ یہ محافل اور تقاریب منعقد کرنا ترک کر دے تو وہ گھر میں بچوں کی طرح قیدِ تنہائی کا شکار ہو جائے۔ مگر وہ برملا یہ نہیں کہہ سکتی۔ وہ اُکتا کر ٹیلی فون سے اپنا چہرہ ہٹاتی ہے۔ اس کی نظر غلاظت پر پڑتی ہے جسے وہ صاف نہ کر سکی تھی۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں افسوس کا اظہار کرتی ہے۔ وہ آئندہ ایسی صورت حال سے بچنے کی تدبیر کرتی ہے مگر امید ہے اگلی بار بھی کچھ کمی رہ جائے گی۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہو گی ہر چیز مکمل ہونا ناممکن ہوتا ہے۔

اس نے مارگ فرنچ سے فون پر بات کی جو مس مارسیلس کی پرانی شاگرد ہے وہ اپنے

جڑواں بچوں کو سبق پڑھا رہی ہے وہ کچھ دیر کے لیے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں ساتھ جانے اور ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کا وعدہ کرتے ہیں۔ انھیں یاد ہے جب پچھلی بار تیز بارش ہوئی تھی تو ان کی برساتیاں پانی سے بھری رہ گئی تھیں کیوں کہ ان کو لٹکانے کی جگہ کم پڑ گئی تھی اور فرش پانی سے بھر گیا تھا۔ چھوٹے بچوں کے کپڑے بھی خراب ہو گئے تھے۔ رہائشی کمرے کی کھڑکی پانی سے کھل نہیں رہی تھی۔ پچھلے سال ہی ایک بچے کی نکسیر پھوٹ گئی تھی۔

یقیناً اس میں مس مارسیلس کا کوئی قصور نہ تھا۔

وہ ایک مخصوص انداز میں مسکراتے ہیں۔ ''لیکن اس طرح کی چیزیں پہلے نہیں ہوتی تھیں۔''

یہ حقیقت ہے جسے یہاں بیان کرنا مشکل ہے۔ یہی اصل بات ہے کہ مس مارسیلس کی تقاریب میں پہلی سی بات نہیں رہی۔ سب کچھ ممکن ہے۔ یہاں تک کہ اب یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ تقریب میں جاتے ہوئے پہلا سوال یہ ہوتا ہے ''اور کون کون آ رہا ہے''؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب مس مارسیلس کے ہاں پرانے شاگردوں کا خلا بڑھتا جا رہا ہے۔ اب تو پرانے شاگردوں کے بچے نظر آتے ہیں جو مس مارسیلس کے شاگرد ہیں۔ ہر دفعہ جون کے مہینے میں ہونے والی موسیقی کی محفل میں کوئی نہ کوئی پرانا شاگرد غائب ہوتا ہے۔ میری لیمبرٹ شامل ہوتی ہے نہ ہی جان کرمبل۔ میری ماں اور مارگ فرنچ کا خیال ہے وہ خواتین جو مضافات منتقل ہو گئی ہیں سوچتی ہیں ''ہم پیچھے رہ گئی ہیں''۔ وہ فطرتاً صحیح سمت کا تعین کرنے یا سوچنے سے قاصر ہیں۔ پیانو کی کلاسز اب اتنی اہم نہیں جتنی پہلے کبھی تھیں۔ ہر کوئی رقص کو اہمیت دیتا ہے۔ سمجھتا ہے یہ بچے کی نشو و نما کے لیے زیادہ سازگار ہے اور نہ ہی بچوں کو اس پر اعتراض ہے بہ شمول لڑکیوں کے۔ مگر یہ بات مس مارسیلس کو کون سمجھائے جس کا کہنا ہے موسیقی بچوں کے لیے بہت ضروری ہے۔ تمام بچے موسیقی ہی دل سے پسند کرتے ہیں۔ یہ اس کے نا قابل تنسیخ عقائد میں سے ایک ہے، جسے وہ بچوں کے دلوں میں اُجاگر کرنا چاہتی ہے۔ والدین کے لیے یہ جاننا مشکل ہے کہ اب اس صورت میں کون سا راستہ اپنایا جائے رقص یا موسیقی کا......؟

پرانی بات ہے جب میری بہن ونفریڈ پیانو کی کلاس لیا کرتی تھی جو روز ڈیل میں مس مارسیلس کے گھر میں منعقد ہوتی تھی جہاں وہ برسوں سے رہ رہی تھی۔ یہ ایک تنگ گھر تھا جو گلابی اور سرمئی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اتنا دل کش نہ تھا۔ تھوڑا بہت سجایا گیا تھا۔ بالکنی اور دوسری منزل کی

کھڑکیوں نے گھر کا نقشہ بنا رکھا تھا۔ اس کی شاعرانہ ساخت بن گئی تھی۔ شاید گھر میں زیادہ روشنی نہ تھی اور کہیں کہیں دیوار پر لیمپ روشن تھے یہ متاثر کن تھے۔ یہ ایک عام رہنے کے قابل گھر تھا۔ روز ڈیل میں منعقدہ اس سالانہ محفل موسیقی کا تجربہ اتنا برا نہ تھا۔ وہاں آئی ہوئی خواتین کی جن سینڈوچ سے تواضع کی گئی تھی وہ ان کی شوقین نہ تھیں۔ پھر بھی جب انھوں نے کھائے تو پسند کیے گئے۔ حالاں کہ وہ پہلے ناک منہ چڑھا رہی تھیں۔ اسی طرح باقی کھانے پینے والی چیزیں اتنی مہنگی نہ ہونے کے باوجود بہت لذیذ تھیں، پسند کی گئی تھیں۔ بچوں کے لیے تیار کیا گیا کھانا بھی اچھا تھا۔ مگر پیانو پرفارمنس بہت عام اور کافی حد تک اداس کن تھی اتنی پسند نہ کی گئی۔ مس مارسیلس کا موسیقی کا مثالی نظریہ۔ ان کی نرم مزاجی یا سادہ لوحی نے انھیں بہ طور استاد تقریباً شرمندگی سے دوچار کیا تھا۔ وہ تنقید کرنے سے قاصر تھیں۔ انتہائی معذرت خواہانہ انداز میں اس کی تعریفیں ناقابل معافی اور بے ایمانی کے زمرے میں آتی ہیں۔ قابل اعتبار کارکردگی جو ایک باضمیر شاگرد کے ہاں نظر آتی ہے، غائب تھی۔ مس مارسیلس کا برسوں سے پیانو کے حوالے سے ایک ہی سبق تھا جس سے شریکِ محفل احباب مطمئن نہ تھے۔

لیکن اس دن بھی مجموعی طور پر عام روایتی اور پرانے انداز میں معاملات قرار پائے۔ سب کچھ پہلے سے متوقع تھا۔ مس مارسیلس اپنا مخصوص، قدیم اور سجا ہوا لباس پہنے تاریک فرش پر داخلی دروازے پر کھڑی انتظار کر رہی تھی۔ اس کا سایہ پیچھے کی جانب لہرا رہا تھا جو ایک دوسری مس مارسیلس کا وجود لگ رہا تھا۔ یہ بوڑھا اور قدرے سنگین تھا جسے اس جون کے مہینے سے لے کر اگلے سال جون تک فراموش کر دیا جائے گا۔ یہ کوئی پریشان کن کیفیت نہ تھی بل کہ قابل توجہ حقیقت تھی کہ دنیا میں اس جیسے ایک نہیں بل کہ دو چہرے ہونے چاہییں۔ دونوں لمبے، قدرتی رنگت کے حامل، عجیب وغریب، بڑی ناک اور چھوٹی سرخ آنکھوں والے، ٹھنڈے مزاج کے، یہ قسمت کا بدصورت شاہکار لگ رہے تھے کیوں کہ ہم جنس پرستوں کی طرح کمزور، بچگانہ، جو بے جنس، جنگلی یا مہذب، عجیب مگر گھریلو جو اپنے گھر روز ڈیل میں وقت کی پیچیدگیوں سے باہر ہے۔ ان دونوں چہروں میں صحیح غلط چہرے کی شناخت ممکن نہیں تھی کہ مس مارسیلس کا اصلی چہرہ کون سا ہونا چاہیے تھا۔

جس کمرے میں بچوں کی مائیں بیٹھی تھیں کچھ سخت صوفوں، فولڈنگ والی کرسیوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مائیں ان پر بیٹھیں اپنے بچوں کے گانے سن رہی تھیں۔ اس کمرے کی دیوار پر اسکاٹ کی شہزادی میری کی تصویر آویزاں تھی جو ہولی روڈ قلعہ میں بنائی گئی تھی۔ یہاں تاریخی

لڑائیوں کی تصاویر گرد سے پرانی ہونے کا ثبوت دے رہی تھیں۔کوئی ماں سگریٹ نوشی کی عادی تھی نہ ہی راکھ دان کسی کومہیا کیا گیا تھا۔ یہ بالکل وہی کمرا تھا جس میں انھوں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ ایک عام کمرا تھا جس میں پیانو رکھا گیا تھا جس پر پھول کی پتیاں گرائی گئی تھیں۔مس مارسیلس کا لمس تھا،مگر وہ خوش نہیں لگ رہی تھی شاید تھوڑی غیر مطمئن بھی تھی۔

بہت سی خواتین ایسی تھیں جو ایک عرصے سے اس تقریب میں آ رہی تھیں جن کا اہتمام مس مارسیلس ہر جون کے مہینے میں کرتی تھی۔اب ان کے بچے بڑے ہو گئے تھے۔وہ بھی مس مارسیلس کی تقریب میں مدعو ہوتے تھے۔ ہر بار پہلے سے زیادہ غیر مطمئن لوٹتے تھے مگر وہ مس مارسیلس سے اس کا گِلہ بھی نہ کرتے۔یہ حقیقت تھی کہ مس مارسیلس اپنی تقاریب کا حسن کھوتی جا رہی تھی۔اس بات کا احساس سب کو تھا سوائے مس مارسیلس کے۔پارٹی میں آئے مہمان جب واپس جاتے ان کے چہرے اُترے ہوتے۔مگر ایک ایسی چیز تھی جو ان کو اس تقریب میں ہر بار کھینچ لاتی تھی شاید وہ ان کا ناسٹیلجیا تھا۔ماضی اور بچپن کی یادیں یا دوستوں کی صحبتیں تھیں جو ان کو تقریب میں حاضر کر دیتی تھیں، ورنہ وہ تقریب میں پیانو بجانے سے مطمئن نہ ہوتے تھے۔وہ مس مارسیلس اور ان کی بہن کے پیانو سے لگاؤ کو جوجنون کی حد تک تھا تسلیم کرتے تھے۔

پیانو بجانے کے بعد ایک چھوٹی تقریب ہوئی جو شرمندگی کا باعث بنی۔اس سے پہلے بچوں کو باغ کی طرف فرار ہونے کی اجازت دی جاتی تھی۔ بہت تنگ، قصبے کا باغ تھا جس میں سایہ دار، پیلے رنگ کے کنول کی باڑ تھی، جہاں ایک میز بچوں کے گلابی اور نیلے رنگ کے نرم پیپر سے ڈھکی ہوئی تھی اور باورچی خانے سے عورتیں سینڈوچ،خوب صورت آئس کریم،رنگین اور بے ذائقہ شربت کی بوتلیں رکھتی تھیں۔وہ مس مارسیلس کی طرف سے ایک ایک کر کے سال کا تحفہ قبول کرنے پر مجبور ہو گئیں۔سب سے زیادہ بھولی شاگردوں کے علاوہ اس تحفے سے کسی کو دل چسپی کی توقع نہ تھی۔یقیناً یہ ایک کتاب ہوتی اور مجھے نہیں معلوم وہ یہ کتاب کہاں سے ڈھونڈ لاتی تھی۔ایسی قدیم کتب بچوں کے لیے اتوار کے دن کتب خانے سے ملتی تھیں۔وہاں بھی یہ الماریوں میں بند پڑی ملتیں یا تہہ خانوں میں جانے کب سے گم نام ہو چکی تھیں۔ یہ ہمیشہ نئی اور بغیر استعمال ہوتی تھیں۔''نارتھ لیک اینڈ رِوَر''''نوئنگ دا برڈ''''گرے اوول''''لٹل مشن فرینڈز'' وہ تصاویر بھی دیتی''کیوپڈ اواک اینڈ کیوپڈ اسلیپ''''آفٹر دا باتھ''''دی لٹل وِنجیلنٹس''ان میں سے زیادہ تر میں وہ نرم بچگانہ عریانیت نظر آتی تھی جسے شائستہ مزاج احباب مضحکہ خیز کہتے تھے۔یہاں تک کہ جو

گیمز ہمیں دیں وہ ناقص اور نا قابل استعمال تھیں یا بہت پیچیدہ تھیں جس میں سب کو جیتنے کا موقع دیا گیا تھا۔

اس وقت ماؤں نے جو شرمندگی محسوس کی وہ تحفہ دینے کی وجہ سے نہیں تھی مس مارسیلس اس کی متحمل ہیں یا نہیں۔ یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ گزشتہ دس سالوں میں صرف ایک بار فیس بڑھی تھی اور بہت سی ماؤں نے آنا چھوڑ دیا تھا جب ان سے وجہ دریافت کی گئی تو جواب ملا مصروفیات بڑھ گئی ہیں گھر سے نکلنا ممکن نہیں رہا۔ نیز مس مارسیلس پیانو کے علاوہ اور کسی صلاحیت کی حامل نہ تھی جو وہ بچوں کو سکھا سکتی۔

مس مارسیلس اس گھر میں برسوں سے رہ رہی تھی اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنی فیس نہیں بڑھائی تھی۔ بچے اس کے پاس پیانو سیکھنے آتے تھے اس کا نظام اچھا چلتا تھا پھر مس مارسیلس سادگی پسند بھی تھی۔ زیادہ مہنگی چیزوں کو وہ استعمال ہی نہ کرتی۔ اس کی بہن جو ریٹائرڈ تھی مس مارسیلس کے ساتھ ہی رہتی اور بچوں کو نجی طور پر پیانو ہی نہیں جرمن اور فرنچ زبانوں کا درس بھی دیتی تھی۔

جب بینک سٹریٹ پر بنگلے کی تعمیر کے لیے جگہ درکار ہوئی تو روز ڈیل والا گھر گرانا پڑا۔ وہ باتیں جو مس مارسیلس کے بارے کی جاتی تھیں اختتام کو پہنچیں۔ مس مارسیلس کی زندگی کا یہ پہلو ایسا تھا جس کے بارے میں بحث کرنا بے ادبی اور غیر اخلاقی کے زمرے میں آتا ہے۔

''اگر بارش ہوئی تو میں مر جاؤں گی''۔ میری ماں کہتی ہے ''میں ذہنی دباؤ سے مر جاؤں گی'' اگر بارش ہوئی۔ لیکن دعوت والے دن بارش نہیں ہوئی۔ اصل میں موسم کافی گرم تھا۔ بہت شدید گرم۔ بالا اسٹریٹ کی تلاش میں ہم جب شہر کی طرف روانہ تھے تو راستہ بھول گئے۔ جب ہمیں گلی مل گئی یہ ہماری توقع سے بڑھ کر متاثر کن تھی۔ اس کی وجہ درختوں کی قطار تھی باقی گلیاں جن سے ہمارا گزر ہوا غیر سایہ دار اور بیزار کن تھیں۔ یہاں گھر درمیان سے دو حصوں میں تقسیم تھے جن کو گھر کے برآمدے میں لکڑی لگا کر علاحدہ کیا گیا تھا۔ جن کے دو پائے دان اور لکڑی کا ایک صحن تھا۔ بہ ظاہر ان آدھے گھروں میں سے کسی ایک میں مس مارسیلس رہتی ہیں۔ یہ سرخ اینٹوں سے بنے ہیں۔ ان کے داخلی دروازے اور کھڑکیاں تراشی ہوئی ہیں۔ ڈیوڑھیاں ہلکے پیلے، سرمئی، چمکتے سرسبز اور پیلے رنگ سے رنگی ہوئی ہیں۔ یہ صاف ستھرے گھر ہیں۔ مس مارسیلس کے گھر سے اگلے گھر کا سامنے والا حصہ ایک دکان میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس کے اوپر'' کریانہ اور مٹھائی کی

دکان'' کا بورڈ ہے۔

دروازہ کھلا ہے۔مس مارسیلس دروازے، کپڑے لٹکانے والی کھونٹیوں اور سیڑھیوں کے درمیان کھڑی ہے۔ جہاں سے گزر کر رہائشی کمرے تک پہنچنے کے لیے جگہ بہت کم ہے۔اس صورت میں کسی کے لیے بھی رہائشی کمرے سے نکل کراوپر جانا ناممکن ہے۔مس مارسیلس میک اپ، بالوں کے انداز، لمبے ریشمی لباس کے ساتھ موجود ہے۔اس تیز روشنی میں وہ ایک جھوٹا کردار یا بہروپیا دکھائی دیتی ہے۔

جیسے اسے بخار ہو، پرکشش داشتہ ہو یا ناخوش گوار کٹر مسیحی فرقے کی ہم خیال ہو۔لیکن یہ بخار نہیں ہے جس نے اس کی آنکھوں کو سرخ شربتی کر رکھا ہے۔یہ اس کی آنکھیں ہیں، ہمیشہ سے ایسی ہیں۔ہم نے جب بھی اسے قریب سے دیکھا ہے ایسا ہی پایا ہے۔میرا اور میری ماں کا مس مارسیلس نے بوسہ لیا۔ مجھے سلام کیا ہمیشہ کی طرح جیسے میں تقریباً پانچ سال کی تھی۔ہم اس سے آگے گزر گئے۔ مجھے ایسا لگا کہ مس مارسیلس نے جب ہمارا بوسہ لیا تو وہ کسی کی تلاش میں تھیں۔وہ گلی کی طرف کسی ایسے مہمان کی راہ دیکھ رہی تھی جو ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔گھر میں رہائشی اور ایک کھانے کا کمرا تھا جن کو بلوط کی لکڑی سے بنے دروازے کی مدد سے الگ کیا گیا تھا۔ یہ چھوٹے کمرے ہیں۔اسکاٹ کی شہزادی میری کی شان دار تصویر دیوار پر آویزاں ہے۔چوں کہ آتش دان نہیں ہے لہٰذا لوہے سے بنی لکڑی لگانے والی چمنیاں بھی نہیں ہیں۔مگر پیانو موجود ہے۔ یہاں تک کہ عودالصلیب اور جھاڑیوں والے پھولوں کا گل دستہ بھی ہے جو خدا جانے کس باغ سے لائے گئے ہیں۔ یہ بہت چھوٹا کمرا ہے اس لیے رہائشی کمرا پر ہجوم نظر آرہا ہے۔ بہ شمول بچوں کے اس میں درجن بھر لوگ بھی نہیں ہیں۔میری ماں لوگوں سے بات کرتی ہے، مسکراتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے۔ وہ مجھ سے کہتی ہے مارگ فرنچ اب تک یہاں نہیں پہنچی، کہیں رستہ نہ بھول گئی ہو۔ ہمارے پاس بیٹھی عورت ہم سے ناواقف ہے وہ ادھیڑ عمر ہے جس نے ریشمی نقلی موتیوں سے سجا لباس پہن رکھا ہے۔اس سے دھلائی کی بو آرہی ہے۔اس نے اپنا تعارف مسز کلیگ کہہ کر کرایا جو مس مارسیلس کی ہمسائی ہے۔مس مارسیلس نے اسے پیانو پر بچوں کی کارکردگی کے بارے دل چسپی کا پوچھا تھا اور اس نے کہا تھا'' مجھے موسیقی پسند ہے، میرے لیے اعزاز سے کم نہ ہوگا''۔میری ماں بہت خوش گوار مگر کچھ حد تک بے آرام دکھائی دے رہی ہے۔وہ مس مارسیلس کی بہن کے متعلق پوچھتی ہے'' کیا وہ اوپر ہے''؟ جی وہ بیچاری اوپر ہے'' بڑے افسوس کی بات ہے'' میری ماں نے کہا۔

ہاں یہ افسوس ناک ہے میں نے اسے دو پہر سونے کے لیے نیند کی دوا دی ہے۔ تمھیں معلوم ہے وہ قوتِ گویائی سے محروم ہو گئی ہے۔ اسے خود پر اختیار نہیں ہے۔ اس نے دھیمی آواز میں میری ماں سے کہا کہ ''مزید ذاتی تفصیلات بھی ہیں'' اور میری ماں نے فوراً ٹوک کر کہا یہ بہت افسوس کی بات ہے (وہ یہ تفصیلات نہیں سننا چاہتی تھی) جب مس مارسیلس درس دینے باہر کہیں جاتی ہے تو میں ہی اس کی دیکھ بھال کرتی ہوں۔ قابلِ تعریف بات ہے مجھے یقین ہے وہ آپ کی شکرگزار ہو گی، میری ماں نے کہا۔

''مجھے ان بوڑھی خواتین سے ہمدردی پیدا ہو گئی ہے''۔ وہ اب بچوں کی طرح ہیں۔ میری ماں جواباً بڑبڑاتی ہے۔ مگر وہ مس کلیگ کی طرف نہیں دیکھتی نہ اس کے تیز سرخی مائل چہرے کی طرف یا اس کے دانتوں کے درمیان حیران کن خلا جسے صرف میں دیکھ رہی ہوں۔

وہ مایوسی کے ساتھ کھانے کے کمرے کی طرف دیکھ رہی ہے جو مس کلیگ کی پشت پر ہے۔ وہ کھانے سے سجے میز کی طرف دیکھ رہی ہے جس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ سینڈوچ کی پلیٹیں ترتیب سے پڑی ہیں جیسے ان کو رکھے کافی دیر ہو گئی ہو۔ آپ دیکھ سکتے ہیں سب سے اوپر پڑے سینڈوچ کناروں سے مڑنا شروع ہو گئے ہیں۔ میز پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں، سینڈوچ پر بیٹھتی ہیں اور بیکری سے لائے گئے چھوٹے ٹھنڈے کیک پر آسانی سے رینگ رہی ہیں۔ میز پر درمیان میں کناروں سے تراشا ہوا پیالہ پھلوں سے بھرا ہے جو ٹھنڈے نہیں ہیں۔ مس کلیگ نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا ''سب کچھ وقت سے پہلا رکھنا مناسب نہیں ہے''۔ یہ بات میں نے مس مارسیلس سے کہی تھی۔ یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی جیسے وہ کسی سرکش بچے کی غلطیوں کے بارے بتا رہی ہو۔ تم جانتی ہو اس نے سینڈوچ صبح پانچ بجے بنائے ہیں مجھے نہیں معلوم یہ چیزیں اب ذائقہ دار ہوں گی کہ نہیں۔ اسے یہ خوف لاحق ہو گا کہ یہ وقت پر تیار نہیں ہوں گی یا اسے خوف ہو گا کہ وہ کچھ بھول جائے گی ان دونوں بہنوں کو بھولنے سے نفرت ہے۔

''کھانا گرم موسم میں باہر نہیں چھوڑنا چاہیے'' میری ماں کہتی ہے۔

''ہاں مگر یہ نقصان دہ نہیں ہو گا'' میں بس یہ سوچ رہی تھی سوکھے ہوئے سینڈوچ کھانا کتنا افسوس ناک ہے اور جب اس نے دوپہر میں اپنے ہاتھ میں ادرک کا قہوہ بھرا تو مجھے ہنسی آ گئی۔ کتنی فضول حرکت ہے۔ میری ماں اپنی جگہ بدل لیتی ہے اور لباس کی سلوٹوں کو درست کرتی ہے۔ جیسے اسے اچانک نامعقولیت کا احساس ہے۔ جب اسے میزبان کے بارے میں اسی کے گھر

میں بیٹھ کر ایسی باتیں کرنے کا خیال آیا جو نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ مارگ فرنچ ابھی تک نہیں پہنچی۔ وہ تو راستے میں تھی۔ میری ماں نے درشتی سے کہا۔

''میں یہاں سب سے بڑی لڑکی ہوں'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''خاموش، اس کا مطلب ہے تم آخر میں کھیلو گی''۔

خیر اس سال یہ اتنا لمبا پروگرام نہیں رہے گا۔ کیا رہے گا؟

مس کلیگ ہماری طرف جھکتی ہے جس سے اس کی چھاتیوں کے درمیان سے گرم باسی بدبو کا جھونکا ہماری طرف آتا ہے۔ ''میں دیکھے جارہی ہوں کہ مس مارسیلس نے آئس کریم کے لیے مناسب فریج کا اہتمام کر رکھا ہے کہ نہیں''۔ اگر یہ سب پگھلنا ہی ہے تو یہ بہت غلط بات ہے۔

میری ماں کمرے کے اس پار جاتی ہے اور اپنی جاننے والی خاتون سے گفتگو کرتی ہے۔ شاید وہ کہہ رہی ہے ''مارگ فرنچ نے کہا تھا وہ آرہی ہے''۔

عورتیں جو پارٹی میں تیار ہو کر آئی ہیں اب گرمی سے متاثر نظر آنے لگی ہیں۔ کافی حد تک مضطرب بھی ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھتی ہیں یہ دعوت کب شروع ہوگی۔ یقیناً بہت جلد۔ لوگ کتنے بے لحاظ ہیں کہ اب تک نہیں پہنچے۔ اس شدید گرمی میں یہاں تک آنا محال ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ لوگ ابھی تک نہیں پہنچے۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا مجھے اندازہ ہوا کہ کمرے میں میری عمر کے آس پاس کوئی دوسرا نہیں ہے۔

چھوٹے بچوں نے پیانو بجانا شروع کیا۔ مس مارسیلس اور مس کلیگ نے پرجوش انداز میں تالیاں بجائیں۔ باقی ماؤں نے اطمینان کا سانس لیا اور دو تین بار تالیاں بجائیں۔ میری ماں سے تالیاں نہ بجائی گئیں حالاں کہ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ کھانے کی میز اور مکھیوں کی نقل و حرکت کو نظر انداز کر سکے۔ بالآخر اسے پھلوں سے سجے میٹھے کے پیالے سے کہیں دور کوئی چیز نظر آئی جس نے اسے کھانے کی میز سے نظر ہٹانے پر مجبور کیا مگر یہ بھی ایک مثبت انداز نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مس مارسیلس کے لیے بھی پیانو بجاتے بچوں پر نظر جمائے رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ مسلسل دروازے کی طرف دیکھ رہی ہے۔ کیا وہ پرامید ہے کہ اب بھی کچھ بغیر بتائے آنے والے مہمان اسے اپنی آمد سے حیران کر سکتے ہیں۔ بچوں کو لازمی طور پر دیے جانے کے لیے آدھے درجن سے کہیں زیادہ تحفے موجود ہیں جو سفید کاغذ میں لپٹے ہیں۔ چمکیلے فیتے سے باندھے گئے ہیں۔ یہ جو اصلی فیتہ نہیں ہے بل کہ سستا ہے جو آسانی سے ٹوٹ جاتا ہے۔

اس وقت کہ جب میں پیانو کے سامنے بیٹھے بیرینس کی مشہور رقص کی دھن بنا رہی ہوں بالآخر وہ آتا ہے جس کا سوائے مس مارسیلس کے کوئی اور منتظر نہ تھا۔ پہلے ایسے لگتا ہے جیسے کہیں کچھ غلطی ہوئی ہے۔ میں نے کن اکھیوں سے آٹھ یا دس سال کے بچوں کا گروہ دیکھا جنھوں نے وردی پہن رکھی ہے ان کے ساتھ سرخ بالوں والی ایک عورت ہے جو آگے آ رہی ہے۔ وہ کسی نجی سکول کے بچوں کا گروہ لگ رہا ہے جو تفریح کی غرض سے آئے ہیں۔ مگر اس حساب سے ان کی پیش رفت بے ترتیب ہے۔ یہی وہ تاثر ہے جو مجھے محسوس ہوا۔ شاید یہ حقیقت نہ ہو۔ کیا وہ غلط گھر آ گئے ہیں؟ کیا وہ کسی ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں؟ یا چھٹیوں میں دی جانے والی مسیحی کلاسز لینے آئے ہیں؟ نہیں، مس مارسیلس معذرت خواہانہ سرگوشی کے ساتھ اٹھتی ہیں اور ان سے ملنے خوشی خوشی چلی گئی ہیں۔ میرے پیچھے جڑ کر بیٹھے لوگوں کی، بند کرسیوں کو کھولنے کی اور نہ مناسب جگہ پر ہنسی کی آواز آ رہی ہے۔

ان مہمانوں کی آمد سے ہونے والی ہلچل کے ساتھ ساتھ ایک عجیب خاموشی چھا گئی ہے۔ کچھ ایسا ہوا ہے، کچھ غیر متوقع ہے جو آپ یہ محسوس کر سکتے ہیں۔ میں پیانو بجانا جاری رکھتی ہوں۔ میں اس سخت خاموشی کو اپنے پیانو کی آواز سے توڑنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں پیانو سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تو نئے آنے والے مہمان بچوں پر گرتے گرتے بچی۔ ان میں سے ایک نو دس سالہ بچہ میرے پیچھے آتا ہے۔ مس مارسیلس اس کا ہاتھ پکڑتی ہے اور دیکھ کر مسکراتی ہے اور وہ کوئی رد عمل ظاہر نہیں کرتا۔ مگر وہ اپنی مسکراہٹ برقرار رکھتی ہے۔ وہ لڑکا بھی عجیب ہے۔ وہ چپ بیٹھا مس مارسیلس کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ اس بچے کی خود اعتمادی کے لیے وہ اس سے بات کرتی ہے۔ مگر میری توجہ تو اس دس سالہ لڑکے کے یک طرفہ چہرے سے نہیں ہٹتی جب وہ مس مارسیلس کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس کا چہرہ اداس اور آنکھیں غیر معمولی چھوٹی اور جھکی ہوئی ہیں۔ میں وہی چہرہ دو تین بار دیکھتی ہوں ساتھ ساتھ میری نظر فرش پر بیٹھے باقی بچوں کا تعاقب کر بھی کرتی ہے۔ میں ایک اور لڑکے کی طرف دیکھتی ہوں جس کا سر بہت بڑا ہے۔ یہاں باقی بچوں کے خدوخال معمولی ہیں جیسے بچکانا اور پرسکون ہو۔ بچے سفید قمیض اور سرمئی مختصر پتلون جب کہ لڑکیوں نے سرمئی سبز رنگ کے سوتی کپڑے زیب تن کیے ہیں جس پر سرخ بٹن اور کمر بند نمایاں ہیں۔ کبھی کبھی اس قسم کی چیزیں انسان کو محظوظ کرتی ہیں (مسز کلیگ کہتی ہیں)۔ ایسے پریشان لہجے سے بے خبر میری ماں سرگوشی کرتے پوچھتی ہے "یہ کون ہے"؟ یہ مس مارسیلس کی گرین ہل اسکول والی کلاس کے طلبا ہیں۔ یہ

اچھے اور چھوٹے ہیں مگر ان میں سے اکثر موسیقی پسند ہیں مگر یقیناً یہ تمام طلبا نہیں ہیں۔ میری ماں غیر متوجہ انداز میں سر ہلا دیتی ہے۔ وہ اِدھر اُدھر کمرے میں نظر گھماتی ہے اس کی آنکھیں دوسری چوکس خواتین سے ٹکراتی ہیں۔ اس سے کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ یہاں کچھ بھی کرنے کے لیے نہیں ہے۔ یہ بچے پیانو بجانا شروع کرتے ہیں۔ یہ برا نہیں بجا رہے کم از کم ہم سے برا تو بالکل نہیں۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ ان کی سپیڈ کم ہے اور مزید دلچسپی کا عنصر نظر نہیں آ رہا۔ ایسی صورت میں بچوں کو غور سے دیکھنا غیر مناسب ہوگا۔ مگر پھر بھی جب کوئی پیانو بجا رہا ہو، تو اس کی جانب دیکھنا شائقین کی مجبوری ہوتی ہے۔ کمرے کا ماحول عجیب ہے ایسے خواب کی طرح جس سے فرار ممکن نہ ہو۔ میری ماں اور باقی عورتوں کو یہ کہتے سنا جا سکتا ہے نہیں میں جانتی ہوں اس طرح بچوں کی وجہ سے پیچھے ہٹائے جانا مناسب نہیں ہے اور مجھے پیچھے نہیں ہٹایا گیا مگر مجھے کسی نے نہیں بتایا تھا کہ میں یہاں ان بے وقوف بچوں کو سننے آ رہی ہوں۔ وہ سچ میں بے وقوف ہی ہیں۔ یہ کیسی پارٹی ہے؟ بہر حال ان کی تالیاں تیز ہوگئی ہیں۔ وہ اپنے دانتوں کو بھینچ کر کہتی ہیں اب کم از کم دعوت تو ختم کر دینی چاہیے۔ مگر اس کے اختتام کی امید ہنوز نظر نہیں آ رہی ہے۔

مس مارسیلس ہر بچے کا نام پکارتی ہے جیسے یہ کوئی جشن کا سماں ہو۔ اب وہ کہتی ہے ڈالرس بوئیل ''میری ہم عمر لڑکی، لمبی ٹانگوں والی، دبلی، پتلی، سوگوار لڑکی، تقریباً سفید بالوں والی'' جب اسے پکارا جاتا ہے فرش سے اٹھتی ہے بینچ پر بیٹھتی ہے۔ اپنی سمت درست کرتی ہے، اپنے لمبے بال پیچھے جھٹک کر کانوں کے پیچھے اڑس کر پیانو بجانا شروع کر دیتی ہے۔

ہم مس مارسیلس کی دعوتوں میں پیش کی جانے والی سرگرمیوں سے برسوں سے واقف ہیں مگر حقیقی موسیقی کی توقع کبھی نہیں کی۔ مگر اس بار یہ اپنا آپ منواتی ہے بغیر کسی کوشش یا توجہ کی طلب کے، ہم شاید ہی کبھی اتنے حیران ہوئے ہوں۔ وہ جو بھی پیش کر رہی ہے ہم اس سے مانوس نہیں ہیں۔ وہ نازک، دھیمہ اور کچھ شائستہ ہے جس میں آزادی کی خوشی ہے یا غیر جذباتیت کی حامل تسکین ہے۔ یہ لڑکی جو بھی بجا کر پیش کر رہی ہے...... یہ کچھ ایسا ہے جو آپ نے کبھی نہ سوچا ہوگا کہ یہ کیا جا سکتا ہے...... ایسی موسیقی سنانا ہے حظ اٹھایا جا سکے، یہ مکمل طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اس بے کار، فضول شام میں بالا سٹریٹ پر بنے مس مارسیلس کے کمرے میں بھی۔ بچے خاموش ہیں۔ گرین ہل اسکول اور اس کے علاوہ بھی آئے ہوئے تمام بچے۔ مائیں احتجاج بھری نظروں کے ساتھ بیٹھی ہیں۔ پہلے سے گہری بے چینی کے ساتھ جیسے انھیں کچھ ایسا یاد

دلایا ہو جو وہ بھول چکی ہیں، سفید بالوں والی لڑکی، اپنی دُھن میں سر جھکائے پیانو پر بیٹھی ہے۔ موسیقی کھلے دروازوں اور کھڑکیوں سے گزر کر گرمیوں کی شدید گرم گلیوں میں پھیل جاتی ہے۔

مس مارسیلس پیانو کے پاس بیٹھی اور حسب معمول سب کی جانب دیکھ کر مسکراتی ہے۔ اس کی مسکراہٹ فاتحانہ یا عاجزانہ نہیں بل کہ معمول کے مطابق ہے۔ وہ لوگوں کے چہروں پر تاثر دیکھنے کی متمنی بھی نہیں ہے جیسے کوئی جادوگر اپنا جادو پیش کرنے کے بعد صلے کا منتظر رہتا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے......آپ سوچیں گے اب زندگی کے آخری حصے میں اسے کوئی ایسا مل گیا ہے جسے وہ سکھا سکتی ہے......جس کو اسے ضرور سکھانا چاہیے۔ وہ اپنی اس دریافت سے مکمل ہو جائے گی۔ مگر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ لڑکی جو بجا رہی ہے وہ اس کی برسوں کی ریاضت کا ثمر ہے اور وہ اس سے بالکل مطمئن ہے۔ وہ لوگ جو معجزوں پر یقین رکھتے ہیں جب حقیقت سے آشکار ہوتے ہیں تو بالکل حیران نہیں ہوتے۔ مس مارسیلس اسے گرین ہل کے طلبا سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہی، وہ بچے جو اس سے محبت کرتے ہیں، یا باقی ہم جو اس سے پیار بھی نہیں کرتے اس کی نظر میں سب برابر ہیں اس لڑکی کے لیے کوئی خاص تحفہ بھی ممکن نہیں، کوئی خاص اہتمام بھی نہیں ہے۔

لڑکی موسیقی ختم کر دیتی ہے۔ مگر یہ ابھی تک لوگوں کو محسور کر رہی ہے، سب حیران ہیں یہ کب ختم ہوئی یا کبھی بھی ختم نہ ہو سکے اور ہمیں اپنے حصار سے دور کر سکے۔ موسیقی شروع کرنے سے پہلے اور ختم کرنے تک اس کی شخصیت میں کوئی بدلاؤ نہیں دیکھا گیا، وہ ویسی ہی ہے ایک لڑکی جو گرین ہل سکول سے آئی ہے۔ حقائق سے انحراف ناممکن ہے۔ کچھ لمحات گزرنے کے بعد اپنی تمام تر سحر انگیزی کے باوجود یہ کارکردگی ایک چال نظر آتی ہے ایک بہت کامیاب اور توجہ ہٹانے والی، یقیناً ہو سکتا ہے، مگر کیسے؟ شاید ایک ساتھ یہ بات مناسب انداز میں کرنا ممکن نہیں ہے۔ لڑکی کی ناقابل تردید صلاحیت بالآخر بے کار اور موقع کے لحاظ سے نامناسب ہے جس میں ایسا کچھ نہیں جس کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔ مس مارسیلس کے لیے یہ چیز قابل قبول ہے مگر دوسرے لوگ جو عملی زندگی جی رہے ہیں ان کے لیے بالکل نہیں......کوئی بات نہیں ان کو لازمی کچھ ایسا کہنا چاہیے کہ وہ موسیقی کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کریں۔ اس کی حوصلہ افزائی یہ کہتے ہوئے کریں ''یہ کتنا اچھا ہے، کتنا خوب صورت شاہکار ہے، اس موسیقی کو کیا کہا جاتا ہے''؟

مس مارسیلس کہتی ہیں ''خوش نما روحوں کا رقص'' پھر وہ یہی بات فرانسیسی زبان میں کہتی ہے، جو کسی کو مزید کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑتا۔

پھر گھر واپس جاتے ہوئے، اس سرخ اینٹوں والی گرم گلی، مس مارسیلس اور اس کی ممکنہ طور پر مزید نہ ہونے والی دعوتوں کو پیچھے چھوڑ کر شہر سے باہر نکلتے ہوئے یقینی طور ہم یہ کہنے سے قاصر ہیں ...... بے چاری مس مارسیلس۔ کیا یہ اس خوش نما روح (مس مارسیلس) کا رقص ہے جو ہمیں یہ کہنے سے روکتا ہے جب کہ یہ اس دوسری دنیا کا صرف ایک جملہ ہے جہاں وہ رہتی ہے۔